خطباتِ سلف

علمائے کرام سے خطاب

تصحیح ونظرثانی
حضرت مولانا مفتی محمد امین صاحب پالنپوری
استاذ حدیث وفقہ دار العلوم دیوبند

ترتیب وانتخاب
حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری
شیخ الحدیث ادارۂ دینیات، ممبئی

۱

- مولانا ظفر احمد عثمانی
- شاہ عبد الرحیم رائے پوری
- مولانا حسین احمد مدنی
- شاہ محمد احمد پرتاپ گڑھی
- علامہ سیّد سلیمان ندوی
- شاہ عبد الرحیم لاجپوری
- مولانا ابو الحسن علی ندوی
- مولانا ابرار احمد دھولیہ
- مفتی محمود الحسن گنگوہی
- مولانا ادریس کاندھلوی
- ڈاکٹر عبد الحیٔ عارفی
- حجۃ الاسلام امام غزالی
- مولانا اشرف علی تھانوی
- مولانا محمد زکریا کاندھلوی
- قاری صدیق احمد باندوی
- مولانا عاشق الٰہی بلند شہری

خطبات سلف

علمائے کرام سے خطاب

جلد اول

انتخاب وترتیب

حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری

ناشر
مکتبہ ابن عباس ممبئی

نام کتاب : خطبات سلف جلد اول

تالیف : حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری
خادم مکاتبِ قرآنیہ ممبئی

طباعت :

کمپوزنگ : سہیل اختر دیوبند 9412323894

ناشر : مکتبہ ابن عباس ممبئی

مطبوعہ :

ملنے کے پتے

(ادارۂ اسلامیات 36 / محمد علی روڈ ممبئی-3)   (ادارۂ الصدیق ڈابھیل گجرات)

ادارۂ علم وادب دیوبند، مکتبہ اتحاد دیوبند، دارالکتاب دیوبند، الامین تابستان دیوبند

فہرست مضامین

● تقریظ: حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاہودروی ۲۳
● تقریظ: نمونہ اسلاف حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خان پوری ۲۵
● رائے اور مشورہ ۲۷
● پیش لفظ ۲۹

اشرف البیان فی معجزات القرآن (۱)

(شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ)

● حج کے شوق نے بے چین کردیا ۳۴
● دعا پر اللہ کی مدد ۳۴
● کپتان قاری صاحب کا گرویدہ ہوگیا ۳۵
● فلم کمپنی کے مالک پر قرآن کا اثر ۳۶
● تم کو اسلام سے کیا ملا ۳۷
● ان نمازوں کی کیفیت وحلاوت نہ پوچھو ۳۷
● سکون وراحت کا حقیقی سبب ۳۸
● قرآن کے ساتھ شغف اور تعلق ۳۹
● قرآن نے بم دھماکے سے بچالیا ۳۹

● بغیر پڑھے پڑھائے پیدائشی حفظ قرآن ۴۰
● مجھے بیوی نے مسلمان بنایا ہے ۴۰
● عورت کا قرآن پر ایمان ویقین ۴۱
● بیوی کے ایمان لانے کا واقعہ ۴۲
● قرآن میرے ڈولے میں رکھ دینا ۴۳
● اسلام کے اظہار پر قومی حالات ۴۳
● اسلام پر پہلا اعتراض اور اس کا جواب ۴۴
● اسلام پر دوسرا اعتراض اور اس کا جواب ۴۴
● وید میں بھی کلمہ طیبہ کا ذکر موجود ہے ۴۵
● ہندو بنیا جنت میں گشت کر رہا ہے ۴۵
● قاری لالہ صاحب کی دو کرامتیں ۴۶
● شاہ قسطنطنیہ کو قاری صاحب نے تراویح میں قرآن سنایا ۴۶
● شاہ قسطنطنیہ کا ملکہ وکٹوریہ کے نام خط ۴۷
● قرآن کا معجزہ ۴۸
● میرا چشم دید واقعہ ۴۸

نعمت قرآن (۲)

(حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ)

● قرآن سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ۵۲
● قرآن کی ناقدری کفرانِ نعمت ہے ۵۲
● قرآن والا سینہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ کے مشابہ ہے ۵۲

- جن کے رتبے ہیں سوا ان کی مشکل ہے سوا ۵۳
- اشاعت قرآن کی قیمت اللہ کی رضا ہے ۵۴
- تنخواہ تعلیم کا بدل ہرگز نہیں ۵۴
- خادم قرآن کی ضروریات کا تکفل ہوتا ہے ۵۵

عظمتِ قرآن کریم (۳)

(شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ)

- محبوبیت انسان ۵۸
- جو جتنا بڑا اس کی سزا بھی اتنی بڑی ۵۸
- عشق مادی ۵۹
- زینتِ دنیا کا دھوکہ ۶۰
- امتحان نعمت ۶۱
- سب سے بڑی نعمت ۶۲
- قرآن کا چیلنج ۶۳
- دیگر ساری حرکتیں کیں مگر قرآن کے جواب سے خاموش ۶۳
- امتیاز معجزۂ قرآن کریم ۶۴
- فضیلتِ حفظ ۶۴
- شرفِ غلامی ۶۵
- ادنیٰ درجہ شکر ۶۶
- بے سمجھے قرآن پڑھنے پر بھی ثواب ہے ۶۶

● جذبۂ خدمتِ دین ۶۷
● قرآن اور رمضان ۶۸

حاملین قرآن کی ذمہ داریاں (۴)

(عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڈھیؒ)

● آخری رسول اور آخری کتاب ۷۱
● صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم سے شغف ۷۱
● کلام خداوندی کا کمال ۷۳
● مشرکین کی تدبیر کا رد ۷۳
● تلاوت کلام اللہ کی حلاوت کسے اور کیسے؟ ۷۴
● ایک عظیم الشان نعمت ۷۵
● قرآن کریم کی ناقدری پر وعید ۷۵
● مسلمان تا قیامت محفوظ رہیں گے ۷۶
● قرآن پاک خدا کی مضبوط رسی ہے ۷۷
● حاملین قرآن کی صفات ۷۸
● تمام صفات حمیدہ کی اصل تواضع ہے ۷۹
● سنتِ آدم اور طریقۂ شیطان قیامت تک چلتا رہے گا ۷۹
● خوش نصیب ہیں وہ لوگ ۸۱
● قرآن وحدیث کا علم سب چیزوں سے مستغنی کر دیتا ہے ۸۱
● علم نافع اور علم غیر نافع ۸۲

● علم کی حقیقت ۸۳
● حصول علم کے آداب ۸۴
● امام شافعیؒ کو اپنے استاذ کی نصیحت ۸۴
● اساتذۂ کرام اور طلباء سے ایک گذارش ۸۵
● مشائخ نے اب اپنا معمول بدل دیا ۸۵
● قلب کے اصلاح کی اشد ضرورت ہے ۸۶
● انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد ۸۷
● منصب رسالت کی خصوصیات ۸۷
● آج کل لوگوں کا حال یہ ہے!!! ۸۸
● صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا امت پر احسان عظیم ۸۸
● حصول علم کے متوالے ۸۹
● تین چیزیں مطلوب ہیں ۹۰
● حکیم الامتؒ کی حکیمانہ بات ۹۰
● ذکر وصالِ حق کا مقناطیس ہے ۹۱
● صرف درسی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا کافی نہیں ۹۱

علماء عظام کی ذمہ داریاں (۵)

(حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ)

● طالب علمی کا زمانہ اب شروع ہوا ۹۵
● ہمارے درس کا حال ۹۶
● حالات زمانہ سے واقفیت ضروری ہے ۹۶

● اسلاف کے پچھلے سبق کو دہرانے کی ضرورت ہے ۹۷
● آج دنیا لڑائی کا میدان ہے ۹۸
● علماء کی ذمہ داری ۹۸
● آج امت کو رہبری کی بڑی ضرورت ہے ۹۹
● علماء اپنے اندر صفات پیدا کریں ۹۹
● جاپان میں علماء کا تقاضا ۱۰۰

علماء دین کی ذمہ داریاں (۶)

(فخر گجرات حضرت مولانا سید عبدالرحیم لاجپوریؒ)

● مدارس کی اہمیت ۱۰۳
● طلبہ اضیاف الرسول ہیں ۱۰۳
● امت کا سوادِ اعظم دین سے دور ہے ۱۰۳
● عوام کو دین پہنچانے کی ذمہ داری علماء پر ہے ۱۰۴
● مدارس میں بھی دعوت کا نظام ہونا چاہیے ۱۰۴
● حضرت تھانویؒ کا ارشاد ۱۰۵
● امام غزالی کا ارشاد ۱۰۵
● حضرت مدنیؒ کا ارشاد ۱۰۶
● مذہبی اور دینی خدمات بھی مدارس کے مقاصد میں داخل ہیں ۱۰۶
● مدارس میں تنگ نظری نہ ہونی چاہیے ۱۰۷
● مدارس میں عملہ کی دعوت کی ترتیب بھی بنانا چاہیے ۱۰۷

- حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا ایک ملفوظ ۱۰۸
- علماء امت کا اس وقت ایک خاص فریضہ ۱۰۸
- علم وذکر دعوت کے دو بازو ہیں ۱۰۹
- علم بدون ذکر کے ظلمت اور ذکر بدون علم کے خطرہ ہے ۱۰۹
- نقل وحرکت کو اصل کام نہ سمجھیں ۱۱۰

علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں (۷)

(حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

- مسلم حکومتوں میں علماء کا کارنامہ ۱۱۳
- مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح ۱۱۳
- اسلامی تہذیب نے تاتاریوں کو گرویدہ بنالیا ۱۱۵
- یہ دین جہالت سے نہیں بلکہ معرفت سے پیدا ہوا ہے ۱۱۵
- عیسائیت مستقل شریعت نہیں رکھتی تھی ۱۱۶
- عیسائیت دو گروہوں میں بٹ گئی ۱۱۷
- اسلام اور علم کا چولی دامت کا ساتھ ہے ۱۱۸
- اسلام زمانہ کا رفیق ہی نہیں بلکہ راہ نما ہے ۱۱۸
- اس وقت علماء کا سب سے بڑا فریضہ ۱۱۹
- اسلام کو ہر مفاد پر ترجیح دیجیے ۱۱۹
- آج شہرت ونا موری کا جذبہ موجزن ہے ۱۲۰
- تاریخ کی باریک بین نگاہ بھی انہیں نہ دیکھ سکی ۱۲۱

● ایثار وقربانی ۱۲۲
● استغنا اور قناعت سے لوگ آپ کی طرف جھکیں گے ۱۲۳

علماء کرام اور ان کی ذمہ داریاں (۸)

(حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیہؒ)

● علم کی روح ۱۲۷
● تبلیغ، مدارس اور خانقاہ تینوں کی ضرورت ہے ۱۲۷
● صحبت کا بدل ۱۲۷
● علماء ربانی اہل قلب سے ہمیشہ وابستہ رہے ۱۲۸
● الفاظ اور حقیقت میں فرق ہے ۱۲۸
● حضرت حاجی صاحبؒ کا علم ۱۲۹
● تواضع کے بھی درجات ہیں ۱۲۹
● رہبر کے بغیر راستہ طے ہونا دشوار ہے ۱۳۰
● ہر فن کے لیے علم اور معلم کی ضرورت ہے ۱۳۰
● علماء کرام کے لیے چند ضروری امور ۱۳۱
● علم کے مقبول ہونے کی علامت ۱۳۱
● حکمت عملی اور استغنا کی ضرورت ۱۳۲
● اصلاح کا انوکھا انداز ۱۳۲
● ہر حال میں خدمت دین سے وابستہ رہیں ۱۳۳
● مقصود رضائے حق ہو ۱۳۳

● نواب ڈھاکہ کا تاثر اور قدردانی ۱۳۴
● مقدر کا رزق مل کر رہے گا ۱۳۴
● استغناء کا فائدہ ۱۳۵
● ہر معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں ۱۳۵
● ایک تجربہ کی بات ۱۳۶
● عوام کے دلوں پر علماء کا نقش ۱۳۶
● کچھ کمزوریاں، کچھ مجبوریاں ۱۳۷
● محتاط رہنے کی ضرورت ہے ۱۳۸
● ہماری اپنی بھی کوتاہی ہے ۱۳۸
● کچھ پانے کے لیے...... ۱۳۸
● علماء کے وقار کی حفاظت ضروری ہے ۱۳۹
● عطر آنست کہ خود ببوید...... ۱۴۰
● اصلاح اعتراضات سے بھی ہوتی ہے ۱۴۱
● اخلاص نیت بہت دشوار ہے ۱۴۱
● آپ بیتی ۱۴۲
● بزرگوں کی سوانح دیکھنے کا فائدہ ۱۴۳
● عزت خدائے پاک دیتے ہیں ۱۴۳
● آج کی دنیا بہت ہوشیار ہے ۱۴۴
● دعا کا اہتمام ۱۴۴
● حضرت تھانویؒ کا کشف ۱۴۵

● مطالعہ بھی ضروری ہے..........۱۴۵
● سعادتوں سے بڑھ کر سعادت..........۱۴۶
● ایک ضروری تنبیہ..........۱۴۶
● مردم شناسی اور موقع شناسی کی ضرورت..........۱۴۷
● حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کا فکر انگیز جواب..........۱۴۸

اسلاف کا علمی ذوق (۹)

(فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ)

● کلمہ کی ضرب کا جوگی پر اثر..........۱۵۲
● پاور ہاؤس سے کرنٹ بند ہو گیا..........۱۵۲
● دنیوی نعمتوں کے بارے میں مسلمان کی سوچ..........۱۵۳
● حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو زندہ کرنے کی ضرورت..........۱۵۳
● ہمارے بڑوں کا علمی ذوق..........۱۵۴
● ہمارے اسلاف کا ذوق اتباع..........۱۵۴
● ایسے بزرگوں پر بھی گستاخی کا الزام..........۱۵۵
● ہمارے بڑوں کا آپسی تعلق..........۱۵۵
● حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل میں اتباع کا شوق..........۱۵۶
● پکی قسمت کا تھا ساری ضدیں پوری کر گیا..........۱۵۷
● حضرت تھانویؒ کا ہدیہ قبول کرنے میں اصول..........۱۵۷
● ہدیہ دینے والوں کے عجیب حرکات..........۱۵۸

● تین سطریں ناک کے برابر.......... ۱۵۹
● حضرت مدنیؒ کی پہلی مرتبہ تھانہ بھون حاضری.......... ۱۶۰
● حضرت تھانویؒ کا انداز تربیت.......... ۱۶۰
● حضرت سہارنپوری کا حضرت تھانویؒ سے گھڑی خریدنے کا واقعہ.......... ۱۶۱
● اقالہ میں تراضی طرفین شرط ہے.......... ۱۶۱
● ہمارے بڑوں کی باتیں علمی ہوا کرتی تھیں.......... ۱۶۲
● ہمارے بڑوں کی ایک مسئلہ میں بحث.......... ۱۶۳
● دو حدیثوں میں بظاہر تعارض اور اس کا دفعیہ.......... ۱۶۴
● بزرگوں کی صحبت میں ذوق ملا کرتا ہے.......... ۱۶۵
● حضرت گنگوہیؒ کی حضرت حاجی صاحب سے ایک مسئلہ میں معذرت.......... ۱۶۵
● مسئلہ مجلس میلاد میں اختلاف اور اس کی اصل بنیاد.......... ۱۶۶
● حضرت سہارن پوری کا حضرت گنگوہی سے مشورہ.......... ۱۶۶
● حضرت نانوتویؒ کا حضرت حاجی صاحبؒ سے مشورہ.......... ۱۶۷

امت کا مشترکہ سرمایہ (۱۰)

(مفسر قرآن حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ)

● عقل سب سے بڑی نعمت اور علم سب سے بڑا کمال ہے.......... ۱۷۰
● علم کی دو قسمیں ہیں.......... ۱۷۰
● مومن اور کافر میں نظریاتی فرق.......... ۱۷۱
● جہاد کا اصل مقصد.......... ۱۷۱

● علم امت کا مشترکہ سرمایہ ہے ۱۷۲
● کیا علم ترقی سے مانع ہے؟ ۱۷۲
● تفصیلی جواب ۱۷۲
● دنیا اسباب کی دنیا ہے ۱۷۳
● اسباب اختیار کرنا شریعت میں مطلوب ہے ۱۷۴
● سلطنت مقصود نہیں بل کہ مقصود دین ہے ۱۷۵
● اسلامی تہذیب وتمدن اور نئی تہذیب وتمدن میں فرق ۱۷۵
● عربی تعلیم ۱۷۵
● خطبہ عربی زبان میں ہونے کی وجہ ۱۷۶
● عربی زبان کی فضیلت ۱۷۶
● ہندوستان کی اصل زبان عربی ہے ۱۷۷
● باطل کی سازش ۱۷۸
● صحابہ والی زندگی بناؤ ۱۷۸
● عربی احکم الحاکمین کی سرکاری زبان ہے ۱۷۸

تعلیم وتعلّم کا مقصود (۱۱)

عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفیؒ

● نیت خالص مومن کے ایمان کا جوہر ہے ۱۸۲
● احادیث نبوی تعلق مع اللہ کا ذریعہ ۱۸۳
● پڑھنے پڑھانے سے پہلے اللہ کی طرف رجوع کرلیا کرو ۱۸۳

● کلام اللہ اور احادیث نبویہ پڑھنے پڑھانے کی غایت ۱۸۴
● پہلے دور میں تعلیم وتربیت کا انداز ۱۸۵
● طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت رکھیں ۱۸۵
● درس کے لیے مطالعہ کا اہتمام کریں ۱۸۶
● منتظمین کو نصیحت ۱۸۶
● تبلیغ واشاعت کا شعبہ ۱۸۷
● اخلاقیات پر خصوصی توجہ دیں ۱۸۷
● آپس میں خلوص وایثار پیدا کریں ۱۸۸
● اختلاف ہوجائے تو فوراً رفع کرو ۱۸۸

علامات علماء حق (۱۲)

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ)

● علماء حق کی پہلی علامت ۱۹۲
● مناجات کی لذت سے محروم ۱۹۲
● حب جاہ حب مال سے زیادہ خطرناک ہے ۱۹۳
● علماء حق کی دوسری علامت ۱۹۴
● علماء حق کی تیسری علامت ۱۹۴
● شقیق بلخی کا شاگرد سے سوال ۱۹۵
● خواہشات پر میں نے لگام دی ۱۹۵
● تقوی کو شعار بنالیا ۱۹۶

● میں نے رزق کے معاملہ میں اللہ پر بھروسہ کرلیا............ ۱۹۶
● شیطان کو دشمن بنالیا............ ۱۹۷
● اللہ پر توکل کرلیا............ ۱۹۷
● چاروں آسمانی کتابوں کے مضامین............ ۱۹۷
● عالم تین طرح کے ہوتے ہیں............ ۱۹۸
● علماء حق کی چوتھی علامت............ ۱۹۸
● حضرت ابو حاتم ایک عالم کی عیادت کو گئے............ ۱۹۹
● حضرت حاتم کا قاضی صاحب سے سوال............ ۱۹۹
● قاضی صاحب کا صاف جواب............ ۲۰۰
● حضرت حاتم ایک دوسرے رئیس کو نصیحت کرنے چل دیئے............ ۲۰۰
● یحیٰ بن یزید کا خط امام مالک کے نام............ ۲۰۱
● امام مالک رحمہ اللہ کا جواب............ ۲۰۱
● علماء حق کی پانچویں علامت............ ۲۰۲
● حضرت سری سقطی کا ارشاد............ ۲۰۲
● علماء حق کی چھٹی علامت............ ۲۰۳
● جواب دینے میں احتیاط............ ۲۰۴
● علماء حق کی ساتویں علامت............ ۲۰۴
● اسلاف کے معمولات............ ۲۰۵
● امام بخاری رحمہ اللہ کا معمول............ ۲۰۵
● علماء حق کی آٹھویں علامت............ ۲۰۶

● یقین سے طمع ختم ہو گی ۲۰۶
● یقین گناہوں سے بچاتا ہے ۲۰۶
● علماء حق کی نویں علامت ۲۰۷
● امت کے بہترین افراد ۲۰۷
● سب سے بڑا عالم کون؟ ۲۰۸
● علماء حق کی دسویں علامت ۲۰۸
● علماء حق کی گیارہویں علامت ۲۰۹
● علماء حق کی بارہویں علامت ۲۰۹
● قرون اولی میں شیطان کی مایوسی ۲۱۰
● ایسے گناہ جن پر توبہ کی توفیق نہیں ۲۱۰

حقیقی مولوی اور عالم (۱۳)

(حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ)

● اصل علم وہ ہے جو مقرون بالخشیت ہو ۲۱۴
● حقیقی مولوی اور عالم کی تعریف ۲۱۴
● علماء و طلباء سے خاص خطاب ۲۱۵
● بغیر اپنے کو مٹائے کچھ بھی نہیں ہوتا ۲۱۶
● ایک اشکال اور اس کا حکیمانہ جواب ۲۱۷
● علماء کو اپنے اوپر سخت اور دوسروں پر نرم ہونا چاہیے ۲۱۷

- اپنی اصلاح کے لیے محقق عالم سے رجوع کرنا........۲۱۸
- اہل علم میں اپنی غلطی تسلیم نہ کرنے کا بڑا مرض........۲۱۸
- علماء میں پارٹی بندی اور اس کا اصل سبب........۲۱۹
- علماء کا مال و جاہ کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے........۲۲۰
- علماء کو اپنے اخلاص کا خود امتحان لیتے رہنا چاہیے........۲۲۱
- نفس کا کید خفی........۲۲۲
- علماء کو استغناء کی اشد ضرورت ہے........۲۲۳
- علماء کو قواعد تجوید سیکھ لینے چاہئیں........۲۲۴
- علماء کے ذمہ طلباء کی نگہداشت ضروری ہے........۲۲۵
- مدارس دینیہ میں مبلغ کے تقرر کی ضرورت........۲۲۵
- تقوی سے فہم قرآن نصیب ہوتا ہے........۲۲۶
- تقوی کی حقیقت........۲۲۶
- اہل علم کو سادگی کی ضرورت........۲۲۷
- سلف صالحین اور اکابرین کی حالت........۲۲۸
- ریا و کبر کے شعبے........۲۲۹
- امتیازی ہیئت سے احتیاط........۲۳۰
- علماء کو غیر مقصود کے درپے ہونا مناسب نہیں........۲۳۰
- عالم بے عمل کی مثال........۲۳۱

اہل علم کی صفات (۱۴)

(شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ)

- دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے ۲۳۵
- برکت والا مال ۲۳۵
- اشراف کی حقیقت ۲۳۶
- وزیر اعظم کی دعوت پر تینوں اکابر بھاولپور میں ۲۳۶
- مقدر کی چیز بہر صورت مل ہی جاتی ہے ۲۳۷
- تبلیغی جماعت والے منکرات پر نکیر نہ کریں ۲۳۸
- حضرت مولانا محمد الیاس صاحب و مولانا عاشق الٰہی صاحب کے درمیان تبلیغ کے سلسلے میں گفتگو اور حضرت شیخ کا محاکمہ ۲۳۸
- حضرت میرٹھی کا روئے سخن چچا جان کی طرف ۲۳۹
- کام تو پیچھے پڑ جانے سے ہوتا ہے ۲۴۰
- موجودہ تبلیغی کام کی حضرت کے نزدیک اہمیت و افضلیت ۲۴۱
- تبلیغی کام کرنے والوں کے لیے اہم ہدایت ۲۴۱
- تحمل کے بعد شمائل نبوی کو اپنانا ۲۴۲
- اتباع سنت کی تاکید ۲۴۲
- علماء دین کے لیے تکمیل سلوک بہت آسان ہے ۲۴۳
- اہل علم میں ایک خطرناک روگ ۲۴۳
- معاصی کی دو قسمیں شیطانی اور حیوانی ۲۴۳

● تکبر کی اور تکبر دور ہونے کی علامت ۲۴۴
● ہم میں اور صحابہ میں بنیادی فرق ۲۴۵
● ہمارے اکابر کا یقین والا علم ۲۴۵
● دور صدیقی میں علاؤ الدین حضرمی کا واقعہ ۲۴۶
● ہمارے اکابر کی نگاہ تنخواہوں پر نہ تھی ۲۴۷
● بڑی تنخواہ کی پیش کش اور حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نانوتوی کا جواب ۲۴۷
● حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا واقعہ ۲۴۸
● ہمارے اکابر کے مجاہدات ۲۴۸
● ہمارے اکابر کا فقر و فاقہ ۲۴۹
● حضرت مولانا الیاس صاحب کا شروع کا دور ۲۵۰
● ہمارے اکابر کا استغنا ۲۵۱
● ہمارے اکابر کا مخالفین کے ساتھ برتاؤ ۲۵۲
● حضرت تھانویؒ کا معاملہ ۲۵۲
● حضرت شیخ کی نصیحت ۲۵۳
● معمولات کی پابندی ۲۵۳

علما اور صفاتِ علم (۱۵)

(عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ)

● کبھی علم گمراہی کا ذریعہ بنتا ہے ۲۵۶
● ناقدری پر اللہ کا عذاب ۲۵۶

● علماء کی عزت دینی کام کرنے اور سادگی میں ہے ۲۵۷
● مقدر کی روزی مل کر رہتی ہے ۲۵۷
● ترقی بغیر مجاہدہ کے نہیں ہوتی ۲۵۸
● حضرت رائے پوریؒ کا حال ۲۵۸
● حضرت مولانا علی میاں کا استغنا ۲۵۹
● خوشامد اور چاپلوسی سے بچو ۲۵۹
● تقویٰ اختیار کرو ۲۶۰
● جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے ۲۶۰
● جتنا بس میں ہے اتنا کر لو ۲۶۰
● حرام سے بچو تو اللہ حلال بنا کر دیے گا ۲۶۱
● آج کل اہل مدارس کا حال ۲۶۱
● حضرت شیخ الحدیث کی شان استغناء ۲۶۲

علماء کی صفات (۱۶)

(حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہریؒ)

● اللہ تعالیٰ کی رضا کی فکر کرو ۲۶۶
● علماء سابقین میں اخلاص و تقویٰ تھا ۲۶۶
● انسان میں حُبِّ جاہ کا مادہ کتنا ہے ۲۶۷
● دوہری ریاکاری ۲۶۷
● زندگی آخرت بنانے کے لیے ہے ۲۶۸

● مبارک اور خوش نصیب لوگ ۲۶۸
● اللہ کے دین کے خادم ۲۶۹
● طلبہ کو نصیحت ۲۶۹
● دینی تعلیم سے عمومی غفلت ۲۷۰
● ذکر و فکر اور صبر و شکر ۲۷۰
● اصل مصیبت زدہ ۲۷۱
● صبر کڑوا ہے نتیجہ میٹھا ہے ۲۷۱
● رواجی تصوف ۲۷۱
● حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ کا معاملہ ۲۷۲
● حقیقی پیر اور مصنوعی پیر ۲۷۲
● حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا حال ۲۷۳

❊ ❊ ❊

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاہودری دامت برکاتہم
رئیس الجامعہ دارالعلوم، ترکیسر، گجرات

قال اللہ تبارک وتعالی " وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ " اللہ تعالی فرماتے ہیں، یاددہانی کرتے رہیے، یاددہانی کرنا مؤمنین کو نفع دیتا ہے، اس لیے ہر دور میں علمائے امت نے تذکیر کا فریضہ ادا کیا ہے، کوئی وعظ وارشاد کے ذریعہ اس فریضہ کو ادا کرتا ہے تو کوئی تحریر کو وسیلہ بناتا ہے۔

دور نبوت سے جتنا بعد ہورہا ہے امت میں اعمال میں کوتاہیاں بڑھ رہی ہیں مگر اس دور آخر میں بھی علماء ربانیین برابر اصلاح کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک مجددین اور مصلحین کا سلسلہ جاری رہے گا۔

مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری قاسمی مدظلہ کو اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے امت کے ہر طبقہ کے لیے بہت مفید مضامین ہمارے اکابرین اور علمائے راسخین کی کتابوں سے جمع کرکے شائع کرنے کا ارادہ کرلیا ہے، بندہ نے اس کے عنوانات پر نظر ڈالی تو اس کو بہت مفید پایا، اللہ تعالی اس کو قبول

فرمائے اور امت کے ہر فرد کو اس سے استفادہ کرنے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

انسان کو اپنی اصلاح کے لیے یا تو بزرگوں کی صحبت سے فائدہ ہوتا ہے یا ان کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے۔ مولانا موصوف کی یہ کتابیں ''خطبات سلف'' اصلاح امت کے لیے بہت مفید ہوں گی، اللہ تعالی سب کو ہدایت فرمائے۔

فقط والسلام
احقر عبد اللہ غفر لہ
۴/جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ

تقریظ

نمونہ اسلاف حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تبارک تعالی نے انسان کو جن مختلف کمالات سے نوازا ہے، ان میں سے ایک بیان اخطاب کی صلاحیت بھی ہے کہ وہ عمدہ اور دل نشیں پیرایہ میں اپنے مافی الضمیر کو مخاطبین کے پیش کرنا ہے، اللہ تبارک تعالی نبی کریم ﷺ کو جن خصوصیات اور امتیازات سے نوازا تھا ان میں سے ایک جوامع الکلم بھی ہے یعنی الفاظ کم ہوں اور اس معانی اور مدلولات زیادہ ہوں، حضور اکرم ﷺ کی اس خصوصیت اور امتیاز کا کچھ حصہ آپ ﷺ کے صدقہ اور طفیل میں آپ کے علوم کے وارثین حضرات علماء کو بھی دیا گیا ہے جس کے ذریعہ علماء کا یہ طبقہ ہر زمانہ میں امت کی اصلاح و تربیت کا فریضہ انجام دیتا رہا ہے، ہم جس دور سے گذر رہے ہیں اس میں علماء سابقین کی مختلف علمی و اصلاحی خدمات کو منقح اور مرتب کرنے کا ایک مستقل سلسلہ جاری ہے، چنانچہ علمائے سابقین کے اس علمی ذخیرہ کو دور حاضر کے علماء مختلف عنوانات کے ماتحت ترتیب دے کر امت کے سامنے پیش کرر ہے ہیں، جس کا مقصد ایک ہی موضوع پر مختلف اکابر علماء و مشائخ کے افادات یکجا طور پر قارئین کی خدمت میں پیش کرنا

ہے۔اسی نوع کا ایک سلسلہ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب پالن پوری زید مجدہم نے شروع کیا ہے جس میں ''خطبات سلف'' کے عنوان سے مختلف موضوعات پر اکابر واسلاف امت کے خطابات کو پیش کیا جارہا ہے، چنانچہ اس وقت ہمارے سامنے اس زیر ترتیب کتاب کی چار جلدیں ہیں، جن میں سے دو جلدوں میں علماء کرام کو مخاطب بنا کر دیئے گئے خطبات کو جمع کیا گیا ہے اور دوسری دو جلدوں میں طلبائے کرام کو مخاطب بنا کر دیئے گئے خطبات کو جمع کیا گیا ہے، بہر حال اپنے موضوع پر ایک اچھوتے انداز میں کی گئی یہ علمی کاوش قابل مبارک باد ہے اور حضرات علماء وطلباء کے لیے خاصہ کی چیز ہے، دعا کرتا ہوں اللہ تعالی مولانا موصوف کی اس سعی جمیل کو حسن قبول عطا فرمائے اور پڑھنے والوں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔فقط

اُملاہ: احمد خانپوری

۳/ جمادی الاولی ۱۴۳۱ھ

رائے اور مشورہ

حضرت مولانا مفتی امین صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

استاذ حدیث وفقہ و مرتب فتاوی دار العلوم دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ، وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ،

اَمَّا بعد!

کسی دینی کتاب پر تقریظ لکھنا نہایت ذمہ داری کا کام ہے، کیوں کہ یہ در حقیقت شہادت ہوتی ہے کہ صاحبِ کتاب نے جو لکھا ہے وہ درست ہے، خصوصاً جو کتاب وعظ و تقریر کا مجموعہ ہو اس پر تقریظ لکھنا انتہائی دشوار ہوتا ہے ، کیوں کہ وعظ و تقریر میں بعض باتیں مبالغہ آمیز ہوتی ہیں۔

جب مولانا حفظ الرحمن صاحب نے اس مجموعہ پر تقریظ لکھنے کی فرمائش کی تو احقر نے تمام تقاریر اور نصائح کو دیکھے بغیر تقریظ لکھنا دیانت کے خلاف سمجھا، ادھر مولانا بار بار اصرار کرتے رہے کہ کتاب کو جلد شائع کیا جائے، لیکن وقت میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ میں پوری کتاب از اول تا آخر دیکھتا، کیوں کہ جس وقت مولانا نے نصائح اور تقریروں کے اس مجموعہ پر تقریظ لکھنے کی فرمائش کی تھی اُس وقت احقر فتاوی رحیمیہ کی تصحیح کر رہا تھا، اور لندن کا سفر درپیش تھا، اس لیے میں نے عرض کیا کہ جب تک فتاوی رحیمیہ کی تصحیح سے فارغ نہیں ہوں گا تقریظ لکھنا مشکل ہے، مولانا نے یہ بھی کہا کہ جب آپ لندن تشریف لے جائیں اس وقت دیکھ لیں، مگر لندن کے سفر میں اتنی مشغولیت ہوتی ہے کہ کوئی علمی کام کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے۔

الغرض جب میں فتاوی رحیمیہ کی تصحیح سے فارغ ہوا اور لندن کے سفر سے واپس آیا تو اس کو دیکھنا شروع کیا، تمام نصائح اور تقاریر کو از اول تا آخر

دیکھا، جن مقررین اور واعظین کی باتیں مبالغہ آمیز یا فہم سے بالاتر تھیں ان کو حذف کر دیا، اور جن بزرگوں کی نصائح اور تقاریر علماء اور فضلاء کے لیے مفید تھیں ان کو باقی رکھا، شاید مولانا کو اس سے ناگواری ہوگی، مگر اس مجموعہ پر تقریظ لکھنے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا، کیوں کہ قارئین حضرات عام طور پر تقاریظ دیکھ کر کتاب کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں۔

اب میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ خطباتِ سلف کی جلد اول اور دوم کو احقر نے از اول تا آخر دیکھا ہے، یہ اسلاف کے نہایت قیمتی اور مفید خطبات اور نصائح ہیں۔ اگر ہمارے فضلائے عظام اور علماء کرام اس کو اپنے مطالع میں رکھیں گے تو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا، اور ان کی زندگی زندگیوں میں بڑا انقلاب پیدا ہوگا، آج ہمارے مدرسوں سے جو فضلاء فارغ ہوتے ہیں ان میں بہت سی خامیاں ہوتی ہیں، اور ان کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالی مولانا حفظ الرحمن صاحب زید مجدہم کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ موصوف نے ہمارے لیے بڑی قیمتی باتیں جمع کر دی ہیں، خطباتِ سلف کا یہ مجموعہ ایسا ہے کہ ہر عالم دین کو چاہئے کہ بار بار غور سے پڑھے اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو بنانے کی بھر پور کوشش کرے، بزرگوں کے خطبات ونصائح کا یہ مجموعہ ان شاء اللہ آپ کے لیے بہترین مرشد ثابت ہوگا اور ارباب مدارس عربیہ سے احقر گذارشش کرتا ہے کہ خطبات ونصائح کا یہ مجموعہ ایسا ہے کہ منتہی طلبہ کو انعام میں دیں، اور اس کے پڑھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی تاکید کریں، امید ہے کہ اس سے بڑا فائدہ ہوگا، اللہ تعالی ہم سب کو اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں! آمین یارب العالمین۔

محمد امین پالن پوری غفر لہ ولوالدیہ

خادم حدیث وفقہ ومرتب فتاوی دار العلوم دیوبند

۲۴/شوال المکرم ۱۴۳۱ھ مطابق ۴/اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز پیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اصلاح خلق اور رشد و ہدایت کے من جملہ اسباب کے ایک قوی سبب وعظ وارشاد، خطابت وتقریر اور پند ونصیحت ہے یہی وجہ ہے کہ ابتدا ہی سے اس کا سلسلہ چلا آ رہا ہے، حضور اکرم ﷺ کے خطبات نہایت موثر ہوتے تھے، ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ جب مسجد میں خطبہ دیتے تھے تو آپ ﷺ کے ہاتھ میں عصا ہوتا تھا، اور میدانِ جنگ میں خطبہ کے وقت کمان پر ٹیک لگاتے تھے، جمعہ اور عیدین کے خطبہ کا وقت تو متعین تھا لیکن اس کے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا جب ضرورت پیش آتی آپ ﷺ خطبہ کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے، آپ ﷺ کے خطبات سادہ اور پر اثر ہوتے تھے۔

آپ ﷺ کے بعد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی یہ سلسلہ برابر جاری رہا، چنانچہ ہمارے ان اسلاف کے خطبات ومواعظ بھی تاریخ وسیرت کی کتابوں میں محفوظ ہیں، اور یہ سلسلہ ان شاء اللہ قیامت تک چلتا رہے گا۔

امت محمدیہ میں ہر دور اور طبقہ میں وہ پاکیزہ نفوس، برگزیدہ ہستیاں، اولیاء اتقیاء، صلحاء، ابرار اور پاک باطن افراد رہیں گے جو امت کو اسلام کے نور سے منور کرتے رہیں گے۔

امت محمدیہ کا کوئی دوران پاکیزہ نفوس اور نیک طبیعت افراد سے خالی نہیں رہے گا۔ فرمانِ رسول اکرم ﷺ ہے: **لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِيْ ظَاهِرِيْنَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ إِلَى قِيَامِ السَّاعَةِ:** میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، نہیں ضرر پہنچائے گا ان کو جو ذلیل کرنا چاہے گا اور نہ وہ جو ان کی مخالفت کرے گا، قیامت تک ہزاروں

مخالفتوں کے باوجود رشد وہدایت کے کام میں لگی رہے گی۔

اور یہ بات بدیہی ہے کہ مواعظ وخطبات سے انسانی قلوب میں فضائل اور خوبیوں کی تخم ریزی ہوتی ہے جس سے نیکی کی راہ میں ثابت قدمی کے جذبات جنم لیتے ہیں اور اس راہ کی تکالیف اور دشواریوں کو برداشت کرنا سہل ہوجاتا ہے، اور زندگی کی متاع عزیز کو اعمال صالحہ سے سنوارنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے۔ **وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا:** بعض بیان جادو ہوتے ہیں، جو جادو کا سا اثر کرتے ہیں، دل پر بیان کے کسی جملہ یا لفظ کی چوٹ لگتی ہے تو زندگی کا رخ بدل جاتا ہے۔

احقر کے دل میں پچھلے تین سالوں سے یہ خیال کروٹ لے رہا ہے تھا کہ ہمارے اسلاف واکابر کے وہ ایمان افروز اور قیمتی خطبات ومواعظ جو متفرق اور مختلف کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں اگر ترتیب وار اور طبقہ وار ان کو یکجا کیا جائے تو اس سے بڑے نفع کی توقع ہے آخر توفیق ایزدی سے تدریجی طور پر کام شروع کردیا الحمد اللہ! راہیں بھی وہی سمجھاتے ہیں اور سہل بھی وہی کرتے ہیں یہ دو جلدیں تیار ہوگئیں۔

ان خطبات ومواعظ میں ترتیب یہ رکھی گئی کہ اسلاف واکابرین کے وہ خطبات جو علماء کے مجمع میں ہوئے طلبہ کے مجمع میں ہوئے خواتین کے مجمع میں ہوئے۔ خواص کے مجمع میں ہوئے ان سب کو طبقہ وار علیحدہ کیا گیا۔ پہلی اور دوسری جلد میں اکابر کے وہ خطبات ہین جو علماء کے مجمع میں ہوئے۔ تیسری جلد میں وہ خطبات ہیں جو طلباء کے سامنے کیے گیے، اس طرح ترتیب وار اور طبقہ وار جلدوں میں ان مواعظ کی تکمیل ہوگی، ان شاء اللہ العزیز، اللہ تعالی اپنی توفیق شامل حال فرمائے اور راہ کی ساری دشواریوں اور رکاوٹوں کو دور فرمائے۔

اکثر بیانات تو متفرق کتابوں میں آسانی سے دستیاب ہو، البتہ بعض بیانات کے لیے کافی دشواریوں کا سامنا بھی ہوا، بعض اکابرین کے مستقل بیانات نہیں مل سکے اور نہ ملنے کی کوئی سبیل تھی تو ان کے ملفوظات ومجالس سے مفید اقتباسات لیے

گیے۔ بعض بیانات زیادہ طویل تھے تو ان میں کچھ اختصار کیا گیا۔

ہر بیان میں جگہ جگہ عناوین ڈالے، بعض بیانات میں عناوین تھے تو ان میں اضافہ کیا گیا، کچھ جگہ عناوین میں ترمیم بھی کی گئی۔

ہر بیان کے شروع میں اس کا نام تجویز کیا گیا، اکثر بیانات میں نام موجود تھے وہ برقرار رکھے، کچھ جگہ نام تبدیل بھی کیے۔

ہر بیان کے شروع میں ایک اقتباس اسی بیان کا لکھا گیا جس سے پورے بیان کا خلاصہ سامنے آ جائے۔

سارے بیانات ہمارے ان اکابرین کے لئے گئے ہیں جو دنیا سے وفات پا چکے ہیں، موجودہ اکابرین کے بیانات شامل نہیں کئے گئے۔

بلا کسی اصول کے سردست ہمارے جن اکابرین کے بیانات موصول ہوتے گئے شامل کیے گیے، ہمارے بعض اکابر واسلاف کے بیانات موصول نہیں ہو سکے، اس لیے ان کو شامل کتاب نہیں کیا۔ اللہ تعالی ہمارے تمام اکابر واسلاف کو بہترین جزا عطا فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

آخر میں احقر ان تمام علماء کرام، بزرگان دین اور دوست واحباب کا تہ دل سے شکر گذار ہے جن کی کتابوں سے یا جن کے توسط سے بیانات موصول ہوئے، اور جنہوں نے ترتیب وجمع اور تصحیح میں کسی طرح کا بھی تعاون کیا، اور جنھوں نے کسی طرح کے مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالی ان تمام حضرات کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، اور اس سلسلہ کو احقر کے لیے ذریعہ نجات اور ذخیرۂ آخرت بنائے، اور امت کے خواص وعوام میں اس کو شرف قبول عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

کتبہ

حفظ الرحمن پالن پوری (کاکوسی)

خادم مکاتب قرآنیہ ممبئی

۲۹ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۶ / جنوری ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان......(۱)

سینوں میں بسا لو تو بنے بات	طاقوں میں سجانے کو یہ قرآن نہیں ہے

اشرف البیان فی معجزات القرآن

(بیان)

شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

حضرت مولانا نے عصر حاضر میں قرآن کے اعجاز و کرامت پر سات ایمان افروز واقعات بیان فرمائے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

ایک واقعہ سنہ ۱۹۶۵ء کا اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ جب ہندو مسلمانوں میں جنگ ہو رہی تھی تو ہندوؤں کی بمباری سے پاکستان کا ایک ٹینک تباہ ہو گیا۔

اگلے دن چند سکھ اسلامی کیمپ میں آئے اور کہا: رات جو ٹینک ہماری بمباری سے تباہ ہوا تھا اس کے آدمی تو سب مر گئے مگر دو قرآن محفوظ رہ گئے وہ ہم لے کر آئے ہیں، اور کہا: یہ واقعی قرآن کا معجزہ ہے کہ ٹینک کی ہر چیز جل گئی مگر قرآن محفوظ رہا۔

قرآن کی کرامت و اعجاز ہر زمانے میں ظاہر ہوتی رہتی ہے مگر نفع اسی کو ہوتا ہے جس کے مقدر میں اسلام ہے۔

پیراگراف از بیان شیخ الاسلام

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!

حج کے شوق نے بے چین کردیا

حضرت حکیم الامت نے فرمایا: بھوپال میں ایک قاری صاحب تھے ان کو حج کا شوق ہوا اور اتنا تقاضا ہوا کہ بے چین ہوگئے جیب میں ایک ہی روپیہ تھا اسی پر ارادہ کرلیا بارہ آنے کا تھیلا سلوایا چار آنے کے بھنے ہوئے چنے تھیلے میں بھر کر پانی کے لیے لوٹا اور گلاس لے کر بھوپال سے بمبئی پیادہ روانہ ہوگئے۔

راستہ میں کسی نے دعوت کردی تو قبول کرلی ورنہ چنے کھا کر پانی پی لیا اس طرح بمبئی پہنچ گئے، جہاز جدہ کے لیے تیار تھا ان کے پاس ٹکٹ کے دام نہ تھے۔

کپتان کے پاس پہنچے اور کہا کہ مجھے حج کا شوق ہے مگر ٹکٹ کا دام نہیں اگر کوئی نوکری جہاز میں مل جائے تو میں مکہ پہنچ جاؤں گا، کپتان نے کہا نوکری تو ہے مگر آپ کے لائق نہیں آپ مقدس آدمی ہیں۔ اور نوکری گندی ہے فرمایا۔

اس کی پرواہ نہیں جیسی بھی نوکری ہو مجھے منظور ہے، اس نے کہا کہ کام مشقت کا ہے آپ سے نہ ہوگا فرمایا: کیسی ہی مشقت ہو میں کرلوں گا۔

کہا اچھا یہ بوری غلہ کی بھری ہوئی ہے آپ اس کو اٹھالیں تو نوکری دے دوں گا۔

دعا پر اللہ کی مدد

قاری صاحب نے دعا کی کہ اے اللہ میاں یہاں تک تو میرا کام تھا آگے

آپ کا کام ہے کہ اس بوری کو مجھ سے اٹھوا دیجیے یہ دُعا کر کے بسم اللہ کر کے بوری کو اٹھایا اور سر سے اوپر لے گئے، کپتان کو حیرت ہوگئی خوش ہوکر کمر تھپکی اور کہا کام یہ کہ روزانہ نل سے سمندر کا پانی عرشہ (بحری جہاز کی چھت) پر بہا دیا جائے اور پاخانوں میں بھی پانی بہا دیا جائے۔ قاری صاحب نے کام منظور کیا اور لنگی باندھ کر روزانہ یہ کام کرتے اور نماز کے وقت غسل کر کے دوسرے کپڑے پہن لیتے، رات کو تہجد میں قراءت سے قرآن پڑھتے خوش الحان تھے ایک رات کپتان عرشے پر دیکھ بھال کے لیے آیا تو قاری صاحب کو نماز میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو کھڑا ہوکر سننے لگا اس کے دل پر بہت اثر ہوا۔ نماز کے بعد قاری صاحب سے پوچھا کہ آپ یہ کیا پڑھ رہے تھے فرمایا: یہ قرآن ہے اللہ کا کلام ہے، کہا ہم کو بھی پڑھاؤ۔

فرمایا: اس کے لیے شرط یہ ہے کہ آپ غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آئیں کپتان غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر آیا، قاری صاحب نے اسے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا پھر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھائی کپتان بہت خوش ہوا اور چلتے پھرتے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتا تھا۔

دوسرے انگریزوں نے اس سے کہا کہ تم مسلمان ہوگئے ہو۔ کپتان قاری صاحب کے پاس آیا اور پوچھا کیا میں مسلمان ہوگیا ہوں؟ فرمایا تم تو کئی دن پہلے مسلمان ہوگئے ہو۔

کپتان قاری صاحب کا گرویدہ ہوگیا

کپتان یہ سن کر پہلے تو چونکا پھر کہا اچھا ہم مسلمان ہوگئے ہیں تو مسلمان ہی رہیں گے، اس کے بعد اپنی بیوی سے کہا ہم مسلمان ہوگئے ہیں اگر تم مسلمان ہونا چاہو تو ہمارے ساتھ رہو ورنہ الگ ہوجاؤ، اس نے انکار کیا تو اس کو الگ کر دیا۔

جب جہاز جدہ پہنچا اور قاری صاحب جہاز سے اترنے لگے تو کپتان نے بھی استعفی لکھ کر اپنے نائب کو دیا کہ اب تم میری جگہ کام کرو اور حکومت کو میرا استعفی بھیج دو میں بھی مکہ جارہا ہوں حج کروں گا، پھر وہ قاری صاحب کے ساتھ ہو گیا اور مکہ پہنچ کر قاری صاحب کے ساتھ حج ادا کیا، اللہ تعالیٰ نے قدم قدم پر قاری صاحب کی مدد کی اور یہ کپتان بھی ان کے ساتھ آرام سے کھاتا پیتا رہا پھر دونوں مدینہ منورہ پہنچے۔

فلم کمپنی کے مالک پر قرآن کا اثر

دوسرا واقعہ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے کسی اخبار کے حوالے سے بیان فرمایا تھا کہ امریکہ میں ایک فلم کمپنی کے مالک کو نماز کی فلم لینے کا شوق ہوا تو اس نے چند عرب والوں سے جو امریکہ میں تھے اپنا خیال ظاہر کیا اور کہا کہ آپ لوگوں میں جو خوش الحان مؤذن ہو اور خوش الحان قاری ہو اس کو لائیے اور دس پندرہ مقتدی بھی ساتھ ہوں میں نماز کی فلم لوں گا۔

چنانچہ عشاء کے وقت یہ سب فلم کمپنی میں آئے مؤذن نے اذان دی تو کمپنی کے مالک پر اس کا بڑا اثر ہوا پھر نماز شروع ہوئی، قاری کی قراءت سن کر زار زار رونے لگا۔ نماز ختم ہوئی تو فلم کمپنی کے مالک نے امام صاحب سے کہا مجھے مسلمان کرلو۔

انھوں نے غسل کرا کر اسے کلمہ پڑھایا اور مسلمان کرلیا اس نے کہا آپ ایک دو گھنٹہ روزانہ مجھے قرآن اور تعلیمات اسلام کا سبق دے دیا کیجیے میں آپ کی خدمت کروں گا۔

امام نے کہا اس کی ضرورت نہیں یہ تو میرا اسلامی فرض ہے کہ آپ اپنا فرض

ادا کریں میں اپنا فرض ادا کروں گا۔

اس کے بعد فلم کمپنی بند کردی یا فروخت کردی اور اپنے گھر میں گوشہ نشین ہوگیا۔

تم کو اسلام سے کیا ملا

دوستوں نے ٹیلی فون پر اس سے پوچھا کہ تم کو اسلام سے کیا ملا؟ بظاہر تو نقصان ہوا کہ اتنا بڑا کاروبار چھوڑ دیا جس سے لاکھوں کی آمدنی تھی، اس نے جواب دیا کہ مجھے اسلام سے سکون قلب اور راحت قلب حاصل ہوئی ہے جو کسی چیز سے حاصل نہیں ہوئی تھی۔

میں نے پہلے کپڑے کی دکان کی جس میں بہت فائدہ ہوا مگر سکون قلب حاصل نہ ہوا پھر سائیکلوں موٹروں کا کاروبار کیا اس میں بھی بہت آمدنی ہوئی مگر سکون قلب نصیب نہ ہوا پھر فلم کمپنی کھولی اس سے بھی بہت آمدنی ہوئی مگر سکون قلب نصیب نہ ہوا۔

اسلام قبول کر کے کلمہ پڑھا تو دل کو سکون واطمینان اور ٹھنڈک حاصل ہوئی اب مجھے کسی کاروباری کی ضرورت نہیں میرے پاس اتنی دولت ہے کہ میری اولاد سات پشتوں تک آرام کرسکتی ہے اب جو دولت مجھے اسلام سے حاصل ہوئی ہے میں اس میں ترقی کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت حکیم الامت نے یہ واقعہ بیان کر کے فرمایا کہ واللہ کفار کے قلوب کو سکون واطمینان نصیب نہیں گو ظاہر میں سامان راحت ہزار ہوں۔ یہ دولت صرف اسلام ہی سے حاصل ہوتی ہے۔

ان نمازوں کی کیفیت وحلاوت نہ پوچھو

ارشاد کی وضاحت میں یہ واقعہ سنایا کہ ہمارے قصبہ میں حاجی عبدالرحیم نومسلم

موجود ہیں وہ کہتے تھے کہ جب ہم نے ۱۷۔۱۸ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا تو ہندوؤں سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے ابھی ہم نے پنا اسلام ظاہر نہیں کیا تھا صرف استاد کو علم تھا جن سے ہم ارود فارسی پڑھتے تھے۔ انہی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے۔

وہ کہتے تھے کہ ان نمازوں کی کیفیت اور حلاوت کو نہ پوچھو جو ہم چھپ کر پڑھتے تھے۔

پھر فرمایا ایک دفعہ سہارنپور سے لکھنؤ کا ارادہ کر کے ریل میں سوار ہوا۔ مجھے دیکھ کر منشی حبیب احمد تھانوی بھی میرے ڈبے میں آ گئے جب ریل چھوٹ گئی تو باتیں کرنے لگے میں نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں؟ کہا میرٹھ جا رہا ہوں۔ میں نے کہا ممکن ہے کہ آپ میرٹھ پہنچ جائیں لیکن یہ ریل گاڑی تو لکھنؤ جا رہی ہے میرا ٹکٹ لکھنؤ کا ہے یہ سن کر بڑے پریشان ہوئے میں نے کہا اب پریشانی بے کار ہے یہ گاڑی رڑکی سے پہلے نہیں ٹھہرے گی۔ اطمینان سے باتیں کرو۔ جب گاڑی رکے گی اتر جانا اور دوسری ٹرین سے میرٹھ چلے جانا۔

سکون وراحت کا حقیقی سبب

مگر میں نے دیکھا کہ ان کی پریشانی کم نہ ہوئی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ میرا اطمینان وسکون اور ان کی پریشانی کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں سیدھے راستہ پر تھا اور وہ غلط راستہ پر تھے مسلمان کے دل کو سکون واطمینان اسی واسطے ہوتا ہے کہ وہ جانتا ہے میں سیدھے راستہ پر ہوں کبھی نہ کبھی منزل مقصود (یعنی جنت) پر پہنچ جاؤں گا، کافر کو سیدھے راستہ پر ہونے کا یقین نہیں اس لیے ان کو اطمینان وسکون راحت قلب نہیں گو ظاہر میں کیسا ہی سامان راحت جمع کر لیں۔

قرآن کے ساتھ شغف اور تعلق

ایک اور واقعہ بعض دوستوں نے بیان کیا اور کہا یہ اخبارات میں بھی شائع ہو گیا ہے کہ ایک دفعہ اے، کے فضل الحق مرحوم (جو کسی زمانہ میں مسلم لیگ کی وزارت بنگال کلکتہ میں وزیر اعظم تھے) دہلی سے کلکتہ جانے کے لیے فرسٹ کلاس میں سوار ہوئے اور ملازم سے پوچھا ہمارا قرآن شریف بھی آ گیا ہے۔ ملازم نے کہا ابھی پورا سامان ڈبے میں نہیں آیا قرآن جس بکس میں ہے وہ بھی نہیں آیا ابھی لاتا ہوں، یہ سن کر وہ فوراً ڈبے سے یہ کہہ کر اتر گئے کہ تم کو ہم نے بار بار کہا ہے کہ قرآن کریم سب سے پہلے آنا چاہئے۔ سامان اتار لو ہم اس گاڑی سے نہ جائیں گے دوسری گاڑی سے جائیں گے چنانچہ سامان اتار لیا گیا۔

قرآن نے بم دھماکے سے بچالیا

بعض ہندو جو اس ڈبے میں سوار تھے اے، کے فضل الحق کی اس بات پر ہنسنے لگے کہ عجب مذہبی دیوانہ ہے کہ قرآن پہلے نہ آیا تو گاڑی ہی چھوڑ دی، جب یہ گاڑی کلکتہ کے قریب پہنچی تو فرسٹ کلاس کے اس ڈبے کے نیچے سے بم پھٹا اور ڈبے کے پرخچے اڑ گئے جتنے سوار تھے اکثر ہلاک ہو گئے بعض زخمی ہو گئے معلوم ہوا کہ بعض ہندوؤں نے جو اے کے فضل الحق کے دشمن تھے یہ سن کر کہ فضل الحق اس گاڑی سے آ رہے ہیں فرسٹ کلاس کے ڈبے کے نیچے بم رکھ دیا تھا وہ تو قرآن کی برکت سے بچ گئے کہ اس گاڑی کو چھوڑ چکے تھے دوسروں کی شامت آ گئی دوسری گاڑی سے جب اے۔ کے فضل الحق کلکتہ پہنچے انہیں اس واقعہ کا علم ہوا تو تقریر میں فرمایا ہندو مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں وہ یاد رکھیں کہ میرے پاس قرآن ہر وقت رہتا ہے میرا کوئی کچھ

نہیں بگاڑ سکتا جو ہندو اس ڈبے میں سوار تھے اور زخمی ہو گئے تھے انہوں نے اخبار میں یہ واقعہ لکھ کر کہا کہ جب فضل الحق اس ڈبے سے اترے تھے تو ہم ہنس رہے تھے مگر اب معلوم ہوا کہ ان کا اتر جانا اچھا ہوا قرآن نے ان کو بچا لیا۔

بغیر پڑھے پڑھائے پیدائشی حفظ قرآن

ایک واقعہ میرا خود دیکھا ہوا ہے جس زمانہ میں میرا قیام مدرسہ راندیر یہ رنگون میں تھا تو ہندوستان سے ایک شخص رنگون آیا اس کے ساتھ اس کی لڑکی بھی تھی جس کی عمر چار سال سے زیادہ نہیں تھی اس نے کہا یہ لڑکی حافظ قرآن ہے اور بغیر پڑھے پڑھائے پیدائشی حافظہ ہے آپ جہاں سے چاہیں ایک آیت اس کے سامنے پڑھ دیں یہ اس سے آگے دس بارہ آیتیں پڑھ دے گی۔

چنانچہ رنگون میں بہت مقامات پر اس کا امتحان لیا گیا جیسا کہا تھا ویسا ہی دیکھا گیا رنگون کے لوگوں نے اس لڑکی کو بہت انعام دیا اس کے باپ کی آمدنی اسی لڑکی کے اس کمال ہی سے تھی۔

میں نے اس سے کہا کہ آمدنی کا ذریعہ نہ بناؤ مجھے اندیشہ ہے کہ اس طرح یہ لڑکی زیادہ نہ جئے گی چنانچہ میرا خیال صحیح نکلا اگلے سال میں نے سن لیا کہ اس بچی کا انتقال ہو گیا ہے۔

مجھے بیوی نے مسلمان بنایا ہے

ایک واقعہ مجھ سے ایک نومسلم نے اس وقت بیان کیا جب میں موضع گڑی پختہ ضلع مظفر نگر میں مدرسہ امداد العلوم کا مدرس اول تھا اس موضع کے رئیس سرکار کی طرف سے مجسٹریٹ بھی تھے ان کے یہاں دیہات کے مقدمات آیا کرتے تھے یہ نومسلم

بھی ایک مقدمہ کے سلسلہ میں وہاں آیا تھا کیوں کہ خاں صاحب کی عدالت میں اس نے مقدمہ دائر کیا تھا میرے پاس سفارش کے لیے آیا کہ خاں صاحب سے سفارش کردو اس کو کسی نے کہہ دیا تھا کہ خاں صاحب میری بات کو رد نہیں کرتے میں نے اس سے دریافت کیا کہ تم نے اسلام کیوں قبول کیا؟ کہنے لگا مجھے میری بیوی نے مسلمان کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ شادی کے بعد مجھے بخار ہوگیا اور اس نے اتنا طول پکڑا کہ مجھے دق ہوگئی میرا بڑا بھائی ڈکٹر تھا اور اچھا ڈاکٹر تھا محنت و شفقت سے علاج کر رہا تھا مگر میری حالت بگڑتی گئی یہاں تک کہ ایک دن اس نے میرے منہ پر کہہ دیا کہ اب علاج بے کار ہے اور تمہاری حالت خطرہ کی حد تک پہنچ گئی ہے اب جو چاہو کھاؤ پیؤ دوا یا پرہیز کی کچھ ضرورت نہیں وہ تو یہ کہہ کر چلا گیا۔

عورت کا قرآن پر ایمان و یقین

اب بیوی میرے پاس آئی اور پوچھا کیا حال ہے؟ میں نے رو کر کہا حال کیا ہوتا؟ بھائی صاحب کہہ گئے ہیں کہ میرے بچنے کی امید نہیں اب دواء پرہیز کی کچھ ضرورت نہیں بیوی نے کہا اگر میں تم کو اچھا کردو تو جو میں کہوں گی اس پر عمل کرو گے؟ میں نے کہا جان سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں اگر تو نے مجھے اچھا کر دیا تو جو کہے گی وہی کروں گا اس نے کہا اب تم بے فکر رہو میں تم کو اچھا کردوں گی۔

یہ کہہ کر اس نے میرے پلنگ کے پاس کرسی ڈالی اور کچھ پڑھنا اور مجھ پر دم کرنا شروع کر دیا پانی پر بھی دم کر کے مجھے پلاتی اس لڑکی کا باپ آریہ تھا اس نے اس کو وید بھی پڑھایا تھا اور کچھ انگریزی بھی، میں نے سمجھا کہ شاید یہ وید کا کوئی منتر پڑھتی ہے ایک ہفتہ کے بعد میں اس قابل ہوگیا کہ اپنے گھر میں بے تکلف پھرنے لگا حالانکہ اب تک میں کروٹ بھی خود نہیں لے سکتا تھا۔ دوسرے ہفتہ گھر سے باہر بھی

آنے لگا، تیسرے ہفتہ دکان پر بھی جانے لگا۔ چوتھے ہفتے میں بالکل تندرست تھا رنگ وروپ بھی تندرستوں جیسا ہوگیا کھانا پینا بھی حسب معمول ہوگیا۔

بیوی کے ایمان لانے کا واقعہ

جب ایک مہینہ گزر گیا بیوی نے کہا اپنا وعدہ یاد ہے؟ میں نے کہا ہاں یاد ہے اب تو جو کہے گی ویسا ہی کروں گا بیوی نے کہا میں مسلمان ہوں، تم بھی مسلمان ہو جاؤ میں نے کہا تو مسلمان کیسے ہوگئی؟ تیرا باپ تو بڑا اپکا آریہ تھا اور مسلمانوں کا دشمن ہے کہنے لگی ہمارے پڑوس میں ایک ملا جی تھے جو مسلمانوں کی مسجد کے امام تھے اور بچوں کو بھی قرآن اور دینی کتابیں پڑھاتے تھے گھر میں ملانی جی لڑکیوں کو پڑھاتی تھیں پڑوس کی وجہ سے میں اکثر ان کے یہاں جاتی تھی اور مذہبی بحث کرتی تھی۔

ایک دن ملانی نے کہا بیٹی! تم نے وید تو پڑھا ہے میں نے کہا ہاں خوب پڑھا ہے ملانی نے کہا اب میری رائے ہے کہ تم مجھ سے قرآن کا ترجمہ بھی پڑھ لو قرآن جب پورا کرلوگی پھر بحث کرنا۔ میں نے ترجمہ قرآن پڑھنا شروع کر دیا ملانی پہلے مجھے وضو کراتیں پھر ترجمہ پڑھاتیں، ایک پارہ کا ترجمہ پڑھ کر میں نے کہا یوں مزہ نہیں آتا مجھے قرآن بھی پڑھاؤ اور ترجمہ بھی، ملانی نے کہا بہت اچھا اُردو پڑھنے والوں کو قرآن پڑھنا مشکل نہیں اب میں نے قرآن مع ترجمہ کے پڑھنا شروع کر دیا اور سال بھر میں ختم کرلیا۔

جب قرآن پورا ہوگیا تو ملانی نے پوچھا ہاں بیٹی !اب کہو اسلام پر تم کو کیا اعتراض ہے؟ مجھے رونا آ گیا میں نے کہا ملانی جی! سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن کے برابر تو کیا اس کے پاسنگ بھی کوئی کتاب نہیں۔ وید کی اس کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ اب تم مجھے مسلمان کرلو۔ ملانی نے مجھے غسل کرایا، پاک کپڑے دیئے اور نماز

پڑھائی اور کہا بیٹی ! ابھی اسلام کو مخفی رکھو۔ موقعہ پر ظاہر کرنا جب خطرہ نہ رہے اور میرے گھر آ کر نمازیں پڑھتی رہو۔

قرآن میرے ڈولے میں رکھ دینا

چنانچہ سال بھر تک میں اسی طرح مخفی مسلمان رہی جب تم سے شادی ہوئی تو میں نے ملانی سے کہا میرا قرآن میرے ڈولے میں رکھ دینا۔ ملانی نے میری ماں سے کہا کہ اس لڑکی کا ہمارے یہاں آنا جانا تھا ہم اس کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتے تھے میں چاہتی ہوں رخصتی کے وقت دو چار جوڑے میں بھی اس کو دے دوں، میری ماں نے کہا یہ آپ کی محبت ہے مجھے اس سے انکار نہیں چنانچہ ملانی نے رخصتی کے وقت دو چار جوڑے میرے واسطے بنائے اور ان کے بیچ میں قرآن شریف رکھ دیا، اور کہا میں نے اس قرآن کی سورۂ اَلَمْ نَشْرَحْ پڑھ کر تم کو جھاڑا ہے۔ اسی کو پانی پر دم کر کے پلایا ہے میں نے کہا اگر میں قرآن تو مجھے اسلام لانے میں کوئی عذر نہیں۔ بیوی نے مجھے غسل کرایا پاک کپڑے پہنائے اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا کر مجھے مسلمان کیا اور نماز بھی سکھلائی۔

اسلام کے اظہار پر قومی حالات

میں نے کہا ابھی اس بات کو مخفی رکھو موقعہ پر اعلان کریں گے۔ اس وقت تک میں اپنے باپ کی دکان پر کام کرتا تھا اور وہ مجھے معقول تنخواہ دیتا تھا میں نے روپیہ پیسہ جمع کر کے اپنی دکان علیحدہ کھول لی باپ نے بھی اس میں میری امداد کی جب میری دکان خوب چل گئی تو میں نے اپنے اسلام کا اور بیوی کے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اس پر میرے باپ کو اور بیوی کے باپ کو بڑا غصہ آیا میرے باپ نے اپنی جائداد

سے مجھے محروم کردیا۔ مگر میری ماں نے اپنی جائداد میرے نام کردی ہندوؤں نے یہ کوشش کی کہ میری ماں کی جائداد مجھے نہ ملے۔ اس کا مقدمہ آپ کے خاں صاحب کی عدالت میں میں نے دائر کیا ہے آپ سفارش کردیں۔ چنانچہ میں نے سفارش کردی اور خاں صاحب نے اس کے حق میں فیصلہ کردیا۔

اسلام پر پہلا اعتراض اور اس کا جواب

نومسلم نے کہا: میری بیوی کے باپ نے اپنے بیٹے کو میری بیوی کے پاس بھیجا کہ اس کو سمجھاؤ وہ وید بھی پڑھا ہوا تھا اور انگریزی بھی۔ وہ ہمارے گھر آیا اور اپنی بہن کو سمجھانے لگا کہ اسلام میں کیا خوبی ہے؟ مسلمان تو گؤ ہتیا کرتے ہیں۔ میری بیوی نے کہا بھائی صاحب! آپ تو وید پڑھے ہوئے ہیں کیا اس میں آپ نے نہیں پڑھا کہ ایک راجہ کے زمانہ میں بڑی وبا پھیلی تو پنڈتوں نے کہا سو گائیں ذبح کر کے جنگل میں ڈال دو کہ درندے پرندے ان کا گوشت کھائیں تو وبا دور ہو جائے گی راجہ نے ایسا ہی کیا تو وبا دور ہو گئی تو جس گؤ کا گوشت درندوں پرندوں کے کھانے سے وبا دور ہوتی ہے اگر انسان کھائے تو کیا ہوگا، اس پر وہ لاجواب ہوا۔

اسلام پر دوسرا اعتراض اور اس کا جواب

تو دوسرا سوال کیا کہ مسلمان کے یہاں یہ بھی مسئلہ ہے کہ کنویں میں چوہا مرجائے تو بیس تیس ڈول نکال دو مرغی مرجائے تو چالیس پچاس ڈول نکال دو، بلی مرجائے تو ستر اسی ڈول نکال دو، یہ تو عقل کے خلاف ہے اگر کنواں ان چیزوں کے مرنے سے ناپاک ہو جاتا ہے تو بیس تیس پچاس ڈول نکالنے سے کیا ہوگا؟ سارا پانی نکالنا چاہیے۔

بیوی نے کہا کے آپ تو ڈاکٹر ہیں کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جس آدمی کا خون خراب ہو جاتا ہے تو ڈاکٹر حکیم فصد کے ذریعے سے تھوڑا سا خون نکال لیتے ہیں جس سے سارا خون اچھا ہو جاتا ہے سارا خون کوئی نہیں نکالتا اسی طرح بعض جانوروں کے مرنے سے پانی خراب ہوتا ہے مگر سارا پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھوڑا سا پانی نکالنا سارے پانی کو اچھا کر دیتا ہے۔اس پر بھی وہ لاجواب ہوا۔

وید میں بھی کلمہ طیبہ کا ذکر موجود ہے

تو میری بیوی نے کہا آپ نے وید میں پڑھا ہوگا کہ جنت کے دروازہ پر ایک کلمہ لکھا ہوا ہے جب تک آدمی وہ کلمہ نہ پڑھے جنت میں نہیں جا سکتا۔ پنڈت ہر ایک کو نہیں بتلاتے کہ وہ کلمہ کیا ہے؟ مگر میرے استاد نے مجھے بتلایا ہے کہ وہ کلمہ وہی ہے جس کو ''ان کہنی'' کہا جاتا ہے۔ جب کسی ہندو کی جان کئی دن تک نہیں نکلتی تو اس سے کہا جاتا ہے''ان کہنی'' کہہ دے وہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتا ہے تو جان آسانی سے نکل جاتی ہے۔اس پر میری بیوی کا بھائی خاموش ہو کر چلا گیا اور باپ سے کہہ دیا کہ اس کے ہندو بننے کی کوئی امید نہیں۔ وہ خوب سمجھ بوجھ کر مسلمان ہوئی ہے۔

ہندو بنیا جنت میں گشت کر رہا ہے

اس پر مجھے حضرت مولانا قاسم صاحب قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند کی بات یاد آ گئی جو حضرت حکیم الامت سے سنی تھی کہ مولانا کے پڑوس میں ایک ہندو بنیا رہتا تھا اس کی دکان سے مولانا کے یہاں سودا بھی آتا تھا اس کا انتقال ہو گیا تو مولانا نے اسے خواب میں دیکھا کہ جنت میں گشت کر رہا ہے مولانا نے پوچھا لالہ

جی! تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟ تم تو ہندو تھے ساری عمر بت پوجا کرتے، سود بٹہ لیا کرتے تھے۔ جنت تو مسلمان کے لیے ہے۔ کہا مولوی جی! آپ کی صحبت سے مجھے اسلام سے محبت ہوگئی جب میں مرنے لگا تو لوگوں نے کہا ان کہنی کہہ لے جان آسانی سے نکل جائے گی۔ اب تک فرشتے میرے سامنے نہیں آئے تھے میں نے دل سے کلمہ پڑھ لیا وہ قبول ہوگیا اور میں جنت میں پہنچ گیا۔

قاری لالہ صاحب کی دو کرامتیں

ایک واقعہ میں نے پانی پت میں ثقات سے سنا ہے کہ وہاں ایک قاری صاحب تھے جن کو قاری ''لالا'' کہتے تھے (غالباً اصلی نام لعل محمد ہوگا) ان کی یہ کرامت مشہور تھی کہ جب وہ رمضان میں تراویح کی نماز پڑھاتے تو ان کا قرآن سن کر کسی کی مجال نہ تھی کہ آگے قدم بڑھائے سننے کے لیے کھڑا ہو جاتا خواہ مسلمان ہوتا یا ہندو جب تک وہ رکوع میں نہ جاتے سڑک والے قرآن سنتے رہتے جب رکوع کرتے اس وقت لوگ اپنے کام کو جاتے۔

ان کی دوسری کرامت یہ بھی سنی کہ وہ ایک بار سفر میں چلے جارہے تھے چند شاگرد بھی ساتھ تھے ایک جگہ مغرب کا وقت ہوگیا۔ وضو کے لیے پانی کی فکر ہوئی۔ وہاں ایک کنویں پر رہٹ لگا ہوا تھا قاری لالا نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا تھوڑی دیر میں رہٹ خوبخود چلنے لگا سب نے وضو کیا نماز پڑھی پانی پیا پھر آگے چل دیئے اور رہٹ برابر چلتا رہا۔

شاہ قسطنطنیہ کو قاری صاحب نے تراویح میں قرآن سنایا

جب غدر سنہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے پانی پت والوں کی معافی ضبط کرلی تو

قاری لالا صاحب قسطنطنیہ چلے گئے ماہ شعبان کا اخیر تھا سلطان عبد المجید خاں رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ الاسلام سے فرمایا کہ جامع مسجد تک جانے کی میری ہمت نہیں شاید بڑھاپے کی وجہ سے ضعف زیادہ ہوگیا تھا) کسی قاری کو تجویز کرو جو شاہی محل میں ہم کو تراویح میں قرآن سنادے شیخ الاسلام نے اعلان کر دیا کہ سلطان اپنے محل میں قرآن تراویح میں سننا چاہتے ہیں جو قاری، حافظ اس کے لیے آمادہ ہو اپنا نام پیش کرے۔

کسی حافظ کی ہمت نہ ہوئی تو قاری لالا صاحب نے شیخ الاسلام سے کہا میں سلطان کو قرآن سناؤں گا میرا نام بھیج دیں شیخ الاسلام نے کہا سلطان خود بھی حافظ ہیں ۔ان کے آگے وہی پڑھ سکتا ہے جو پکا حافظ ہو کہا آپ میرا نام بھیج دیں ۔میں اس کے لیے تیار ہوں چنانچہ نام بھیج دیا گیا اور سلطان کا حکم صادر ہوا کہ ان قاری صاحب کو ہمارے پاس بھیج دو پہلے ہم ان کا امتحان لیں گے۔ان کو پیش کر دیا گیا اور سلطان نے کسی خاص مقام سے جو حفاظ کے یہاں دشوار ہے قرآن پڑھنے کی فرمائش کی قاری ''لالا'' صاحب نے پڑھنا شروع کیا۔ جب کئی رکوع پڑھ گئے۔سلطان پر بڑا اثر ہوا اور فرمایا بس ہم آپ کا قرآن سنیں گے۔

شاہ قسطنطنیہ کا ملکہ وکٹوریہ کے نام خط

جب تراویح میں قرآن ختم ہوگیا تو سلطان نے شیخ الاسلام سے فرمایا: قاری صاحب کو اتنی اشرفیاں اور خلعت فاخرہ دے دی جائے ۔قاری صاحب نے کہا حضور! میں اس کے واسطے ہندوستان سے نہیں آیا اور قرآن سن کر روپیہ لینا مجھے گوارا بھی نہیں میں تو دوسرے کام سے آیا ہوں، فرمایا وہ کیا ہے؟ کہا انگریزوں نے میری بستی کے مسلمانوں کی معافی ضبط کر لی ہے کیوں کہ وہ بھی غدر میں شریک تھے آپ

بادشاہ ہیں۔آپ سفارش کردیں کہ پانی پت کے مسلمانوں کی معافی بحال کی جائے سلطان نے کہا میں یہ بھی کردوں گا آپ میرا ہدیہ قبول فرمائیں۔یہ قرآن کا معاوضہ ملکہ وکٹوریہ کو خط لکھ دیا اور اس کی نقل قاری لالا صاحب کو دے دی تا کہ وائسرائے ہند کو دکھلا دیں اس طرح پانی پت کے مسلمانوں کی معافی ضبط ہونے کے بعد بحال ہوگئی

قرآن کا معجزہ

ایک واقعہ سنہ ۱۹۶۵ء کا اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ جب ہندو مسلمانوں میں جنگ ہورہی تھی تو ہندوؤں کی بمباری سے پاکستان کا ایک ٹینک تباہ ہوگیا اگلے دن چند سکھ اسلامی کیمپ میں آئے اور کہا رات جو ٹینک ہماری بمباری سے تباہ ہوا تھا اس کے آدمی تو سب مرگئے دو قرآن محفوظ رہ گئے ہو ہم لے کر آئے ہیں اور کہا: واقعی یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ ٹینک کی ہر چیز جل گئی مگر قرآن محفوظ رہا۔

میرا چشم دید واقعہ

ایک واقعہ میرا چشم دید ہے ضلع سہارن پور میں ایک موضع سہارن پور اور گنگوہ کے درمیان ''تیتروں'' نام سے مشہور ہے وہاں ہمارے مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے ایک مرید پٹواری تھے ان کے پاس ایک بھنگی آیا اور کہا کہ میری مرغی نے ایک انڈا دیا ہے اس پر کچھ لکھا ہوا ہے آپ پڑھ کر دیکھیں کیا لکھا ہے، پٹواری صاحب نے جیب سے آنہ آنہ نکال کر بھنگی کو دیا انڈا اس وقت پیسہ دو پیسہ کا تھا بھنگی سے کہا تو اس کا ایک آنہ لے لے اور انڈا مجھے دے دے یہ تیرے کام کا نہیں میرے کام کا ہے اس انڈے کا چھلکا اس طرح ابھرا ہوا تھا کہ عربی خط میں ایک

طرف لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ پڑھا جاتا اور دوسری طرف مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ پڑھا جاتا تھا۔ پٹواری نے انڈے کی زردی سفیدی نکال کر اس میں چونا بھر لیا تاکہ محفوظ رہے وہ یہ انڈا لے کر سہارن پور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کو دکھلانے لائے حضرت نے ہم سب کو دکھلایا۔

قرآن کی کرامت و اعجاز ہر زمانے میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ مگر نفع اسی کو ہوتا ہے جس کے مقدر میں اسلام ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان......... ②

جب امت کو سب مل چکی حق کی نعمت	ادا کر چکی فرض اپنی رسالت

نعمت قرآن

(خطاب)

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

حضرت کا یہ بیان ۱۰/ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ بروز جمع بمقام رائے پور معلمین مدارس قرآنیہ، اہل علم اور دیگر حضرات کے مجمع میں ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

جتنی نعمت کسی کو دی جاتی ہے اتنا ہی بوجھ اٹھانا ہوتا ہے، سپاہی پر بار ہوگا سپاہی کا، وزیر پر بار ہوگا وزارت کا، تو جب حافظ کو سینہ رسول اکرم ﷺ کے سینہ کے مشابہ ملا ہے تو خدمت بھی اتنی ہی کرنی پڑے گی۔

اور خدمت یہ ہے کہ جو نعمت یعنی قرآن تم کو ملی ہے وہ دوسروں تک پہنچاؤ اور اس کی اشاعت کرو۔

دنیا کی عزت اور آخرت کی عزت اس میں ہے کہ فقر و فاقہ پر قناعت کرو، اور اللہ کے واسطے اس کی اشاعت کرو کہ کسی طرح لوگوں کو یہ پہنچ جائے۔

پیراگراف

از بیان حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

قرآن سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں

حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ حافظ کے والدین کو قیامت کے دن موتیوں کا تاج پہنایا جائے گا کہ جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بڑھ کر ہوگی تو جب والدین کو جو وسیلہ بنے ہیں تعلیم قرآن کے، یہ انعام ملے گا تو حافظ کو کیا اجر ملے گا اسی پر قیاس کرلیا جائے۔

فکر کرنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دنیا کے اندر بل کہ آخرت کے اندر بھی قرآن سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ بصیرت دے وہ خوب سمجھ سکتا ہے۔

قرآن کی ناقدری کفرانِ نعمت ہے

پس حق تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت کی قدر نہ کرنا بڑا کفران نعمت ہے، اسی واسطے ناقدر شخص کی نسبت حدیث شریف میں یہ مضمون آیا ہے کہ نااہل کو علم سکھلانا ایسا ہے جیسے کہ خنزیر کو موتیوں کا ہار پہنانا، بھلا خنزیر کی صورت پر موتیوں کا ہار کیا نجچے گا؟

حقیقت میں سوچ کر دیکھ لیجیے کہ یہ قرآن پاک کیا شئی ہے؟ حضور تو اس کے لانے والے ہیں اور حق تعالیٰ کا کلام ہے لہٰذا اس نعمت کا کوئی مول (قیمت) نہیں، اتنی بڑی نعمت کی قدردانی نہ کرنا بڑا کفران نعمت ہے۔

قرآن والا سینہ حضور ﷺ کے سینہ کے مشابہ ہے

سمجھتے بھی ہو؟ جس سینہ میں قرآن شریف بھرا ہو، وہ کس سینہ کے مشابہ ہے؟

وہ حضور ﷺ کے سینہ کے مشابہ ہے۔

پس جس کو حق تعالی نے یہ نعمت عطا فرمائی ہوا سے چاہیے کہ تمام دنیا سے مستغنی ہوجائے ، پس اگر وہ پانچ دس روپیہ کی آمدنی والوں کا محتاج بنا رہے تو یہ قرآن کی نا قدردانی ہے، پس جو کوئی اس نعمت کو حاصل کرے اس کو فقر وفاقہ پر قناعت کرنا چاہیے، اس کو طالب دنیا نہ بننا چاہئے بل کہ اس کی یہ شان ہو کہ اس نعمت کو لے کر دنیا ومافیہا سے مستغنی ہوجائے۔

جن کے رتبے ہیں سوا ان کی مشکل ہے

جتنی نعمت کسی کو دی جاتی ہے اتنا ہی بوجھ اُٹھانا ہوتا ہے۔ سپاہی پر بار ہوگا سپاہی کا وزیر پر بار ہوگا وزارت کا، تو جب (حافظ کو) سینہ رسول اکرم ﷺ کے سینہ کے مشابہ ملا ہے تو خدمت بھی اتنی ہی کرنی پڑے گی اور خدمت یہ ہے کہ جو نعمت (یعنی قرآن) تم کو ملی ہے وہ دوسروں تک پہنچاؤ، اور اس کی اشاعت کرو۔

اس زمانے میں اشاعت کی بہت ضرورت ہے

دنیا کی عزت اور آخرت کی عزت اس میں ہے کہ فقر وفاقہ پر قناعت کرو، اور اللہ کے واسطے اس کی اشاعت کرو کہ کسی طرح لوگوں کو یہ پہنچ جائے۔

دنیا اور اہل دنیا اس کے مخالف ہیں۔ یہاں تک اثر ہے کہ دنیا کے مقتداؤں کا یہ خیال ہے کہ کیا قرآن پڑھا کر مسجد کا ملا بنانا ہے۔

چنانچہ اس زمانے میں کوئی شخص بڑے لوگوں میں سے اس کا مددگار نہیں۔ غیر مذہب کے لوگ بھی اور اہل مذہب بھی سب مخالف نظر آتے ہیں۔

بعض کا خیال یہ ہے کہ جو لوگ حدیث فقہ پڑھ رہے ہیں وہ بڑا کام کر رہے ہے

ہیں (صحیح ہے مگر سوچنے کی بات ہے کہ اگر کوئی شخص مکان بناوے خواہ دو منزلہ، چار منزلہ یا پانچ منزلہ، کتنا ہی بلند لے جاوے کیسی ہی زیب وزینت کرے، شیشہ وقنادیل لگادے۔ گو ظاہر بین کو یہ مکان اچھا معلوم ہو لیکن سوچنے والا جانتا ہے کہ بنیاد قائم ہے تو سب کچھ قائم ہے (ورنہ کچھ بھی نہیں)

اسی طرح جتنے علوم قرآنی ہیں وہ سب قرآن ہی پر قائم ہیں، ان الفاظِ قرآن ہی کی بدولت سارے علوم قائم ہیں، اگر یہ الفاظ نہ رہیں تو سارے کے سارے دیکھتے رہ جائیں۔

اشاعت قرآن کی قیمت اللہ کی رضا ہے

گو ہماری نظروں میں یہ تھوڑا کام ہے لیکن اگر خدانہ خواستہ یہ الفاظ نہ رہیں تو تمام علوم منہدم ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ توارات وانجیل کا پتہ نہیں کیوں کہ ترجمہ ہو کر اصل کا خیال نہیں رکھا گیا۔

یہ الفاظ قرآن بنیاد ہیں سب علوم کی، اس لیے شکر اس نعمت کا یہ ہے کہ تم فاقہ سے مرو لیکن اس کو پھیلاؤ، اپنی نیت کو درست کرلو، محض اللہ کی رضا اس کی قیمت ہے، سو اس نعمتِ قرآن کا بدلہ سو دو سو روپیہ نہیں ہے، اس کا بدلہ اگر ہے تو رضائے حق تعالیٰ ہے، قرآن کا پھیلانا، تعلیم کا پھیلانا اسی امید پر ہو کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

تنخواہ تعلیم کا بدل ہرگز نہیں

پس کام تو اللہ کے واسطے کریں اور اس کی رضامندی کے واسطے کریں، اب اگر اللہ تعالی بندوں کے ذریعہ روزی پہنچائیں تو یہ اس کا انعام ہے، اس کو تنخواہ نہ سمجھو۔

جیسے مجاہد اللہ تعالی کے واسطے جان دیتا ہے اور شہید ہوتا ہے، اگر شہادت ہو بلکہ غنیمت مل جائے تو بھی غازی ہوتا ہے، لیکن اگر غنیمت کی ہوس میں جہاد کرتا ہے تو

شہادت نہیں ہوتی۔

خادم قرآن کی ضروریات کا تکفل ہوتا ہے

اس لیے اخلاص کو قلوب میں جمالیں اور جو بندہ اللہ تعالی کی طرف رجوع کرتا ہے اور قلب کو اس کی طرف لگالیتا ہے پھر وہ کیوں کرنا امید ہوسکتا ہے۔ غرض اخلاص ہونا ضروری ہے بلا اخلاص کے وہی مثال ہے جیسا کہ خنزیر اور موتیوں کے ہار کی، جو قرآن مجید کا قدرداں نہیں ہوتا وہ ذلیل ہوتا ہے **خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ** (سورۃ حج:١١) اور جن کو دنیا طلبی مقصود نہیں ہوتی وہ خداوند کریم کے نزدیک دنیا میں بھی ممتاز ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی اور خدا چاہے تو اس کو فقر و فاقہ آتا ہی نہیں، جنہیں تم محتاج دیکھتے ہو در اصل ان کو قرآن کی قدر ہی نہیں۔

اب اللہ تعالی سے دعا کرو کہ اللہ تعالی ہماری نیتوں میں اخلاص دے اور اپنے قرآن کی حفاظت کا بہترین طریقہ ہمیں تلقین فرمائے۔

اللہ تعالی ہم سب کو اخلاص نصیب فرمائے، اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........ (۳)

سینوں میں بسا لو تو بنے بات	طاقوں میں سجانے کو یہ قرآن نہیں ہے

عظمتِ قرآنِ کریم

بیان

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مدرسہ شاہی مراد آباد میں ترجمہ قرآن کریم کے ختم پر منعقدہ جلسہ میں حضرت مدنی کا کیا ہو یادگار خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

میرے بزرگو! خدا کا یہ فضل ہمارے اوپر ایسا ہے، جو اوروں پر نہیں ہوا کہ ہم کو آنحضرت ﷺ کی غلامی کا شرف دیا گیا.... آقا سے غلام کی عزت ہوتی ہے.... اگر آقا بڑا ہے تو غلام بھی بڑا ہے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم کو تمام پیغمبروں کے سردار خاتم النبیین ﷺ کی غلامی کا شرف دیا گیا آپ ﷺ کی امت میں ہم پیدا کئے گئے۔ ہمارا کوئی احسان اللہ ورسول پر نہیں، اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اسلام وایمان کی دولت عطا فرمائی۔

پیراگراف

از بیان حضرت شیخ الاسلام قدس اللہ سرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

محبوبیت انسان

میرے بزرگو اور بھائیو! جو کچھ بھی ہے عرش سے فرش تک وہ اللہ کا انعام ہے، ہمارے پاس جو نعمتیں ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہیں چاہے نفوس ہو خواہ اعضا ہوں یا اور کوئی چیز ہو، آپ کے سر سے پاؤں تک جو جوڑ اور اعضا ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور تمام عالم میں اللہ ہی کا فضل و انعام ہے جب کسی چیز کی کمی ہوتی ہے تو سب کے سب اسی سے مانگتے ہیں اور تضرع وزاری کرتے ہیں، جب انتہائی مصیبت آتی ہے تو بے دین بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں آپ نے دیکھا ہوگا کہ جنگ عمومی سنہ ۲۹ء میں انگریز نے اپنی فتح یابی کے لیے دعائیں کرائی تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان سے ہم کو انسان بنایا۔ انسان سب سے زیادہ شریف مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جس قدر محبت انسان سے ہے کسی مخلوق سے نہیں ہے، فرمایا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ پھر چار قسمیں کھا کر کہا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۔ ہم نے انسان کو اعلیٰ پیمانے پر پیدا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا فضل و کرم انسان پر ابتداء ہی سے بے حد و بے حساب ہے۔

جو جتنا بڑا اس کی سزا بھی اتنی بڑی

آگے فرمایا پھر ہم نے انسان کو (بہ سبب نافرمانی) سب سے نیچے گرا دیا۔ جس

کے اوپر شہنشاہ کا زیادہ کرم ہوتا ہے اگر وہ سرتابی کرتا ہے۔ شہنشاہ کے حکم کو توڑتا ہے۔ ایک مرتبہ دو مرتبہ نہیں برابر توڑتا رہتا ہے اس کو سزا بھی سخت دی جاتی ہے۔ وزیر اگر بغاوت کرتا ہے تو ایسی سخت سزا دی جاتی ہے کہ معمولی مجرموں کو ایسی سزا نہیں دی جاتی۔

دیکھیے انسان کو اللہ تعالیٰ نے کتنا نوازا ہے خود فرماتے ہیں۔

وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا [سورۂ ابراہیم: ۳۴] (تم اگر اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے) انسان کے لیے تمام چیزوں کو مسخر و تابعدار بنادیا۔ ایسا تابعدار بنادیا کہ وہ اپنی مزدوری اور تنخواہ بھی طلب نہیں کرتے۔ چاند، سورج، ستارے تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں، فرشتے تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ فرشتے جو عرش کو اٹھانے والے ہیں وہ تسبیح میں مشغول ہیں اور ایماندار انسانوں کے لیے استغفار کرتے ہیں۔

یہ زیادہ قرب رکھنے والے فرشتے نیکوکاروں کے لیے۔ ان کے بچوں کے لیے ان کی بیویوں کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا مکمل احسان ہے کہ اس نے اپنی ظاہری و پوشیدہ نعمتوں سے تم کو ڈھانپ رکھا ہے۔ جیسا کہ فرمایا **وَاَسۡبَغَ عَلَيۡكُمۡ نِعَمَهٗ** [سورۂ لقمان: ۲۰]

عشق مادی

قرآن تذکیر بآلاء اللہِ (خدا کی نعمتوں کی یاددہانی) جگہ جگہ کررہا ہے اگر تم میں مروّت ہو، اگر شرافت ہو تو احسان کرنیوالے کے احسان کو یاد کرو اور اس کے سامنے اپنا سر جھکاؤ اور اس کے شکریے میں اپنے دل کو ہاتھ پیر کو استعمال کرو ایسا نہ کروگے تو چوپاؤں سے بدتر ہوجاؤ گے **اُولٰٓئِكَ كَالۡاَنۡعَامِ بَلۡ هُمۡ اَضَلُّ** [سورۂ اعراف: ۱۷۹] کتّے کو دیکھو کہ تمہارے دو ٹکڑے کھا کر تمہارا کتنا وفادار ہے۔

پھر انسان تو سر سے پاؤں تک داخلی اور عرش سے فرش تک خارجی نعمتوں سے گھرا ہوا ہے .... جو کچھ دنیا میں ہے تمہارے لیے ہے زمین کو تمہارے لیے بچھونا بنایا آسمان کو تمہارے لیے چھت بنایا، زمین اور آسمان کے درمیان بادل بنائے۔ پانی برسا کر ہر قسم کے پھول اور ہر قسم کے پھل پیدا کیے وہ عالم جو تمہارے آگے آنے والا ہے اور اس وقت آنکھوں سے اوجھل ہے اس جگہ بہت سے کوچ کر چکے ہیں اور بہت سے کوچ کرنے والے ہیں نبی ہوں ولی ہوں بادشاہ ہوں کسی کو بھی اس دنیا میں باقی نہیں رہنا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اس عالم کے راحت و آرام کا بھی سامان کیا ہے تمام لوگ اللہ تعالیٰ سے اس کی ربوبیت کا عہد کر کے آئے ہیں۔

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی [سورۂ اعراف: ۱۷۲] (ازل) میں اللہ تعالیٰ نے سب کو حاضر کیا وہاں پر اپنی ربوبیت کا سبق دیا۔ اور اس وقت سب نے خدا کی شہنشاہیت، ربوبیت اور مالکیت کا اقرار کیا مگر یہاں آ کر بھول گئے قیامت میں سب کو یاد آ جائے گا آج ہم اس مادی جسم کے عاشق ہو کر سب کچھ بھول چکے ہیں۔ جب کوئی کسی پر عاشق ہوتا ہے تو پھر دوسری چیزیں بھلا دیتا ہے کسی شاعر نے کہا ہے:

سمایا ہے تو جب سے آنکھوں میں میری	جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

زینتِ دنیا کا دھوکہ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ [سورۂ آل عمران: ۱۴] یعنی لوگوں کے لیے یہ سات چیزیں سجا دی گئیں (عورت، اولاد، سونا، چاندی، گھوڑے، چوپائے کھیتی) دیکھو کسی اچھی چیز کو نہیں سجایا جاتا موتی، یاقوت وغیرہ کو جو خود ہی خوبصورت ہیں سجانے کی کیا ضرورت ہے۔ خوبصورت عورت کے لیے تزئین کی ضرورت نہیں ہے بدصورت کو ضرورت ہے۔ حاجت مشاطہ نیست روئے دل آرام را۔

(دیکھو) شہد ہے وہ مکھیوں کی قے ہے، ریشم ہے وہ کیڑوں کا فضلہ ہے، مشک ہے وہ ناقہ آہو کا خون ہے۔ عنبر ایک خاص قسم کی مچھلی کی قے یا اس کا فضلہ ہے، جتنے اناج تمہارے یہاں پیدا ہوتے ہیں اگر کھاد نہ ڈالو تو پیداوار نہ ہو۔ کھاد ڈالنے سے گیہوں، چنا پیدا ہوتا ہے۔ گلاب کتنا خوشبودار پھول ہے۔ مگر گلاب کی کاشت کرنے والوں سے پوچھو کہ کس طرح بار بار کھاد ڈالنا پڑتا ہے۔ (الغرض) دنیا دھوکے کی ٹٹی ہے، اسی لیے فرماتے ہیں: ان مذکورہ بالا چیزوں کو مزین کیا ہے۔ تمہارے آزمانے کے لیے اللہ تعالی فرماتے ہیں: خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ [سورہَ ملک:۲]

تمہارے آزمانے کے لیے اللہ تعالی نے موت وحیات کو پیدا کیا۔ حقیقت میں نہ تو دینا محبوب چیز ہے اور نہ اس کے ساتھ ہمیشہ نفع اٹھانا ہے۔ دنیا تھوڑے دنوں کے لیے ہے۔

امتحان نعمت

اللہ تعالی نے یہ سب نعمتیں امتحان کے لیے دی ہیں آیا تم اس منعم حقیقی کو جس نے سب کچھ دیا ہے یاد کرتے ہو یا اس دنیا کو محبوب رکھتے ہو؟ جس عالم میں ہم کو جانا ہے اس کا انتظام بھی اللہ تعالی نے کر دیا۔ پیغمبروں کو مبعوث کیا، شریعت کو بنایا، کتابوں کو نازل کیا، تاکہ وہاں کی تکالیف سے بچے رہو جس طرح یہاں کا انتظام کیا۔ کھیتی باڑی تجارت وغیرہ کے ذریعے سے۔ اللہ تعالی کو تمہاری عبادت کی کوئی حاجت نہیں، وہ بے پرواہ ہے جو کام کرو گے وہ اپنے ہی لیے کرو گے۔ کھیتی کرو گے اپنے لیے، تجارت کرو گے اپنے لیے اسی طرح نماز پڑھو گے تو اپنے لیے۔ اگر سب کے سب خدا کے باغی ہو جائیں تو اس کی شہنشاہیت میں مچھر کے پر کے برابر بھی فرق

نہیں آئے گا اور سب کے سب تقویٰ شعار بن جائیں تو مچھر کے پر کے برابر اس کی خدائی میں اضافہ نہیں ہوگا اور اگر سب کی مرادیں وہ پوری کردے تو اس کے خزانے میں مچھر کے پر کے برابر کمی نہیں آئے گی۔

خداوند کریم نے اپنے فضل وکرم سے ماں کے پیٹ میں ہمیں دل، زبان، آنکھ، کان، ناک سب اعضاء بے مانگے دیئے۔ ایک فلسفی کہتا ہے کہ انسان کے بدن کے اندر چار ہزار حکمتیں پوشیدہ ہیں بعد کو نہ معلوم کتنی اور حکمتوں کا انکشاف ہو۔

سب سے بڑی نعمت

ان تمام نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت قرآن شریف ہے جو امت محمدیہ کو دی گئی ہے، قرآن سے پہلے جتنی کتابیں اتاری گئیں کسی میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ ایسی کتاب لے کر آؤ۔

قرآن میں تمام دنیا کو چیلنج دیا گیا کہ اگر تم کو شبہ ہو تو ایسا کلام بنا کر لاؤ فرمایا گیا کہ اعلان کردو اے محمد! تمام عرب کے سامنے، اہل مکہ کے سامنے کہ اگر تم جنات اور تمام انسان جمع ہو کر یہ کوشش کریں کہ ایسا کلام بنا کر لائیں جیسا قرآن ہے تو نہیں بنا سکیں گے، اتنا زوردار کلام ہے۔

مشرکین عرب کے لیے آنحضرت ﷺ کو شکست دینے کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ ایسا کلام بنا لاتے۔ وہ اہل زبان تھے۔ خاص کر مکے والے بڑے فصیح وبلیغ تھے۔ ان کی ایک ادبی انجمن آنحضرت ﷺ سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے قائم ہو چکی تھی۔ ہر قوم کے شعراء، ادبا اور بلغاء جمع ہوتے تھے اور اپنے اپنے قصیدے مجمعوں میں پیش کرتے تھے جس کا قصیدہ اچھا ہوتا تھا اس کا قصیدہ خانۂ کعبہ پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ اس شاعر کا سال بھر تک چرچا ہوتا، سبعہ معلقات آپ کے درس میں داخل ہے اس

میں سات قصیدے اسی قسم کے درج کیے گئے ہیں۔

قــرآن کا چیلنج

آنحضرت ﷺ ان لوگون کے سامنے قرآن پیش فرماتے، انہیں پہلے کہا گیا کہ پورا قرآن اس جیسا بناؤ اس کے بعد فرمایا کہ اچھا دس سورتیں اس جیسی بنالاؤ اس کے بعد ایک سورت کا مطالبہ کیا گیا، بڑی سورت نہیں فرمایا گیا، سورۂ کوثر جیسی ہی کوئی چھوٹی سی سورت لے آتے، بعضوں نے بنایا بھی مگر ایسا ناقص کہ خود ان کے آدمیوں نے اس پر نفرین کی، شکستوں پر شکستیں کھائیں، (مثلاً) غزوۂ خندق میں بارہ ہزار آدمیوں کو جو جنگجو تھے، ہر قبیلے کے افراد ان میں تھے اس دعوے کے ساتھ چڑھا لائے کہ ہم مدینے کی اینٹ سے اینٹ بجادیں گے۔ ستائیس اٹھائیس روز مدینے کا محاصرہ کیے پڑے رہے اور ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگالیا، مگر ناکامی پر ناکامی ہوئی۔ آپ ﷺ کی فوج (جماعت) چار ہزار تھی اور ان کی بارہ ہزار، کفار پورا سامان لےکر آئے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دربار الٰہی میں دُعا فرمائی۔

دیگر ساری حرکتیں کیں مگر قرآن کے جواب سے خاموش

فروری کا مہینہ تھا چلّے کے جاڑے پڑ رہے تھے بڑی زور سے آندھی آئی آندھی نے دشمن کے تمام خیموں کو اکھاڑ دیا۔ دیگوں میں کنکریاں پڑگئیں، آگ، آگ نے اُڑکر خیموں کو جلادیا ان کی تمام چیزیں برباد ہوگئیں اب کیا کریں؟

دشمن کہنے لگے کہ بھاگو محمد ﷺ نے ہوا پر جادو کردیا۔ آندھی چلوادی، کس قدر خرچہ ان پر پڑا ہوگا، بارہ ہزار آدمیوں کو ۲۷ / دن تک کھانا کھلایا، مجبور ہوکر وہاں لوٹے منہ کی کھائی۔ اس قدر پسپا ہوئے کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا کہ کفار کی

ایسی کمر ٹوٹی ہے کہ وہ مدینے پر چڑھائی کا آئندہ نام تک نہیں لیں گے۔ یہ سب باتیں کفار نے برداشت کیں لیکن قرآن کا جواب ایک چھوٹی سی سورت کے برابر بھی نہ لا سکے۔

امتیاز معجزۂ قرآن کریم

جناب باری کی ذات جیسی بے نظیر و بے مثیل ہے اس کی صفات بھی ایسی ہی بے نظیر و بے مثیل ہے۔ لہٰذا اس کا کلام بھی بے نظیر و بے مثیل ہونا چاہیے۔ عصائے موسیٰ علیہ السلام ید بیضاء، ناقہ صالح علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نابیناؤں کو بینا کرنا وغیرہ وغیرہ یہ سب اعلیٰ درجے کے معجزے ہیں مگر حادث ہیں، قرآن خدا کی صفت ہے، صفات کے بغیر کوئی فعل صادر نہیں ہوسکتا۔

اگر کسی کے اندر صفت سخاوت ہے تو وہ کرم کرے گا۔ اور اگر سخاوت کی صفت نہیں ہے تو ہرگز خرچ نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر شجاعت کی صفت ہے تو میدان جنگ میں آئے گا۔ ہاتھ چلے گا، اگر شجاعت کی صفت نہیں ہے تو میدان میں نہیں آئے گا۔ غرض کہ صفت اصلی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کلام حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائی کسی پیغمبر کو یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔ مثال سے یوں سمجھیے کا ایک بادشاہ اپنے خزانے میں سے کسی کو جواہرات دے دے اور کسی کے ساتھ یہ سلوک کرے کہ اس کو اپنا ہاتھ دیدے۔ (دونوں میں کتنا بڑا فرق ہے)

فضیلتِ حفظ

آج ہماری مساجد خالی پڑی ہیں۔ (مدارس عربیہ) جو ہیں ان کے اندر امیروں کی اولاد نہیں پڑھتی۔ غریب اپنی اولاد کو یہاں لاتا ہے۔ امیر اپنی اولاد

کو یونیورسٹی میں بھیجتے ہیں ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اپنی اولاد کو مدرسہ عربی میں داخل کردو تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارا لڑکا یہاں پڑھ کر کیا کرے گا؟ زیادہ سے زیادہ کسی مسجد میں مؤذن یا امام ہو جائے گا (حالانکہ) مؤذن کے متعلق آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ان کی گردنیں قیامت میں سب سے اونچی ہوں گی۔

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر	توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

شرفِ غلامی

تم بھی پھٹے پرانے کپڑے والے طالب علم کو حقارت سے نہ دیکھو۔ جو لڑکا حفظ کیے ہوئے ہے اور قرآن پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے فرمائے گا۔ **رتّل وارتق الخ** میرے بندے قرآن پڑھتا جا اور جنت کی سیڑھیاں چڑھتا جا۔ جہاں قرآن ختم ہوگا وہاں تیری محل سرا بنے گی، تم نے اپنے بچوں کے لیے جنت کا (کائی) انتظام نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ حافظ قرآن سے فرمائے گا ک اپنے کنبے کے دس آدمیوں کو جن کے لیے جہنم واجب ہو چکی تھی دوزخ سے نکال کر جنت میں لے جا۔

میرے بزرگو! خدا کا یہ فضل ہمارے او پر ایسا ہے جو اوروں پر نہیں ہوا کہ ہم کو آنحضرت ﷺ کی غلامیکا شرف دیا گیا۔ آقا سے غلام کی عزت ہوتی ہے اگر آقا بڑا ہے تو غلام بھی بڑا ہے۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ ہم کو تمام پیغمبروں کے سردار خاتم النّبیین کی غلامی کا شرف دیا گیا۔ آپ ﷺ کی امت میں ہم پیدا کیے گئے ہمارا کوئی احسان اللہ ورسول پر نہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے اسلام وایمان کی دولت عطا فرمائی۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی	منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

اسی کا احسان ہے کہ ہم کو حضرت محمد ﷺ کی امت میں پیدا کیا۔ اسی کا احسان ہے

کہ ہم مسلمان ماں باپ سے مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے (ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہم نہ تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور نہ اس کا شکر ادا کرتے ہیں)

ادنیٰ درجہ شکر

خدا کا فضل ہے ہم کو ہلکی شکر گذاری کا حکم دیا گیا۔ صبح کو شام کو دن کو کسی وقت تھوڑی دیر بیٹھ کر یہ سوچا کرو کہ اللہ تعالیٰ کا ہمارے اوپر کیا انعام ہے؟ ذکر نعمت بہت ضروری ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ [سورۃ ابراہیم: ۷] یہاں بے قید فرمایا کہ تم شکر ادا کرو گے۔ یعنی اگر کسی درجے میں بھی شکر کرو گے تو میں ضرور بالضرور اپنی نعمتوں کا اضافہ کرتا رہوں گا۔ آپ کو زیادہ دعا مانگنے اور زیادہ وظیفہ پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس میں سب کچھ ہے آگے فرماتے ہیں کہ اگر تم کفران نعمت کرو گے تو جان لو کہ میرا عذاب سخت ہے۔

بے سمجھے قرآن پڑھنے پر بھی ثواب ہے

میرے بزرگو! اللہ تعالیٰ نے ہم کو بڑے بڑے انعام دیے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا انعام قرآن ہے۔ آنحضرت کے طفیل میں ہمیں یہ انعام ملا ہے اس کی قدر کیجیے بعضے بیوقوف کہتے ہیں کہ بے معنی قرآن پاک پڑھنا فضول وقت ضائع کرنا ہے یہ غلط بات ہے، بے سمجھی کی بات ہے۔ آقائے نامدار فرماتے ہیں کہ قرآن کے ہر حرف پر اللہ تعالیٰ دس دس نیکیاں دے گا۔ پھر فرماتے ہیں کہ میں یہ نہیں کہتا کہ الف، لام، میم، میں دس نیکیاں ملیں گی بل کہ الف پر دس، لام پر دس، اور میم پر دس مجموعے میں تیس نیکیاں ملیں گی۔ الم کے معنی صحیح طور پر کوئی نہیں جانتا اور نہ بتلا سکتا ہے بڑے بڑے مفسّرین الم کے بارے میں کہتے ہیں۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمُرَادِهٖ۔

اس سے معلوم ہوا کہ معنی جانے نہ جانے تلاوت قرآن سے ہر ہر حرف پر دس دس نیکیاں ملیں گی۔ اگر اس کے ساتھ معنی بھی سمجھے تو بہت ہی اچھا ہے جیسا کہ آپ کے یہاں مراد آباد میں انتظام ہے۔ بہت سے شہر اس ترجمہ قرآن سے محروم ہیں۔

جذبۂ خدمتِ دین

مراد آباد کی خوش قسمتی ہے کہ مولانا عبدالحق مدنی یہاں موجود ہیں۔ انہوں نے مدت ہوئی کراچی چھوڑ کر یہاں کا قیام اختیار کیا اور جب سے آئے ہیں خدمت قرآن میں لگے ہوئے ہیں، اور آپ کو بار بار قرآن کا ترجمہ سناتے ہیں یہ بھی خدا کا انعام ہے۔ ان کو خود مدینے والے طلب کرتے ہیں۔ مدرسہ شرعیہ (مدینہ منورہ) اس بات کا طالب ہے کہ یہ وہاں پڑھائیں لیکن آپ کی محبت و خیر خواہی کا جذبہ ہے کہ وہ یہاں رہتے ہیں مدینے میں ان کا گھر بھی موجود ہے۔ وہاں اہل شہر عام طور پر ان سے واقف ہیں یہ مدینے میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم حاصل کی ہے۔ اللہ کا فضل ہے کہ دینی و تعلیمی خدمت کے واسطے اس نے ان کو یہاں بھیجا۔ جس قدر ممکن ہو ان سے نفع حاصل کیجیے:

غنیمت جان لے مل بیٹھنے کو	جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

میرے بھائیو! دین کو حاصل کیجئے۔ قرآن کو حاصل کیجئے۔ قرآن بڑی دولت ہے اس کے پڑھنے میں، سمجھنے میں، تلاوت میں حفظ کرنے میں کوتاہی نہ کیجئے۔

آقائے نامدار نے فرمایا ہے کہ جس سینے میں قرآن ہوگا اس کو دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی۔ حدیث میں قرآن کی سورتوں کے فضائل آئے ہیں، (مثلاً) سورۂ ملک کے متعلق آنحضرت نے فرمایا ہے کہ یہ عذاب قبر سے نجات دینے والی ہے۔ سورۂ یٰسین کو قلب قرآن فرمایا گیا ہے۔

قرآن اور رمضان

قرآن عظیم الشان نعمت ہے۔اس کی قدر کیجیے خصوصاً رمضان کے اندر رمضان کو قرآن سے بڑی نسبت ہے،اسی مہینے میں قرآن اتارا گیا اور اسی مہینے میں آنحضرت جبرئیل علیہ السلام سے ایک مرتبہ اس کا دور فرمایا کرتے تھے۔عمر کے آخری سال میں دو مرتبہ دور فرمایا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ ہر رات میں ایک قرآن شریف ختم کیا کرتے تھے اور رمضان کے اندر دن اور رات میں دو قرآن ختم کرتے تھے۔حضرت امام شافعیؒ اور بہت سے اہل اللہ سے ایسا ہی منقول ہے۔قرآن کے معنی سمجھ میں آئیں فبہا اگر سمجھ میں نہ آئیں تب بھی تلاوت کیجئے۔یہ قرآن شریف قیامت میں کام آنے والا ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان........۴

تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر	وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر

حاملین قرآن کی ذمہ داریاں

افادات

عارف باللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاب گڈھی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

''بزرگو! تمہارے اندر بعضے فقہاء اور علماء بھی ہیں، تم وعظ کی مجلسیں بھی منعقد کرتے ہو، درس بھی دیتے ہو احکام شرعیہ بھی بیان کرتے ہو، مفتی بن کر لوگوں کو احکام بھی بتلاتے ہو، خبردار! چھلنی کی طرح نہ ہو جانا کہ عمدہ آٹا تو نکال دیتی ہے اور بھوسی اپنے پاس رہنے دیتی ہے، اسی طرح تمہارا یہ حال نہ ہونا چاہئے کہ تم اپنے منہ سے تو حکمت کی باتیں نکالتے رہو اور دلوں میں کھوٹ رہ جائے کہ اس وقت تم سے اللہ کے ارشاد پر عمل نہ کرنے کا مطالبہ کیا جائے **(اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ)** کیا دوسروں کو تو نیکی کی تاکید کرتے ہو اور اپنے آپ کو نیکی سے بُھلائے دیتے ہو۔

پیراگراف

از بیان حضرت مولانا احمد صاحب پرتاپگڈھیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

آخری رسول اور آخری کتاب

آپ حضرات جانتے ہیں کہ قرآن پاک خدائے تعالیٰ کی آخری کتاب ہے، جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ خاتم النبیین ہیں آپ ﷺ کے بعد نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا اب کوئی نبی نہیں آئے گا اگر کوئی شخص نبوت کا دعوی کرتا ہے تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے، اسی طرح قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں آئے گی لہٰذا قیامت تک کے لیے ہمارا دستور العمل یہی ہے، اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں اور اس کے ساتھ جیسا شغف مطلوب ہے ویسا شغف رکھیں، یہ وہی قرآن پاک ہے کہ جب مشرکین مکہ اس کو سنتے تھے تو اس سے متاثر ہوتے تھے کہ مشرف بہ اسلام ہو جاتے تھے اور اس کی آیات طیبات کو سن کر کلمہ پڑھ لیتے تھے یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم سے شغف

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے مکان کے سامنے ایک چبوترہ بنا رکھا تھا اس پر نماز پڑھتے تھے اور قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا امت میں جو مقام ہے آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ افضل البشر بعد الانبیاء انہی کی ذات ہے ان کے کمالات ایمانی کا کیا کہنا! کوئی نہیں سمجھ سکتا، اور یہ حقیقت

ہے کہ جس کا جس درجہ ایمان ہوگا اسی درجہ کی اس کی تلاوت ہوگی، لہذا امت کا کوئی فرد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی تلاوت نہیں کرسکتا، اور اس کی کیفیت کا اندازہ وہی کرسکتا ہے جس نے ان سے سنا ہوگا، ہم لوگوں کو بھلا اس کا کیا اندازہ ہوسکتا ہے؟! بہرکیف اس تلاوت کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔

پس جب آپ چبوترہ پر قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے تو مکہ کے نوجوان آ کر آپ کی تلاوت سنتے تھے اور اس سے متاثر ہوکر ایمان لاتے تھے، مشرکین مکہ نے جب یہ حال دیکھا تو فکر ہوئی کہ اس طرح تو ہمارے سب جوان مسلمان ہوجائیں گے لہذا اس کو روکنے کی تدبیر کرنی چاہئے۔

چنانچہ انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ مکہ چھوڑ کر کہیں باہر چلے جائیے، آپ کو یہاں رہنے نہیں دیا جائے گا، قوم کی مخالفت دیکھ کر آپ نے ہجرت کا ارادہ فرمالیا، حضور اکرم ﷺ سے اجازت لے کر مکہ سے روانہ ہوگئے ابھی کچھ دور گئے تھے کہ راستہ میں ایک بڑے سردار سے اتفاقاً آپ کی ملاقات ہوگئی اس نے دریافت کیا اے ابوبکر! آپ کہاں جارہے ہیں؟ تو فرمایا: چوں کہ یہاں آپ لوگ قرآن پاک کی تلاوت سے روکتے ہیں اس لیے میں اپنا وطن چھوڑ کر ایسی جگہ جارہا ہوں جہاں بلاروک ٹوک قرآن پاک کی تلاوت کرسکوں، تو اس نے کہا کہ آپ لوٹ چلیں مگر اتنا کریں کہ قرآن پاک جہر کے ساتھ نہ پڑھیں بل کہ آہستہ آہستہ تلاوت کیا کریں، آپ نے فرمایا بہت اچھا اور واپس آگئے، اور چند روز تک آہستہ تلاوت کرتے رہے پھر آپ کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ میں اب حسب سابق جہر کے ساتھ قرآن پاک پڑھوں گا کچھ بھی حشر ہو، چنانچہ جہر کے ساتھ تلاوت شروع فرمائی، تو آپ جانتے ہیں کہ مشرکین مکہ کی جانب سے کیا معاملہ ہوا؟ انہوں نے آ کر آپ کی تلاوت کلام اللہ کے وقت سیٹیاں اور تالیاں بجانا شروع کردیں تاکہ تلاوت میں حرج ہو اور لوگ سن نہ سکیں۔

کلام خداوندی کا کمال

اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تلاوت فرماتے تھے تو قبیلہ عبد الدار کے دو آدمی آپ کی داہنی اور بائیں جانب کھڑے ہوکر شور وشغب کرتے تھے، تالیاں اور سیٹیاں بجاتے تھے اور زور زور سے اشعار پڑھتے تھے تاکہ آپ قرآن نہ پڑھ سکیں اور لوگوں کے کانوں میں آپ کی آواز نہ پہنچ سکے اور اپنی قوم سے کہتے تھے کہ اس قرآن کو مت سنو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **(وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ)** (سورۃ حم سجدہ:۲۶) یعنی اور یہ کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو ہی مت اور اس کے بیچ میں غل مچا دیا کرو، شاید اس تدبیر سے تم ہی غالب رہو۔

بھائی قرآن پاک اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور زبردست تاثر کا حامل ہے جب اس کی تلاوت کی جائے تو غور سے سنیں اور ایسا سنیں جس کا دل پر اثر ہو محض کان سے سننا جس سے دل متاثر نہ ہو، اس کا کچھ اعتبار نہیں، قرآن پاک کا اثر اگر ہمارے دلوں پر ہو جائے تو ہماری زندگی تبدیل ہو جائے، آج ہمارے پاس اسلاف جیسے قلوب نہیں رہے جن کی تلاوت میں ایسی تاثیر تھی کہ کفار ومشرکین اس کو سن کر متاثر ہو جاتے تھے، اسی بنا پر ان میں کے شریر وسرکش اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ قرآن پاک ہمارے کانوں تک پہنچنے ہی نہ پائے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ دل پر اثر ہو جائے اور آبائی کفر وشرک کو چھوڑنا پڑے، یہ ان کی ایک تدبیر تھی جس کو انہوں نے اپنی گمراہی پر باقی رہنے کے لیے اختیار کر رکھا تھا، اور اپنے جوانوں سے کہتے تھے کہ اس قرآن کو مت سنو۔

مشرکین کی تدبیر کا رد

اللہ تعالیٰ ان کی اس تدبیر کی تردید میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ لوگ **لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ** کہتے ہیں اور میں کہتا ہوں کہ **(وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ**

وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (سورہ اعراف ۲۰۴) یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگاؤ اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت میں ان کے ہر ہر جملے کا پورا پورا رد ہے یعنی جس طرح انہوں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور تلاوت کے وقت شور مچاؤ، امید ہے کہ تم غالب آ جاؤ گے، اسی طرح اس کے مقابل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگاؤ اور خاموش رہو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائیں گے۔

سبحان اللہ! کیا خوب کلام ہے اور کیسا پُر کیف مضمون ہے کہ انہوں نے کہا مت سنو اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں خاموش رہو، انہوں نے کہا اس تدبیر سے تم غالب آ جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم جو تدبیر بتلا رہے ہیں اس کو اختیار کرنے سے تم پر رحمت الٰہی متوجہ ہوگی جس سے تم لوگ غالب ہو گے نہ کہ یہ کفار۔

اللہ اکبر! اس کلام میں کس قدر بلاغت ہے، بے شک یہ کلام خداوندی کا کمال اور خاص وصف ہے۔

تلاوت کلام اللہ کی حلاوت کسے اور کیسے؟

بھائی! جب قرآن پڑھا جائے تو سکون سے سنو اور خاموش رہو جو شخص خاموش ہو کر دل لگا کر ہمہ تن گوش ہو کر قرآن کو سنتا ہے اسی کو تلاوت کی لذت وحلاوت حاصل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ایسی لذت وحلاوت رکھی ہے جو کسی چیز میں نہیں، اب کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ایسی بابرکت کتاب ہمارے اندر موجود ہے مگر اس کے برکات سے محروم ہیں، ہمیں چاہئے کہ اس کی تلاوت کا معمول بنادیں اور کلام اللہ کی تعظیم وتکریم کے ساتھ تلاوت کریں اور اس میں تدبر وتفکر کریں اور خدا کی کتاب کو جی لگا کر پڑھیں۔

انسان جس قدر کتاب اللہ سے محبت پیدا ہوتی ہے اور کلام اللہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے محبت بڑھتی چلی جاتی ہے یعنی کلام اللہ کی تلاوت اور سماعت سے اللہ تعالیٰ

کی محبت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی بھی ہے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کی رحمت خاصہ متوجہ ہوتی ہے، اور نسبت مع اللہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

ایک عظیم الشان نعمت

میرے عزیزو! قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمت ہے، جس کو قرآن مل گیا اس کو بہت بڑی دولت حاصل ہوگئی، اس کی قدر پہچانو اور سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بہت بڑی دولت سے نوازا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کو بطور امتنان ذکر فرمایا ہے چنانچہ رسول کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد ہے **(وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيْمَ)** (سورہ حجر: ۸۷) یعنی ہم نے آپ کو ایک بڑی بھاری نعمت یعنی سات آیات دیں جو نماز میں مکرر پڑھی جاتی ہیں (مراد اس سے سورۂ فاتحہ) اور قرآن عظیم مرحمت فرمایا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے " **فَضْلُ كَلَامِ اللهِ عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللهِ عَلٰى خَلْقِهٖ** "، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر۔

قرآن کریم کی ناقدری پر وعید

اسی طرح حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: " **مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ ثُمَّ رَاٰى أَنَّ أَحَداً أُوْتِيَ أَفْضَلَ مِمَّا أُوْتِيَ فَقَدِ اسْتَصْغَرَ مَا عَظَّمَهُ اللهُ** "، یعنی جس نے قرآن کو پڑھا پھر بھی اس نے کسی کے متعلق یہ سمجھا کہ اس سے افضل چیز دیا گیا ہے تو اس نے ایسی چیز کو چھوٹا سمجھا جس کو اللہ تعالیٰ نے باعظمت بنایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس کو قرآن جیسی دولت حاصل ہو اور پھر وہ دنیا کی کسی چیز کی طرف للچائی نظر سے دیکھے تو اس نے کلام اللہ کی تنقیص کی اور بہت بڑی نعمت کی ناقدری کی۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ میری امت کی عبادت میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے، اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ سب سے زیادہ غفلت اور بے اعتنائی اسی کی طرف سے ہو رہی ہے اگر ہم اس کا اہتمام کریں اور قرآن کریم کو مضبوطی سے پکڑیں تو ہماری حالت بدل جائے۔

مسلمان تاقیامت محفوظ رہیں گے

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ پرتاب گڑھ کے قریب ایک جگہ اجتماع ہوا جس میں بڑے بڑے علماء تشریف لائے تھے، مجھے بھی دعوت دی گئی تھی، اور وہ اجتماع اس غرض سے منعقد کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کی بقاء و تحفظ کی سبیل پر غور کیا جائے، میری طبیعت وہاں پہنچ کر خراب ہو گئی اس لیے میں نے لوگوں سے کہا کہ جب سب علماء کرام بیان فرمالیں تو سب سے اخیر میں مجھے بلوالیا جائے۔

چنانچہ بیانات ہوئے اور اخیر میں لوگ مجھے بلانے کے لیے آئے تو میں جا کر وہاں بیٹھ گیا مگر پہلے ذہن میں کوئی بات نہیں تھی اچانک اللہ تعالی نے میرے دل میں یہ آیت ڈالی إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورہ حجر: ۹) یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس سے میرا ذہن اس مضمون کی جانب منتقل ہوا کہ جب اللہ تعالی نے قرآن پاک کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے تو اس کے لیے یہ بھی لازم و ضروری ہے کہ قرآن کے حاملین و محافظین بھی محفوظ رہیں، پس اس آیت سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ قرآن پاک تاقیامت محفوظ رہے گا اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ اس کی حفاظت کرنے والے مسلمان بھی تاقیامت محفوظ رہیں گے، جو قرآن پاک کو پڑھیں گے اس کو یاد رکھیں گے اور اس کی تفسیر بیان کریں گے۔

گویا قرآن پاک کی حفاظت کا خداوندی طریقہ یہی مقرر ہوا کہ مسلمان اس کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھیں، چنانچہ اب تک اسی طور پر محفوظ ہے اور قیامت تک اسی

طرح محفوظ رہے گا، پس جو لوگ اپنا بقاء و تحفظ چاہتے ہیں ان کو چاہئے کہ قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں، جب آپ کلام اللہ کے محافظ بنیں گے تو منجانب اللہ آپ کی حفاظت کی جائے گی۔

قرآن پاک اللہ تعالی کی مضبوط رسی ہے، اللہ تعالی نے خود اس کو حبل اللہ فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا (سورہ آل عمران: ۱۰۳) یعنی تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو۔

قرآن پاک خدا کی مضبوط رسی ہے

تلاوت کے وقت اپنے قلب میں اگر اس بات کا استحضار کیا جائے کہ یہ میرے رب کا کلام ہے اور ہم حق تعالی کا کلام ان کے سامنے پڑھ رہے ہیں اور وہ ہماری تلاوت سن رہے ہیں تو ہماری تلاوت کچھ اور ہی قسم کی ہوگی اور اس میں لذت وحلاوت پیدا ہوگی، اللہ تعالی نے اپنے قرب کے لیے اس رسی کو نازل فرمایا ہے اور یہ خدا کی وہ مضبوط رسی ہے جس کا ایک سرا تو خود حق تعالی کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا بندوں کے ہاتھ میں، گویا جو شخص اس کو جس قدر مضبوط پکڑے گا اسی قدر جلد خدائے تعالی تک پہنچے گا۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے "اَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ لَنْ تَهْلِكُوْا اَوْلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ"۔ (طبرانی، منتخب کنز العمال)

یعنی خوش ہو جاؤ کہ اس قرآن کا ایک سرا تو اللہ تعالی کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں، پس اس کو مضبوط پکڑ لو تو پھر تم اس کے بعد کبھی ہلاک نہ ہوگے یا یہ فرمایا کہ ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔

قرآن پاک کے متعلق میری ایک مستقل نظم ہے جس کا ایک شعر یہ بھی ہے:

وہ جس کا ایک نقطہ بھی نہ بدلے گا قیامت تک	وہ جس کی خود خدائے پاک کرتا ہے نگہبانی

اور ایک دوسرا شعر یہ ہے

خزانہ گھر میں ہے موجود پھر بھی آہ! مفلس ہیں	بھٹکتے پھر رہے ہیں چار سوائے وائے نادانی

پس ہم کو چاہئے کہ قرآن پاک کو پہچانیں اور نہایت عظمت ومحبت کے ساتھ اس کی تلاوت کریں اور اس میں تدبر وتفکر بھی کریں، اور اس کے مطابق اپنی زندگی بنادیں، اللہ تعالی فرماتے ہیں **أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا** (سورہ محمد: ۲۴) یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں میں تالے پڑے ہیں۔

حاملین قرآن کی صفات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس کے سینے میں قرآن ہو اس کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنی رات سے پہچانا جائے جس وقت سب لوگ سو رہے ہوں، اور اپنے دن سے پہچانا جائے کہ لوگ کھا پی رہے ہوں (یعنی روزہ رکھے ہوئے ہوں) اور اپنے حزن وغم سے پہچانا جائے کہ سب لوگ خوشیاں منا رہے ہوں، اور اپنی گریہ وزاری سے پہچانا جائے جب کہ لوگ ہنس بول رہے ہوں اور اپنی خاموشی اور سکوت سے پہچانا جائے جب کہ سب لوگ اِدھر اُدھر کی باتیں کر رہے ہوں اور بکواس میں مشغول ہوں، اسی طرح اپنی مسکنت اور تواضع سے پہچانا جائے جس وقت کہ سب لوگ فخر وغرور کی باتوں میں لگے ہوں۔

دیکھیے! اس میں حاملین قرآن کے کتنے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے، اور سب سے اخیر میں تواضع ومسکنت کے اختیار کرنے پر ابھارا ہے، ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں، اللہ تعالی کے نزدیک سب سے پسندیدہ چیز تواضع اور مسکنت ہے، اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ کبر ونخوت ہے۔

تمام صفات حمیدہ کی اصل تواضع ہے

اسی طرح بزرگان دین فرماتے ہیں کہ جملہ اخلاق حمیدہ کی اصل تواضع ہے، اسی سے سب صفات حمیدہ انسان کے اندر پیدا ہوتی ہیں، اور تمام رذائل کی اصل تکبر ہے اسی کے سبب تمام برے اخلاق آدمی کے اندر پیدا ہوتے ہیں پس تواضع اختیار کرو اور تکبر سے بچو۔

سیدنا آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی انہوں نے تواضع کا راستہ اختیار فرمایا اور حق تعالی کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف فرمایا **رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ** (سورہ اعراف ۲۳) اے ہمارے رب! ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہوگا۔

چنانچہ اللہ تعالی نے ان کے سر پر خلافت کا تاج رکھا اور اپنا خلیفہ بنا کر زمین پر اتارا، اور ابلیس نے اللہ کے حکم سے روگردانی کی، اور آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور تکبر کی راہ اختیار کی، حتی کہ اپنے قصور کی نسبت حق تعالی کی طرف کی، تو مردود و مطرود ہوا، چنانچہ اللہ تعالی نے اپنے سوال اور اس کے جواب کو قرآن پاک میں جابجا ذکر فرمایا ہے۔

تو دیکھیے! حضرت آدم علیہ السلام نے **رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا** میں قصور کی نسبت اپنی طرف کی تو مقبول بارگاہ ہوئے، اور ابلیس نے **فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي** میں تقصیر کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی تو وہ مردودِ بارگاہ ہوا، پس جو تواضع اختیار کرے گا اس کو مقبولیت عند اللہ حاصل ہوگی اور تکبر کی راہ چلے گا اس کو مقبولیت حاصل نہیں ہوگی۔

سنتِ آدم اور طریقہ شیطان قیامت تک چلتا رہے گا

الغرض قیامت تک یہ دونوں سلسلے چلتے رہیں گے، انبیاء اولیاء اور صالحین امت حضرت آدم علیہ السلام کی سنت پر چلتے رہیں گے اور گمراہ لوگ ابلیس کے

طریقے پر چلتے رہیں گے، مولانا رومؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں کہ:

آں کہ فرزندانِ خواص آدمند	نفحہ اِنّا ظَلَمْنَا می زنند

یعنی جو آدم علیہ السلام کی خاص اولاد ہیں وہ ۔رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا کی صدا لگاتے ہیں۔اور فرماتے ہیں:

ایں کہ می بینی خلاف آدمند	نیستند آدم غلافِ آدمند

یعنی یہ جو تم دیکھ رہے ہو کہ آدم علیہ السلام کے طریقہ کے خلاف چل رہے ہیں یہ آدمی نہیں ہیں بل کہ آدمی کا غلاف ہیں۔

آئندہ شعر میں اس کی وضاحت فرماتے ہیں:

گر بصورت آدمی انساں بُدے	احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے

یعنی اگر محض ظاہری شکل وصورت پر انسانیت کا مدار ہوتا تو حضور اقدس ﷺ اور ابوجہل کو یکساں قرار دیا جاتا۔

مگر ایسا نہ ہوا کیوں کہ دونوں میں بون بعید ہے کہ ایک تو رأس الاتقیاء ہیں، اور دوسرا رأس الاشقیاء پس ظاہر ہے کہ یہ فرق حقیقت انسان کے اعتبار سے ہے، خوب سمجھ لو! حدیث شریف میں آتا ہے: "مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ نَفْسِهِ صَغِيْرٌ وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيْمٌ وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ فَهُوَ فِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيْرٌ وَفِيْ نَفْسِهِ كَبِيْرٌ حَتّٰى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيْرٍ"۔ جو اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلند فرماتے ہیں پس وہ اپنی نگاہ میں چھوٹا ہوتا ہے اور لوگوں کی نگاہوں میں بڑا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو پست کر دیتے ہیں پس وہ لوگوں کی نگاہوں میں چھوٹا ہوتا ہے اور اپنی نگاہ میں بڑا ہوتا ہے ہے حتی کہ وہ لوگوں کے نزدیک کتے اور سور سے زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے (مظاہر حق)

اسی روایت سے اس حدیث کی بھی شرح ہو جاتی ہے جو آپ ﷺ سے دعا میں وارد ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا" یعنی اے

اللہ! مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا دیجئے اس کا حاصل یہی ہے کہ مجھے متواضع بنا دیجیے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ

میرے عزیزو! علم دین کو جب صحیح نیت سے حاصل کیا جاتا ہے تو یہ بھی قرب خداوندی کا ذریعہ بنتا ہے، لہذا تحصیل علم میں اپنی نیت ابھی سے درست کریں اور اللہ کی رضا کے لیے علم دین کو حاصل کریں، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰی**۔ یقیناً اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور بلا شبہ ہر آدمی کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔

علم میں بھی ایک قسم کی لذت وحلاوت ہے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو اس کی لذت وحلاوت حاصل ہو جائے یہ روحانی حلاوت ہے اور جس کو حاصل ہوتی ہے اس کے نزدیک اس راہ کی ہر کلفت راحت محسوس ہونے لگتی ہے، اکابر امت نے زمانہ طالب علمی میں بہت سی پریشانیاں بھی برداشت کیں، اکثر طالب علمی کے زمانہ میں مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس سلسلہ میں بھی اپنے اکابر کے حالات کو پیش نظر رکھیں۔

قرآن وحدیث کا علم سب چیزوں سے مستغنی کر دیتا ہے

''تذکرۃ الرشید'' میں واقعہ لکھا ہے کہ حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ دہلی میں پڑھتے تھے تو ستائی کا زمانہ تھا، اس وقت صرف دو پیسے میں ایک آدمی دونوں وقت پیٹ بھر کر گوشت روٹی کھالیتا تھا، مگر آپ کی غربت کا یہ عالم تھا کہ اکثر فاقہ ہو جاتا تھا، کئی کئی وقت گذر جانے کے بعد جب کھانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو شام کے وقت بازار چلے جاتے جہاں سبزی فروش پتے توڑ توڑ کر پھینک دیتے تھے ان پتوں کو جمع کر کے اٹھا لاتے اور نمک ڈال کر اسے اُبال کر کھالیتے اور اگر کسی وقت نمک نہ ہوتا تو ویسے ہی بلا نمک کے پتوں کو اُبال کر کھالیتے اور بسا اوقات کتابوں

کے مطالعہ کے لیے آپ کے پاس چراغ بھی نہ ہوتا تھا تو سڑک کے کنارے کھڑے ہوکر جو سرکاری لالٹین جلا کرتی تھی اس کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔

ایک شاہ زادے کی سواری ادھر سے گذر رہی تھی اور شاہی چوبدار آگے آگے ہٹو بچو کرتے ہوئے چلے آرہے تھے مگر آپ کتاب کے مطالعہ میں ایسے مصروف تھے کہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئے، چوبدار نے قریب جا کر ڈانٹ کر کہا: کیا تم کو نظر نہیں آتا کہ شاہزادے کی سواری آرہی ہے اور تم راستہ سے نہیں ہٹ رہے ہو؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہوں گے تمہارے شاہ زادے، ابھی کافیہ کا ایک مسئلہ پوچھ دوں تو بغلیں جھانکنے لگیں گے۔

دیکھا آپ نے علم کا وہ نشہ تھا کہ اسی میں وہ مست رہا کرتے تھے اور سب سے بڑی دولت اسی کو سمجھتے تھے اسی وجہ سے وہ سب سے مستغنی رہا کرتے تھے اور واقعی علم ایسی ہی دولت ہے کہ جس کو قرآن وحدیث کا علم مل جاتا ہے تو وہ سب سے مستغنی ہوجاتا ہے۔

اسی علم کی قدردانی کی برکت سے اللہ تعالی نے حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ کو وہ مقام عطا فرمایا کہ ہندوستان کے چوٹی کے علماء آپ کے شاگرد ہوئے۔

علم نافع اور علم غیر نافع

علم بہت بڑی دولت ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، حدیث شریف میں وارد ہے کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی فضیلت ستاروں پر، اسی طرح دوسری حدیث میں وارد ہے کہ "**خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ**" یعنی تم مین بہتر وہ لوگ ہیں جو قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں۔

اور اللہ تعالی خود ارشاد فرماتے ہیں: **(هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ)** (سورہ زمر:۹) یعنی کیا وہ لوگ جو علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں

رکھتے برابر ہیں؟

اس سے معلوم ہوا کہ عالم اور جاہل برابر نہیں، البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نصوص میں جس علم کی فضیلت آئی ہے اس سے مراد کون سا علم ہے اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے کہ " اَلْعِلْمُ عِلْمَانِ عِلْمٌ فِي الْقَلْبِ فَذٰلِكَ الْعِلْمُ النَّافِعُ وَعِلْمٌ عَلَى اللِّسَانِ وَذَاكَ حُجَّةُ اللّٰهِ عَلَى ابْنِ آدَمَ "(مشکوٰۃ)

یعنی علم کی دو قسمیں ہیں ایک وہ علم ہے جو قلب میں ہوتا ہے اور یہی علم نافع ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو محض زبان پر ہوتا ہے اور یہ وہ علم ہے جو انسان پر اللہ کی حجت ہے، یعنی یہ علم غیر نافع ہے۔

حضور اقدس ﷺ اللہ تعالی سے علم نافع کا سوال کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: " اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا " اسی طرح علم غیر نافع سے آپ نے پناہ مانگی ہے پس معلوم ہوا کہ علم نافع مطلوب ہے اور غیر نافع مذموم ہے۔

علم کی حقیقت

اور آپ جانتے ہیں کہ علم کی حقیقت کیا ہے؟ وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالی اپنے خاص بندوں کے قلب میں ڈال دیتے ہیں جس سے انہیں خیر وشر کی تمیز حاصل ہوتی ہے اور حقیقی علم اسی کو کہتے ہیں جس سے خیر وشر میں امتیاز حاصل، اور جو علم محض زبان پر ہوتا ہے اس کو علم رسمی کہا جاتا ہے جس کی کوئی وقعت اللہ ورسول کے نزدیک نہیں ہے ،اسی بنا پر بزرگان دین علم رسمی کی مذمت فرماتے ہیں چنانچہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

علم رسمی سربسر قیل است وقال	نے ازو کیفیتے حاصل نہ حال

رسمی علم محض قیل وقال ہے اس لیے کہ نہ تو اس سے کوئی کیفیت حاصل ہوتی ہے اور نہ حال۔

پس اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ علم حقیقی حاصل ہو، اور اس کے حصول کے لیے کچھ آداب ہیں جب ان کا لحاظ کیا جائے گا تب وہ حاصل ہوگا ہمارے اکابر نے ان آداب کی رعایت فرمائی تو علم حقیقی سے مشرف ہوئے۔

حصول علم کے آداب

انہی آداب میں سے ایک بڑا ادب یہ بھی ہے کہ علم پر عمل کیا جائے، جب آدمی اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو بہت سے علوم حاصل ہوتے ہیں۔

چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنی جانی ہوئی بات پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نہ جانی ہوئی بات کا علم اس کو عطا فرماتے ہیں لہذا سب سے زیادہ عمل کا اہتمام کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ کا ادب واحترام کیا جائے اور ابتدا ہی سے تقویٰ اختیار کیا جائے، نورِ علم تقویٰ ہی سے حاصل ہوتا ہے اور معصیت سے یہ نور بجھ جاتا ہے لہذا معصیت سے پرہیز کریں اور نورِ تقویٰ سے اپنے دلوں کو روشن کریں۔

امام شافعیؒ کو اپنے استاذ کی نصیحت

ایک دفعہ حضرت امام شافعیؒ نے اپنے استاذ حضرت وکیعؒ سے عرض کیا کہ حضرت میرا قوت حافظہ کمزور ہے، تو استاذ نے ترک معصیت اور لزوم تقویٰ کی وصیت اور تاکید فرمائی اور فرمایا کہ یہ علم اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور عاصی اور نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔

اس سے ان حضرات کے نزدیک تقویٰ کا کس قدر اہتمام معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے شاگردوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے اور شاگرد بھی اس کا اہتمام کرتے تھے تب اپنے وقت کے امام ہوئے، اب آج کل اس کا اہتمام باقی نہیں رہا اسی وجہ سے

جو حالات ہیں وہ آپ کے سامنے ہیں لہذا علم پر عمل کرنے کا خوب اہتمام کریں اور تقویٰ اختیار کریں۔

اساتذہ کرام اور طلباء سے ایک گذارش

اساتذہ کو چاہیے کہ خود بھی تقویٰ اختیار کریں اور طلباء کو بھی تقویٰ کے اہتمام کی تاکید کریں، اور تقویٰ حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اہل تقویٰ کی صحبت اختیار کریں اور کچھ وقت نکال کر کسی اللہ والے کے پاس جا کر اس کی صحبت میں بیٹھیں اور اس کے ساتھ ساتھ کچھ تھوڑا معمول ذکر اللہ کا بھی رکھیں۔

مشائخ نے اب اپنا معمول بدل دیا

ہمارے سلف اور متقدمین بزرگان دین کا یہ معمول تھا کہ زمانہ طالب علمی میں طلباء کو بیعت نہ فرماتے تھے تا کہ یکسوئی کے ساتھ علم حاصل کریں ہاں تحصیل علم کے بعد کسی صاحب نسبت بزرگ کی صحبت میں رہ کر اپنی اصلاح کراتے تھے اور ان کی نگرانی و تربیت میں سلوک طے کرتے تھے مگر وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا اس لیے علم دین کے طلباء ابتدا ہی سے عمل اور تقویٰ کا خیال رکھتے تھے اور طالب علمی کے زمانہ کو غفلت اور آزادی میں نہ گذارتے تھے مگر اب وہ حالات نہیں رہے، لوگوں پر عموماً غفلت چھائی ہوئی ہے، آزادی عام ہے اس لیے مشائخ نے بھی اس باب میں اپنا معمول اب بدل دیا ہے اور اسی زمانہ طالب علمی ہی سے فکر اصلاح اور ذکر اللہ کی طرف متوجہ فرماتے ہیں بل کہ ضروری قرار دیتے ہیں۔

لہذا اب ضروری ہے کہ ابتداء ہی سے کچھ ذکر و شغل بھی کریں اور کسی اللہ والے سے تعلق بھی پیدا کریں اور اس کی صحبت میں جا کر کچھ وقت ضرور گذاریں تا کہ ابھی سے نفس اس کا عادی بن جائے ورنہ اگر یہ زمانہ غفلت میں گذر جائے گا بعد

میں نفس جلدی قابو میں نہ آئے گا۔

قلب کے اصلاح کی اشد ضرورت ہے

حدیث شریف میں آیا ہے کہ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے، اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے، اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے، اور وہ انسان کا دل ہے، اگر کسی کا دل درست ہو گیا اور دل واقعی دل بن گیا تو سمجھ لو کہ اس کے سارے اعضا صالح ہو جائیں گے اور وہ شخص خدائے تعالی کا فرماں بردار ہو جائے گا، اور اس کی ایسا حال نصیب ہو گا کہ اللہ کے ذکر ہی میں اس کو لذت ملے گی اور اتباع سنت کے بغیر اس کو چین نہ ملے گا، اور جب کسی کا دل بگڑ جاتا ہے اور رذائل اس میں گھر کر لیتے ہیں تو سمجھ لو کہ فساد ہی فساد ہے۔

چنانچہ آج کل جتنے بھی فسادات رونما ہو رہے ہیں ان سب کا اصلی سبب قلب کا فساد ہے، اس لیے قلب کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے، اسی قلب اور نفس کی اصلاح نہ ہونے سے بد خلقی عام ہے، لہذا اگر دل کی اصلاح ہو جائے، نفس کا تزکیہ ہو جائے تو سارا فساد ختم ہو جائے۔

انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد

انبیاء کرام علیہم السلام دل بنانے اور نفس کو رذائل سے پاک کرنے کے لیے دنیا میں تشریف لائے، چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل کو ایسا پاک وصاف فرمادیا تھا جس کی نظیر قیامت تک نہ ملے گی۔

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِيْ الْأُمِّيِّيْنَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ (سورہ جمعہ ۲)

وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا، جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو (عقائد باطلہ اور اخلاق ذمیمہ سے) پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانش مندی کی باتیں سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ (آپ کی بعثت کے) پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

منصب رسالت کی خصوصیات

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منصب رسالت کی چند خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے چنانچہ آپ ﷺ کی رسالت کے بعد جو اہم امور آپ سے متعلق تھے ان کے متعلق یہ فرمارہے ہیں کہ **یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ** یعنی جو اللہ کی آیات کو انہیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں، جب اللہ کے رسول ﷺ لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے تھے تو سننے والوں کا یہ حال ہوتا تھا کہ مدتوں کا کفر اُن کے دلوں سے دور ہو جاتا تھا، اور کافر و مشرک اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ سنتے ہی فوراً ایمان لے آتے تھے، اور قرآن کے نور سے ان کا قلب منور ہو جاتا تھا، یہ تو آپ کے تلاوت کی تاثیر تھی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: **وَیُزَکِّیْهِمْ** اور وہ نبی لوگوں کے قلوب کو پاک کر دیتے ہیں یعنی باطن میں جو رذائل ہوتے ہیں جن سے دل مردہ اور تاریک ہو جاتا ہے اس کی نجاست اور گندگی کو دور فرما دیتے ہیں اور اپنی نگاہ کرم سے اس کا تزکیہ فرما دیتے ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کی نگاہ میں وہ تاثیر تھی کہ جس مومن پر آپ کی ایک نگاہ پڑ گئی اس کو ایسی پاکی حاصل ہوتی تھی کہ اب قیامت تک کوئی بڑے سے بڑا غوث و قطب بھی آپ کے ادنیٰ صحابی کے مرتبہ کو نہیں پا سکتا، یہ تھا آپ کا تزکیہ۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: **وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ** اور وہ نبی ان کو

کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، کتاب وحکمت کی تفسیر جو سلف ومتقدمین سے منقول ہے وہی کرنی چاہئے جولوگ من مانی تفسیر بیان کرنے لگتے ہیں وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بناتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ **مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ** یعنی جوشخص قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرتا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

آج کل لوگوں کا حال یہ ہے!!!

اس حدیث سے تفسیر بالرائے پر کس قدر وعید ہے، مگر آج کل لوگوں کا حال یہ ہے کہ ادھر اُدھر کی چند اردو کتابوں کا مطالعہ کر کے اپنے محقق سمجھنے لگتے ہیں اور قرآن وحدیث کا مطلب من مانی بیان کرنے لگتے ہیں، جس میں بڑی بڑی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں اور مطلب کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اس لیے قرآن کے معنی کو اور آیات کی تفسیر کو محققین سے سمجھنے کی ضرورت ہے، اب دیکھئے کتاب وحکمت کی تفسیر میں محققین فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا امت پر احسان عظیم

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو جو تعلیم فرمائی ہے وہ قرآن پاک ہے اور حضور اقدس ﷺ کی حدیثیں ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمارے لیے حضور اقدس ﷺ کی ہر ہر بات کو سن کر ایسے محفوظ طریقے پر پہنچایا ہے کہ آج ہمارے سامنے حضور اقدس ﷺ کی پوری زندگی کا نمونہ موجود ہے اور زندگی کے ہر باب میں آپ کی سنت محفوظ ہے، بلاشبہ صحابۂ کرامؓ کا امت پر یہ احسان عظیم ہے۔

اگر یہ حضرات آپ کی ایک ایک سنت کو محفوظ نہ فرماتے تو ہم تک آپ کی سنتیں کیسے پہنچتیں، اب ان حضرات کی بدولت آج ہمارے سامنے جس طرح

قرآن پاک موجود ہے اسی طرح حضور پاک ﷺ کی سنت بھی موجود ہے اور ہمارے تمام بزرگان دین کے نزدیک یہی دونوں اصل ہیں جن کا اہتمام فرمایا اور اسی کا دوسروں کو امر فرماتے رہے ہیں، اور سب سے زیادہ زور اتباع سنت ہی پر دیتے ہیں، اور جس کسی کو جو مرتبہ بھی ملا ہے اسی اتباع سنت کی برکت سے ملا ہے، آج بھی اگر اتباع سنت کو اختیار کیا جائے اور حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات کو لازم کرلیا جائے تو پھر دیکھئے اللہ تعالی کی طرف سے کیسی رحمت نازل ہوتی ہے اور کس قدر فضل وکرم کی بارش ہوتی ہے۔

حصول علم کے متوالے

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں یہ معمول تھا کہ اگر دو بھائی ہوتے تھے تو آپس میں یہ معاملہ طے کرتے تھے کہ ایک بھائی تو مزدوری کر کے معاش کا انتظام کرے اور دوسرا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں رہ کر دین سیکھے اور پھر دوسرے کا بتلائے۔

چنانچہ ایک تو جا کر یہودیوں کے باغ میں پانی چلاتا، یا اور کوئی کام کرتا تھا، اور دوسرا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں جاتا تھا اور دن بھر ساتھ رہتا اور جو کچھ آپ ارشاد فرماتے اس کو یاد کرتا تھا، پھر شام کو جو بھائی مزدوری کر کے لاتا تو اس میں سے آدھا خود لیتا اور آدھا اپنے بھائی کو دے دیتا، اور حضور ﷺ کی خدمت میں رہتا وہ اپنی یاد کی ہوئی حدیثیں اس کو سنا دیتا، اور جب دوسرا دن ہوتا تو دوسرا بھائی مزدوری کو جاتا اور پہلے دن والا حضور ﷺ کی خدمت میں رہ کر حدیثیں یاد کراتا تھا۔

اسی طریقہ سے علم پھیلا ہے اور حدیث پاک کی اشاعت ہوئی ہے، دیکھئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دین کے سیکھنے کا کس قدر شوق تھا اور کیسا اہتمام سنت کے سیکھنے کا کرتے تھے، پس ہم کو چاہئے کہ یہی شوق اپنے اندر پیدا کریں اور ذوق وشوق سے دین کی باتوں کو سنیں اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں جو

کچھ سنیں اس پر عمل کریں اور صحیح معنوں میں ہم مسلمان اور اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بن جائیں، اور نیک بندوں میں شامل ہو جائیں۔

تین چیزیں مطلوب ہیں

بھائی تین چیزیں شرعاً مطلوب ہیں، علم، عمل اور اخلاص، علم تو کتابوں سے آ سکتا ہے اور کسی درجہ اس پر عمل کیا جا سکتا ہے مگر اخلاص جو ان دونوں سے اہم ہے وہ تو بدون اہل اللہ کی صحبت کے حاصل ہونا ممکن نہیں، یہ تو انہی سے حاصل ہوگا اور اس کے لیے اہل اللہ کی صحبت میں جانا ہوگا۔

حکیم الامتؒ کی حکیمانہ بات

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ طلباء کے لیے فرماتے تھے کہ اگر کوئی تحصیل علم میں استعداد پیدا کرنے کی نیت کرے گا تو اس کو استعداد حاصل ہوگا، اور اگر یہ نیت کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کا قرب علم کے ذریعہ حاصل کرے تو استعداد بھی ہو جائے گی اور رضا و قرب بھی ہوگا۔

سبحان اللہ! حضرت حکیم الامتؒ نے کیسی وضاحت کے ساتھ ایک حقیقت کو بیان فرما دیا، اس سے معلوم ہوا کہ طلباء کو علم حاصل کرنے میں یہ نیت کرنی چاہیے کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور ان کا قرب حاصل ہوگا، اور جب اس نیت سے علم دین کو حاصل کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی اور استعداد بھی پیدا ہو جائے گی، یقیناً یہی وہ علوم ہیں جو اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتے ہیں اور حقیقی علم بھی واقعی انہی علماء کے حصہ میں آتا ہے جن کو اللہ والوں کی صحبت ملی ہے اسی بنا پر بزرگوں نے ہر زمانہ میں اہل اللہ کی صحبت پر لوگوں کو ابھارا ہے اور اس کی رغبت دلائی ہے۔

ذکر وصالِ حق کا مقناطیس ہے

سیدنا احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ عجیب عنوان سے اس کی ترغیب دیتے ہیں، چنانچہ ایک مقام پر ذکر اللہ کی ترغیب دیتے ہوئے اسی کے ضمن میں اپنی کتاب ''البنیان المشید'' میں تحریر فرماتے ہیں'' بزرگو! ذکر اللہ کی پابندی کرو کیوں کہ ذکر وصالِ حق کا مقناطیس ہے، قرب کا ذریعہ ہے، جو اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اللہ سے مانوس ہوتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہوا وہ اللہ تک پہنچ گیا۔

مگر یاد رکھو! ذکر اللہ صحبت مشائخ کی برکت سے دل میں جمتا ہے، آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے تو ایسے لوگوں سے تعلق پیدا کرو جن کے دل میں خدا کی یاد جم چکی ہے تم کو بھی یہ دولت نصیب ہوگی ورنہ غافلوں کی صحبت میں رہ کر، یا تنہا خلوت میں رہ کر یہ دولت حاصل نہ ہوگی، ہم سے تعلق پیدا کرو، ہماری صحبت آزمایا ہوا تریاق ہے، ہم سے دور رہنا زہر قاتل ہے۔

اے ہم سے محجوب رہنے والے! تیرا یہ خیال ہے کہ عالم بن جانے کے بعد تجھے ہماری ضرورت نہیں؟ بتا اس علم سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں؟ اور اخلاص ایک خطرناک راستہ کے پار کنارہ پر ہے، اب بتلا تجھے عمل کے لیے کون اٹھائے گا؟ ریا کے زہر کا کون علاج کرے گا جو تیرے اندر بھرا ہوا ہے اور اخلاص حاصل ہوجانے کے بعد تجھے بے خوف وخطر راستہ کون بتلائے گا؟

صرف درسی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا کافی نہیں

(کیا یہ درسی کتابیں اور کتابوں کے پڑھانے والے بتائیں گے؟ ہرگز نہیں!) جاننے والے سے پوچھو اگر تم خود نہیں جانتے **فَاسْأَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** (سورۃ انبیاء: ۷) علیم وخبیر اللہ تعالیٰ شانہ نے ہم کو یہی طریقہ بتلایا ہے (کہ جس بات کا علم نہ ہو تو جاننے والوں سے معلوم کرو) تو اپنے آپ کو اہل ذکر میں سے سمجھتا ہے اگر تو ان میں سے ہوتا تو ان سے محجوب نہ ہوتا، اگر تو اہل ذکر میں سے

ہوتا تو فکر کے ثمرہ سے محروم نہ ہوتا (کیوں کہ ذکر اللہ کے اثر سے دل پر فکر ضرور غالب ہوتا ہے اور فکر کے آثار ذاکر کی صورت سے ظاہر ہونے لگتے ہیں اس کے ہر کام سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کو کوئی بڑا فکر ہے) تجھ کو تیرے اس حجاب نے روکا کہ مشائخ سے دور دور رہتا ہے، تجھ کو تیرے دعویٔ علم نے تباہ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اے اللہ! میں ایسے علم سے جو نفع نہ دے آپ کی پناہ مانگتا ہوں (اب بتلا جس علم سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے اس پر تیرا ناز کرنا کہاں تک زیبا ہے؟)

اے محبوب! تو ہمارے دروازوں کا پہرہ دے کیوں کہ تیرا جو وقت اور درجہ ہمارے دروازوں پر گذرے گا وہ تیرے لیے ایک اعلیٰ درجہ اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کا وقت ہوگا، کیوں کہ ہمارا رجوع اللہ کی طرف صحیح ہو چکا ہے اس لیے جو ہمارے پاس آتا ہے اس کو بھی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ہوجاتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ﴾: ان لوگوں کے راستہ پر چل جو میری طرف رجوع کر چکے ہیں''

سبحان اللہ! سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں عجیب تاثیر محسوس ہوتی ہے جس مضمون کو بھی بیان فرماتے ہیں تو ایسا دل نشین انداز اختیار فرماتے ہیں کہ بات دل میں اتر جاتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس مقام پر ان کی کتاب سے مزید عبارات نقل کروں جو مناسب مقام ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت مؤثر اور مفید ہیں اس کو پڑھنے سے دل میں ان شاء اللہ نور پیدا ہوگا، بڑی نورانی اور پُرتاثیر باتیں ہیں اللہ تعالیٰ سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کو اخلاص عطا فرمائے اور اپنے اکابر اور بزرگوں کے طریق پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان........ ۵

تو شاہین ہے پرواز ہے کام تیرا	تیرے سامنے آسماں اور بھی ہیں

علماء عظام کی ذمہ داریاں

(خطاب)

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

یہ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ کا وہ خطبہ جلسہ تقسیم اسناد ہے جو حضرت نے سنہ ۱۹۴۳ء میں جامعہ دارالعلوم عمر آباد (تامل ناڈو، انڈیا) میں دیا تھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

علماء عزیز اب وقت نہیں رہا کہ آپ حجروں میں آرام کریں، خلوتوں میں وقت گذاریں اور اپنی کوشش کو صرف اپنی ہی نجات تک محدود رکھیں ضرورت ہے کہ میدان میں نکلیں اور مسلمانوں کی سپہ داری اور سپہ سالاری کا فرض انجام دیں اور اپنے صحیح علم اور عمل سے ان کی راہبری کریں، یہ راہبری صرف فقہی مسائل تک محدود نہ ہو بل کہ علم وعمل کی راہ میں آپ ان کے لیے چراغ ثابت ہوں، اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے ذاتی تزکیہ اور روحانی صفائی کو غیر ضروری سمجھیں بل کہ مقصد یہ ہے کہ اپنے کو بھی بنایئے اور دوسروں کو بھی بنانے کی کوشش کیجیے، ورنہ ظاہر ہے کہ جو خود نہیں بنا وہ اوروں کو کیا بنائے گا۔

پیراگراف

از بیان علامہ سید سلیمان ندویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

طالب علمی کا زمانہ اب شروع ہوا

عزیزو! بظاہر آپ کی طالب علمی کا زمانہ ختم ہو گیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی طالب علمی کا زمانہ اب شروع ہوا ہے۔ اس سے پہلے جو سال بھی آپ نے علم کی تحصیل میں صرف کیئے اس کا منشا اپنے اندر علم کی استعداد پیدا کرنا اور تحقیق کا سامان فراہم کرنا تھا۔ آج آپ کو جو سند دی جارہی ہے وہ اس بات کی ہے کہ آئندہ حصول کمال اور تحقیق کے موارث آپ میں جمع ہو گئے ہیں جس سے اگر آپ کام لیں تو منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہم میں اتنی پستی آ گئی کہ طالب علمی (کے زمانہ) میں جو کچھ پڑھ لیتے ہیں اس کو منتہا جانتے ہیں، ایک سچے عالم کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ وہ عمر بھر طالب علم ہی رہتا ہے، اس کی زندگی کا ہر لمحہ کسی نئی چیز کی واقفیت اور کسی نیکی کی خدمت میں بسر ہونا چاہیئے مگر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم میں سے اکثر طالب علم طالب علمی کا زمانہ ختم ہونے کے بعد علم کی ہر کتاب لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ علم کی طلب کی ہر کوشش ختم ہو گئی ہے۔

آج یہ حال ہے کہ آمدورفت کی سہولت اور چھاپنے کی آسانی نے ہمارے اسلاف کے دفینوں کو کھود کھود کر بر سر بازار لگا دیا ہے، ہر روز ہمارے بزرگوں کی کوئی نہ کوئی کتاب سامنے آتی ہے اور مشرق و مغرب کے مشتاق اس کے ہاتھوں ہاتھ خریدار بنتے ہیں لیکن جو گروہ اس تحفہ کا سب سے زیادہ مستحق ہو سکتا ہے وہی اپنے تغافل اور سست کاری سے اعراض برت رہا ہے۔

ہمارے درس کا حال

ہمارے درس کا یہ حال ہے کہ متون کی شروح اور حاشیے اور پھر ان کے متعلق شروح اور تعلیمات میں وقت کا بڑا حصہ برباد ہو رہا ہے، علوم دین جو مقصود بالذات تھے پیچھے ہو رہے ہیں فلسفہ یونانی جو ہمارے بزرگوں نے دین کی خدمت کے لیے بہ ضرورتِ زمانہ سیکھا تھا وہ ہم میں سے کتنوں کا مقصود بن گیا ہے اور اصل کتاب وسنت کی تعلیم کا ذوق کم ہو گیا ہے۔

علوم عقلیہ کی تعلیم کا مقصد تو یہ تھا کہ وہ علوم دین کی خدمت میں کام آئیں گے نہ یہ کہ وہ اصل مقصد قرار پائیں۔ زمانہ سابق میں ان علوم عقلیہ کو ہم نے اس لیے اختیار کیا تھا کہ وہ اس زمانہ کے لوگوں کے ذہنوں پر اس طرح چھا گئے تھے کہ وہ ان کے واسطے کے بغیر علوم دین کی خدمت نہیں کر سکتے تھے۔

اب جب کہ زمانہ کا ماحول بدل گیا یونانی علوم کی تحقیقات تقویم پارینہ بن گئی اور لوگوں کے ذہنوں سے اس کا تسلط جاتا رہا تو نئے علوم کو اس زمانہ میں علوم دین کی خدمت کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے۔

ہم کو خوشی ہے کہ آپ نے ایسی درس گاہ میں تعلیم پائی ہے جس کی نظر سے یہ نکتہ چھپا نہیں اور کچھ نہ کچھ آپ نے اس راہ میں قدم اُٹھایا ہے امید ہے کہ آئندہ اور بھی ضروری علوم اس میں داخل ہوں گے اور آپ خود بھی کوشش کریں کہ نئے علوم کی کتابوں کو جو آپ کی زبان میں بہت حد تک چھپ چکی ہیں مطالعہ کریں تا کہ نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے خیالات کو آپ سدھار سکیں اور دین کی سچائیوں کو ان کی عقل کے مطابق سمجھا سکیں اور ان کی تسلی کر سکیں۔

حالاتِ زمانہ سے واقفیت ضروری ہے

عزیزو! آج زمانہ کے حالات اور دنیا کے واقعات میں اس تیزی سے تبدیلی

ہورہی ہے کہ ان کے جانے اور سمجھے بغیر آپ مسلمانوں کے کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔

دنیا میں سیاسی اور اقتصادی خیالات ایسے چھائے ہوئے ہیں اور انقلاب کی گھڑیاں اس طرح پے در پے آ رہی ہیں اور گزر رہی ہیں کہ ایک عالم دین کے لیے جس کو مسلمانون کا خدمت گزار ہونا ہے اس کو سمجھنا اور حل کی تدبیر سوچنا ضروری ہے صرف اعراض وتغافل سے ان دقتوں کو آپ حل نہیں کر سکیں گے، آپ کے توجہ نہ کرنے سے نہ دنیا اپنے قاعدے بدل سکتی ہے اور نہ زمانہ اپنے رخ کو پلٹ سکتا ہے۔

مشکلات کا مقابلہ کرنا اور موجودہ جدوجہد میں مناسب حصہ لینا اور ملک وقوم کی زندگی میں مسلمانوں کے مناسب مقام حاصل کرنے کی کوشش کرنا بھی ایک عالم دین کا فرض ہے۔

اسلاف کے پچھلے سبق کو دہرانے کی ضرورت ہے

اسلام وہ مذہب ہے کہ جس دن وہ دین بنا اسی دن سیاست بھی تھا اس کا منبر اس کا تخت، اس کی مسجد اس کی عدالت، اس کی توحید نمرودوں، فرعونوں، اور کسراؤں کی شہنشاہی کے مٹانے کا پیغام تھی۔ صحابہ کرامؓ اور خلفائے راشدین کی پوری زندگیاں ان مرقعوں سے بھری ہوئی ہیں اور وہی اسلام کی سچی تصویریں ہیں۔

جب تک علماء علماء رہے، وہی ان کا اسوہ تھا۔ آج جب ہم نئے سرے سے اپنا گھر بنانا چاہتے ہیں اور پچھلی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ضرورت ہے کہ ہم اسی نقش قدم پر چلیں جو ہمارے بزرگوں نے ہمارے لیے چھوڑا ہے۔

آج کل ہمارے علماء کا کام صرف پڑھنا پڑھانا، مسئلے بتانا اور فتوے لکھنا سمجھا جاتا ہے لیکن اب وقت ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے پچھلے سبق کو پھر دہرائیں اور

دیکھیں کہ ان کا کام صرف علم ونظر تک محدود نہیں بل کہ سعی وعمل، جدو جہد اور علمی خدمت بھی ان کے منصب کا ایک بہت بڑا فرض ہے۔

آج دنیا لڑائی کا میدان ہے

یہ بات خوب یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانوں کو اپنے دین کی باتوں سے واقفیت کے لیے بڑے علم وفضل کی ضرورت نہیں۔ عقیدہ اور عبادات اور دوسری مذہبی نیکیوں کے لیے دین کا معمولی علم کافی ہے یعنی ہر مسلمان کو بجائے خود بڑا عالم ہونا ضروری نہیں۔

لیکن اس سے ایک منٹ کے لیے بھی پہلو تہی نہیں کی جاسکتی کہ ان کو اپنی دینی ودنیاوی بھلائی کے لیے ہر وقت عمل کے واسطے کمر بستہ ہونا ضروری ہے۔

آج دنیا لڑائی کا میدان ہے جو بھی سستی سے اپنی جگہ کھڑا رہے گا گرجائے گا اس لیے علمی قوت سے زیادہ آج عملی قوت کی سرگرمی کی ضرورت ہے۔ علم خیر وشر کی تمیز بتانے کے لیے ضروری ہے لیکن محض خیر وشر کی تمیز سے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔ جب تک خیر کی طلب اور شر سے پرہیز آپ ک شیوہ نہ ہو۔

علماء کی ذمہ داری

ایک زمانہ تھا جب مسلمانوں میں بہتات تھی۔ دولت کی کثرت تھی تجارت کا فروغ تھا۔ حکومت اور سلطنت ان کے ہاتھوں میں تھی اس وقت کے علماء نے اپنی حکمت ربانی سے یہ صحیح سمجھا کہ مسلمانوں کا دولت میں انہماک، کسب زر میں زیادہ مشغولیت اور حکومت وسلطنت میں استغراق ان کے لیے مضر ہے اس لیے اس وقت انہوں نے ترک دنیا وزہد وقناعت کا برمحل وعظ فرمایا۔

لیکن اب جب کہ حالات پلٹ گئے ہیں فقر وفاقہ چھایا ہے، مفلسی ان کے

لیے فتنہ کا سامان ہے، دولت ان سے جا چکی ہے، تجارت ان سے رخصت ہو چکی ہے اور سلطنت وحکومت ان سے چھن چکی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمارے واعظ اور ہمارے علماء اپنی تقریروں کا رخ پھیریں اور اپنے مواعظ کا روئے سخن بدلیں تا کہ مسلمانوں میں زندگی کی روح پیدا ہو اور ان میں زمانہ کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا ہو اور اپنی محنت وسعی اور جانفشانی سے اپنے لیے دنیا میں وہ پوزیشن حاصل کریں جو دنیا کے آخری مذہب کے پیروؤں کا حق ہے۔

آج امت کو رہبری کی بڑی ضرورت ہے

علماء عزیز! اب وقت نہیں رہا کہ آپ حجروں میں آرام کریں، خلوتوں میں وقت گزاریں اور اپنی کوشش کو صرف اپنی ہی نجات تک محدود رکھیں ضرورت ہے کہ میدان میں نکلیں اور مسلمانوں کی سپہ داری اور سپہ سالاری کا فرض انجام دیں، اور اپنے صحیح علم اور عمل سے ان کی راہبری کریں۔ یہ راہبری صرف فقہی مسائل تک محدود نہ رہے بل کہ علم وعمل کی راہ میں آپ ان کے لیے چراغ ثابت ہوں۔

اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے ذاتی تزکیہ اور روحانی صفائی کو غیر ضروری سمجھیں بل کہ مقصد یہ ہے کہ اپنے آپ کو بھی بنایئے اور دوسروں کو بھی بنانے کی کوشش کیجیے ورنہ ظاہر ہے کہ جو خود نہیں بنا وہ اوروں کو کیا بنائے گا اور جو خود اپنے آپ کو نہیں دیکھ رہا ہے وہ دوسروں کو کیا راہ دکھائے گا۔

علماء اپنے اندر صفات پیدا کریں

اس سلسلے میں یہ بھی کہنا ہے کہ ہمارے علماء کو اخلاق میں مقدور بھر اپنے نبی کریم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کا نمونہ بننا چاہیے، ان میں ایثار ہو، مالی قناعت ہو، ان میں امیروں اور دولت مندوں کی خوشامد اور چاپلوسی سے احتراز

ہو، ان کو بلند نظر، بلند ہمت، حق گو اور حق کے اظہار میں بے باک ہونا چاہیے۔

آج ہمیں ایسے علماء کی بھی ضرورت ہے جو دوسری قوموں کی زبانوں کو پڑھیں اور ان تک حق کا پیغام پہنچائیں ہمارے علماء اگر یورپ کی زبانیں جانتے تو آج یورپ میں اور دوسرے مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت کا کتنا فرض انجام دیتے۔

جاپان میں علماء کا تقاضا

اسی ہفتہ ہمارے پاس جاپان سے ایک ہمدرد مسلمان کا خط آیا ہے جس میں اس نے جاپان بلوانے کے لیے چند ایسے مسلمان علماء کے نام دریافت کیے ہیں۔ جو وہاں جا کر اسلام کا وعظ کریں اور اسلام پر کتابیں لکھ کر جاپانیوں کے سامنے پیش کریں۔

لیکن افسوس آتا ہے جب اپنی جماعت کی اس بے بسی اور بے کسی پر نظر پڑتی ہے ہم اپنے اہل مذہب کے لیے کچھ جاننے کے باوجود دوسرے اہل مذاہب کے لیے کچھ نہیں جانتے بل کہ جزیروں اور دور افتادہ اسلامی آبادیوں کے لیے جو اسلامی مراکز سے دور ہیں ہمارے علماء نے نہ اب تک کچھ کیا ہے اور نہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ جاوا سماٹرا، بورنیو اور مڈغاسکر سے فلپائن تک اور جنوب مشرقی اور مغربی افریقہ کے مختلف ٹکڑوں میں، نائجیریا کے صحراؤں میں عیسائی مشنری اور دوسرے باطل فرقوں کے مبلغ منڈلا رہے ہیں لیکن افسوس کہ دین حق کا کوئی منادی اس دنیا تک پہنچنے کے لیے بے تاب اور سرگرم عمل نہیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........٦

اسی روز وشب میں الجھ کر نہ رہ جا	کہ تیرے زمان ومکان اور بھی ہیں

علماء دین کی ذمہ داریاں

(افادات)

فخر گجرات حضرت مولانا سید مفتی عبد الرحیم لاجپوری ؒ

حضرت مفتی صاحب کا استفتاء کے جواب کا تفصیلی مضمون ہے، جس میں علماء کرام کی ذمہ داریاں سمجھائی گئی ہیں فتاوی رحیمیہ سے یہ مضمون اخذ کیا گیا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

آج کل تبلیغی جماعت کا کام بھی ماشاء اللہ بہت پھیل گیا ہے اور عالمی سطح پر یہ کام ہو رہا ہے اور اس سے عوام میں دینی بیداری، دین کا شوق، دین کے لیے قربانی کا جذبہ، اور آخرت کی فکر پیدا ہو رہی ہے، بے شمار لوگوں کی زندگیاں بدلی ہیں عوام تک دین پہنچانے کے لیے یہ بہت وسیع میدان ہے، علماء کو اس کام بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے، یہ کام در اصل علماء ہی کا ہے، اس لیے علماء کو اس میں حصہ لینا چاہئے، علماء کے حصہ لینے سے اس کام میں اور مضبوطی پیدا ہوگی اور کام صحیح نہج اور اصولوں کے مطابق چلے گا ان شاء اللہ، اتنی بڑی جماعت کو علماء ہی سنبھال سکتے ہیں ورنہ اگر اس میں کچھ خرابیاں پیدا ہوں گی تو..... علماء اس کے ذمہ دار ہوں گے۔

پیراگراف از بیان فخر گجرات حضرت

مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

مدارس کی اہمیت

مدارس اسلامیہ اسلام کے قلعے ہیں اور اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ عقائد صحیح اور درست ہو سکتے ہیں اور علم ہی کی روشنی میں انسان صحیح اسلامی زندگی گذار سکتا ہے، اس کی تمام عبادات، معاملات، لین دین وغیرہ وغیرہ علم ہی کی روشنی میں صحیح اور سنت کے مطابق ادا ہو سکتے ہیں، تعلیم و تعلم کے فضائل اور اس کی اہمیت اظہر من الشمس ہے۔

لہذا مدارس اسلامیہ مکاتب قرآنیہ میں جو طلباء حصول علم کی غرض سے حاضر ہوتے ہیں اور جو معلمین ان کی تعلیم و تربیت میں شب و روز مصروف ہیں اور مہتمم وغیرہ حضرات یہ سب کے سب سعادت مند اور صد بار قابل مبارکباد ہیں کائنات کی ہر مخلوق ان کے لیے دعا کرتی ہے۔

طلبہ اضیاف الرسول ہیں

ملائکہ طلبہ علوم کے لیے اپنے پر بچھاتے ہیں اور بلاشبہ طلبہ اضیاف الرسول کہلانے کے مستحق ہیں اور معلمین بھی نہایت قابل احترام ہیں جو علم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، الغرض مدارس اسلامیہ کی اہمیت بہت زیادہ ہے اس کی اہمیت سے کسی حال میں انکار نہیں کیا جا سکتا۔

امت کا سوادِ اعظم دین سے دور ہے

لیکن یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مدارس اور دار العلوم میں

امت کا بہت ہی مختصر سا طبقہ پہنچتا ہے اکثریت مدارس کے باہر ہی ہے، لہذا امت کا وہ بہت بڑا طبقہ جو مدارس اور دارالعلوم سے کوسوں دور ہے ان کو دین پہنچانے اور احکام ومسائل سے آگاہ کرنے اور ان کی اصلاح کی فکر اور اس کا انتظام بھی ضروری ہے۔

ان تمام کاموں کی ذمہ داری کس پر ہے؟ اسی طرح حضور اقدس ﷺ کی امتِ دعوت کو توحید اور دین کی دعوت دینا کس کے ذمہ ہے؟

عوام کو دین پہنچانے کی ذمہ داری علماء پر ہے

بلا تکلف اور سیدھا جواب یہی ہے کہ یہ ذمہ داری بھی علماء امت پر ہے اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ لہذا جس طرح علماء کرام مدارس اسلامیہ اور دارالعلوم کے طلباء کی علمی دینی اصلاح کرتے ہیں اور علم کے زیور سے ان کو آراستہ پیراستہ کرتے ہیں۔ اسی طرح علماء امت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ عوام تک دین پہنچانے کا جو راستہ اور طریقہ ہو وہ راستہ اور طریقہ اختیار کر کے عوام کو دین سے اور مسائل سے آگاہ کرتے رہیں اور ان کے دل و دماغ میں دین اور شریعت کی محبت پیدا کرنے کی کوشش کریں، چاہے وہ وعظ وارشاد کے ذریعہ ہو یا دعوت وتبلیغ کے ذریعہ، اس اہم اور ضروری کام میں بھی علماء امت کو اپنا وقت لگانا چاہیے۔

مدارس میں بھی دعوت کا نظام ہونا چاہیے

مدارس اسلامیہ کے مہتمم حضرات پر بھی لازم ہے کہ وہ دل کھول کر علماء کرام کو اس کام میں حصہ لینے کا موقع فراہم کریں اور پوری بشاشت کے ساتھ ان کو باہر جانے کی اجازت دیں تاکہ علماء کرام کو ان کاموں کے لیے سفر کرنے اور ان میں عملی حصہ لینے میں کسی قسم کی جھجک اور رکاوٹ محسوس نہ ہو اور ان ایام کی تنخواہ بھی جاری رکھیں، یہ بھی دین کا بہت اہم کام ہے، اور علماء امت پر ذمہ داری بھی ہے، علماء اس

ذمہ داری کو انجام دیں گے تو دین کا یہ شعبہ صحیح طریقہ پر جاری رہے گا۔

حضرت تھانویؒ کا ارشاد

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:

علماء نے آج کل یہ کام بالکل چھوڑ دیا جو انبیاء علیہم السلام کا کام تھا اس لیے آج کل واعظ جہلا زیادہ نظر آتے ہیں، علماء واعظ بہت کم ہیں تو آپ نے اصل مقصود کے علاوہ جس چیز کو مقصود بنایا تھا اس کی بھی تکمیل نہیں کی، اس کا بھی ایک شعبہ لے لیا یعنی تعلیم و درسیات اور دوسرا شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا۔

صاحبو! اگر علماء عوام کی تعلیم نہیں کریں گے تو کیا جہلاء تعلیم کریں گے؟ اگر جہلاء یہ کام کریں گے تو وہی ہوگا جو حدیث میں ہے: **اِتَّخَذُوْا رُؤُسَاءَ جُهَّالاً فَضَلُّوْا وَاَضَلُّوْا:** کہ یہ جہلاء مقتدا و پیشوا شمار ہوں گے لوگ انہیں سے فتویٰ پوچھیں گے اور یہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اس لیے علماء کو تعلیم درسیات کی طرح وعظ و تبلیغ کا کام بھی کرنا چاہیے اور اس کا انتظار نہ کرو کہ ہمارے وعظ کا اثر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی سنتا بھی ہے یا نہیں؟ اور سننے والا مجمع ہے یا ایک؟ **(وعظ العلم والخشیۃ)**

امام غزالی کا ارشاد

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جان لو کہ اس دور میں گھر کے ہر چھوٹے بڑے تعلیم و تبلیغ، رشد و ہدایت اور عمل صالح کے بارے میں لوگوں کو آمادہ کرنے میں قاصر ہیں، جس بنا پر گنہ گار ہیں کہ شہر میں اکثر لوگ نماز کے شرائط واحکام سے ناواقف ہیں تو پھر گاؤں کے باشندوں کی نماز اور دین کی کیا حالت ہوگی؟

لہٰذا شہر کی ہر ایک مسجد اور محلّہ میں ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے، ایسے ہی ہر ایک گاؤں میں بھی ایک عالم دین کا ہونا ضروری ہے، جو عالم اپنے فرض عین سے فارغ ہو اور فرض کفایہ کی فرصت ہو تو اس پر لازم ہے کہ قرب و جوار کی بستی میں جا کر

لوگوں کو دین سکھائے اور شرعی احکام سے واقف کرے، اپنا کھانا ساتھ لے جائے، کسی کا کھانا نہ کھائے کہ وہ مشتبہ ہوتا ہے، قرب وجوار میں کوئی چلا جاوے تو دوسرے سبکدوش ہو جائیں گے، ورنہ عالم وغیرہ عالم سب پر وبال آئے گا، عالم پر تو اس لیے کہ باہر جا کر جاہلوں کو دین نہ سکھایا اور غیر عالم پر اس لیے کہ دین سیکھنے میں سستی کی۔

حضرت مدنیؒ کا ارشاد

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

مجھ کو یہ معلوم ہوا ہے کہ بعض ممبران شوریٰ کو ان مدرسین کی تنخواہوں کے جاری رکھنے کے متعلق اعتراضات اور شبہات ہیں، مسلمانوں کے ادارۂ تعلیمیہ صرف تعلیمی خدمات انجام دینے کے لیے نہیں بنائے گئے بل کہ مسلمانوں کی مذہبی اور دینی اور دوسری ضروری خدمات بھی ان کے فرائض میں سے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جنگ روم وروس کے زمانہ میں حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز نے دورے کیے اور ایک عظیم الشان مقدار چندہ کی جمع کر کے ترکی کو بھیجی، اس زمانہ میں دارالعلوم دیوبند میں تعطل رہا (تعلیم بند رہی) اور تنخواہیں دی گئیں۔

مذہبی اور دینی خدمات بھی مدارس کے مقاصد میں داخل ہیں

شدھی اور سنگھٹن وغیرہ کی نحوستوں کے زمانہ میں ملکانہ راجپوتوں وغیرہ کے علاقے میں مدرسین اور علماء کے وفود بھیجے گئے اور ان کی تنخواہیں جاری رکھی گئیں، ایسے اوقات میں کام کرنے والے اور حصہ لینے والے یہی مدرسین اور علماء ہوئے اور ہو سکتے ہیں، اگر ان کے اہل وعیال کی خبر گیری بند ہو جائے تو یقیناً اسلام اور مسلمانوں کے لیے بہت نقصان اور مصائب کا سامنا ہو جائے گا، مذہبی جلسوں اور مناظرات مذہبیہ کے اجلاس وغیرہ میں علماء اور مدرسین کا شریک ہونا، تدریسی خدمات کو معطل کرنا نہ صرف آج بل کہ اسلافِ کرام کے عہد ماضیہ سے چلا آتا ہے پس جو لوگ بھی اس میں حصہ لے رہے ہیں وہ کسی ادارۂ اسلامیہ کے علاوہ کسی

دوسرے مقصد میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ص ۳۵۲، ۳۵۱ ج ۱)

مدارس میں تنگ نظری نہ ہونی چاہیے

ان بزرگوں کی تحریر سے بات بہت واضح ہوگئی اس لیے اگر کوئی اہم دینی اجلاس ہو جس کا تعلق اسلامی تعلیم اور عوام کی اصلاح سے ہو یا تحفظ شریعت سے ہو ایسی ضرورت کے موقع پر مدارس اسلامیہ کے مہتمم اور ذمہ داران کو اس پر عمل کرنا چاہئے، ذمہ دار اور قابل علماء کو اس میں شرکت کی اجازت دینا چاہیے۔

اگر تعلیم کے حرج کا اندیشہ ہو تو مدرسین کی تعداد بڑھادی جائے یا ایک دو مدرس زائد رکھے جائیں تاکہ جب کسی مدرس کو اس اہم اور ضروری کام کے لیے جانا پڑے تو ان کی غیر موجودگی میں یہ زائد مدرس ان کا تعلیمی سلسلہ جاری رکھ سکیں۔

مدارس میں عملہ کی دعوت کی ترتیب بھی بنانا چاہیے

آج کل تبلیغی جماعت کا کام بھی ماشاء اللہ بہت پھیل گیا ہے اور عالمی سطح پر یہ کام ہورہا ہے اور اس سے عوام میں دینی بیداری، دین کا شوق دین کے لیے قربانی کا جذبہ اور آخرت کی فکر پیدا ہورہی ہے، بے شمار لوگوں کی زندگیاں بدلی ہیں، عوام تک دین پہنچانے کے لیے یہ بہت وسیع میدان ہے۔

علماء کو اس کام میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی ضرورت ہے یہ کام دراصل علماء ہی کا ہے، اس لیے علماء کو اس میں حصہ لینا چاہیے، علماء کے حصہ لینے سے اس کام میں اور مضبوطی پیدا ہوگی اور کام صحیح نہج اور اصولوں کے مطابق چلے گا ان شاء اللہ، اتنی بڑی جماعت کو علماء ہی سنبھال سکتے ہیں، ورنہ اگر اس میں کچھ خرابیاں پیدا ہوں گی تو علماء اس کے ذمہ دار ہوں گے، لہٰذا مہتمم اور مدرسہ کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ مدرسین کو اس میں بھی عملی طور پر حصہ لینے کا موقع فراہم کریں۔

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا ایک ملفوظ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں کی عام حالت یہ رہی ہے کہ جوں جوں زمانۂ نبوت سے ان کو بعد ہوتا تھا دینی امور (عبادات وغیرہ) اپنی روح اور حقیقت سے خالی ہوکران کے ہاں محض رسوم کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے اور ان کی ادائیگی بس ایک پڑی ہوئی رسم کے طور پر ہوتی تھی، اس گمراہی اور بے راہ روی کی اصلاح کے لیے پھر دوسرے پیغمبر مبعوث ہوتے تھے جو اس رسمی حیثیت کو مٹا کر امتوں کو ''امور دین'' کی اصل حقیقتوں اور حقیقی روح شریعت سے آشنا کرتے تھے۔

سب سے آخر میں جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو اس وقت کی جن قوموں کا تعلق کسی سماوی دین سے تھا ان کی حالت بھی یہی تھی کہ ان کے پیغمبروں کی لائی ہوئی شریعت کا جو حصہ ان کے پاس باقی تھا تو اس کی حیثیت بھی چند بے روح رسوم کے مجموعہ کی تھی، ان ہی رسوم کو وہ اصل دین وشریعت سمجھتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان ''رسوم'' کو مٹایا اور اصل دینی حقائق اور احکام کی تعلیم دی۔

علماء امت کا اس وقت ایک خاص فریضہ

امت محمدی بھی اب اس بیماری میں مبتلا ہو چکی ہے، اس کی عبادات تک میں یہ رسمیت آچکی ہے حتی کہ دین کی تعلیم بھی جو اس قسم کی ساری خرابیوں کی اصلاح کا ذریعہ ہونی چاہیے تھی وہ بھی بہت سی جگہ ایک رسم سی ہی بن گئی ہے۔ لیکن چوں کہ سلسلۂ نبوت اب ختم ہو چکا ہے اور اس قسم کے کاموں کی ذمہ داری امت کے علماء پر رکھ دی گئی ہے جو نائبین نبی ہیں تو ان ہی کا یہ فرض ہے کہ وہ اس ضلال اور فسادِ حال کے اصلاح کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوں اور اس کا ذریعہ ہے تصحیح نیت، کیوں کہ

اعمال میں رسمیت، جب ہی آتی ہے جب کہ ان میں للّٰہیت اور شانِ عبدیت نہیں رہتی اور نیت کی تصحیح سے اعمال کا رخ صحیح ہو کر اللہ ہی طرف پھر جاتا ہے اور رسمیت کے بجائے ان میں حقیقت پیدا ہو جاتی ہے، ہر کام عبدیت اور خدا پرستی کے جذبہ سے ہوتا ہے۔

الغرض لوگوں کو تصحیح نیت کی طرف متوجہ کر کے ان کے اعمال میں للّٰہیت اور حقیقت پیدا کرنے کی کوشش کرنا علماء امت اور حاملان دین کا اس وقت ایک خاص فریضہ ہے۔ (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ ص: ۱۳۰، ۱۴، ملفوظ نمبر ۱)

علم وذکر دعوت کے دو بازو ہیں

نیز حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرماتے ہیں:

ایک دن بعد نماز فجر جب کہ اس تحریک میں عملی حصہ لینے والوں کا نظام الدین کی مسجد میں بڑا مجمع تھا اور حضرت مولانا کی طبیعت اس قدر کمزور تھی کہ بستر پر لیٹے لیٹے بھی دو چار لفظ بآواز نہیں فرما سکتے تھے تو اہتمام سے ایک خاص خادم کو طلب فرمایا اور اس کے واسطے سے اس پوری جماعت کو کہلوایا کہ.... آپ لوگوں کی یہ ساری چلت پھرت اور ساری جدوجہد بے کار ہو گی اگر اس کے ساتھ علم دین اور ذکر اللہ کا پورا اہتمام آپ نے نہیں کیا (گویا یہ علم وذکر دو بازو ہیں جن کے بغیر اس فضا میں پرواز نہیں کی جا سکتی) بل کہ سخت خطرہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اگر ان دو چیزوں کی طرف سے تغافل برتا گیا تو یہ جدوجہد مبادا فتنہ اور ضلالت کا ایک نیا دروازہ نہ بن جائے۔

علم بدون ذکر کے ظلمت اور ذکر بدون علم کے خطرہ ہے

دین کا اگر علم ہی نہ ہو تو اسلام وایمان محض رسمی اور اسمی ہیں اور اللہ کے ذکر کے بغیر اگر علم

ہو بھی تو وہ سراسر ظلمت ہے اور علی ہذا اگر علم دین کے بغیر ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو تو اس میں بھی بڑا خطرہ ہے، الغرض علم میں نور ذکر سے آتا ہے، اور بغیر علم دین کے ذکر کے حقیقی برکات وثمرات حاصل نہیں ہوتے بل کہ بسا اوقات ایسے جاہل صوفیوں کو شیطان اپنا آلۂ کار بنالیتا ہے، لہذا علم اور ذکر کی اہمیت کو اس سلسلہ میں کبھی فراموش نہ کیا جائے اور اس کا ہمیشہ خاص اہتمام رکھا جائے، ورنہ آپ کی یہ تبلیغی تحریک بھی بس ایک آوارہ گردی ہو کر رہ جائے گی اور خدانہ کرے آپ لوگ سخت خسارہ میں رہیں گے۔

نقل وحرکت کو اصل کام نہ سمجھیں

حضرت مولانا کا مطلب اس ہدایت سے یہ تھا کہ اس راہ میں کام کرنے والے تبلیغ ودعوت کے سلسلہ کی محنت ومشقت، سفر وہجرت اور ایثار وقربانی ہی کو اصل کام نہ سمجھیں جیسا کہ آج کل کی عام ہوا ہے، بل کہ دین کے تعلیم وتعلم اور ذکر اللہ کی عادت ڈالنے اور اس سے تعلق پیدا کرنے کو اپنا اہم فریضہ سمجھیں بہ الفاظ دیگر ان کو صرف))سپاہی'' اور ''والن ٹیر'' بننا نہیں ہے بل کہ طالب علم دین اور اللہ کا یاد کرنے والا بندہ بھی بننا ہے (ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ)

اللہ تعالی دین اسلام کی اور امت کی ہر طرح حفاظت فرمائیں اور ہم سب کو دین کے ہر شعبہ کو اخلاص اور للّٰہیت کے ساتھ زندہ رکھنے کی توفیق سعید عطا فرمائیں اور دین کی فکر اور امت کا درد نصیب فرمائیں، آمین۔ بِحُرْمَةِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا. وَ

آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........ے

جا بسا اُڑ کر اچانک ہائے وہ طائر کہاں	گلستاں میں تھا جواب تک نغمہ سنج و نغمہ بار

علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں

(افادات)

حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

یہ تقریر جامع مسجد فیصل آباد میں ۲۲/ جولائی سنہ ۱۹۷۸ء کو علماء جدید تعلیمی اداروں کے اساتذہ، معززین شہر اور مختلف دینی، سیاسی، سماجی، علمی، ادبی، اور صحافتی حلقوں کے ذمہ دار حضرات سے ایک مخصوص و منتخب جلسہ میں کی گئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

اس وقت عالم اسلام بیمار ہے، آپ کا ملک بیمار ہے، آپ اس وقت بھول جایئے کہ کس کے حساب میں لکھا جائے گا اور تاریخ میں لکھنے والے کیا لکھیں گے کہ اس ملک کو سب سے بڑا حصہ ان کا تھا۔

تاتاریوں کے بارے میں آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ ان کو مسلمان کرنے میں سب سے بڑا حصہ کس کا تھا؟ اس لیے کہ ان مخلصین نے جنہوں نے یہ خدمت انجام دی تھی اپنے کو اتنا چھپایا کہ تاریخ کی باریک بین نگاہ بھی ان کو نہیں دیکھ سکی۔

پیراگراف

از بیان حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

حضرات علماء کرام اور اساتذۂ مدارس وجامعات!

قبل اس کے کہ آپ حضرات سے کوئی تفصیلی اور معین بات کہوں ایک اصولی اور اجمالی بات کرنا چاہتا ہوں۔

علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں

اس وقت علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے، جب کسی دعوت یا کوشش کے ساتھ اعلیٰ طبقہ کو وہ لوگ جو ذہن اور صاحب فکر سمجھے جاتے ہیں، اور جو دین کا گہرا علم رکھتے ہیں، ہوتے ہیں تو اس میں سنجیدگی، گہرائی اور پختگی ہوتی ہے، اور اس کے بارے میں یہ امید ہوتی ہے کہ وہ کسی غلط راستے پر نہیں پڑے گی، اس تحریک میں جذبات نہیں ہوگی، اس میں عامیانہ اور مبتذل انداز نہیں ہوگا۔

اس وقت عالم اسلام میں علماء کی اور دینی جماعتوں اور قائدین کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے، یہ ذمہ داری ہر زمانے میں زیادہ رہی ہے.... لیکن اس زمانے میں وہ خاص طور پر بہت عظیم بن گئی ہے کہ وہ صحیح رہنمائی کریں گے، اور تحریک دعوت اور جدوجہد کو سطحیت سے بچائیں گے، اس کے متعلق یہ تصور اور یہ تاثر قائم ہونے نہ دیں گے کہ دریا کا حباب ہے، بل کہ اس کے متعلق یہ تاثر دیں گے کہ اس کی جڑیں گہری اور علم ودین کی زمین میں پیوست ہیں۔

مسلم حکومتوں میں علماء کا کارنامہ

خلافت بنی اُمیہ وخلافت بنی عباس کی پشت پر اگر علماء مجتہدین نہ ہوتے تو اسلام بہ حیثیت نظام حیات کے ایک مرتب ومدون قانون کی شکل میں موجود نہ ہوتا۔

تاریخ میں ان لوگوں کی خدمات کو سراہا جاتا ہے جو ملک فتح کرتے ہیں،

ہمارے بڑے بڑے قائدین طارق بن زیاد، محمد بن قاسم، عقبہ بن نافع، موسیٰ بن نصیر وغیرہ حضرات کی خدمات روزِ روشن کی طرح تابناک ہیں۔

لیکن جو لوگ مفتوحہ ممالک میں اللہ کے قانون کو رائج کرتے تھے، اور وہاں کی مشکلات و مسائل کو حل کرتے تھے، ان میں رہنمائی کرتے تھے، ان کی خدمات کو بہت کم لوگ جانتے ہیں، حالاں کہ اگر ائمہ مجتہدین، محدثین عظام، اس زمانہ میں نہ محنت کرتے اور ان کا دماغ اس تلوار کے پیچھے نہ ہوتا جو ملک کو فتح کرتی تھی، اور اس حکومت کے پیچھے نہ ہوتا جو ملک میں نظم و نسق قائم کرتی تھی تو یہ سب کوششیں، فتوحات اور سلطنتیں بالکل کھوکھلی تھیں۔

مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح

مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ تاتاریوں نے عالم اسلام کو زیر وزبر کر ڈالا، عالم اسلام کی چولیں ہلا دیں، اُس وقت مسلمانوں سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا، آپ اس زمانہ کی تصاویر دیکھیں جو آثارِ قدیمہ میں ملتی ہیں تو ان سے اندازہ ہوگا کہ کسی مسلمان کی ڈاڑھی کسی گھوڑے کی دم بندھی ہے، اور ایک تاتاری اسے کھینچے لیے جارہا ہے، دنیا کی ہر قوم ان کی نگاہ میں عزت رکھتی ہے، لیکن مسلمانوں سے زیادہ کوئی ذلیل نہ تھا، اور خاص طور پر اس خطۂ زمین کے مسلمان جو مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کا مرکز رہ چکا تھا، یعنی ایران اور ماوراء النہر کا علاقہ جو آخر میں فقہ کا (خاص طور سے فقہ حنفی) کا مرکز رہا ہے۔

لیکن آپ حضرات اس سے واقف ہیں کہ وہ تاتاری جو مسلمانوں کے فاتح تھے، اسلام کے مفتوح بن گئے اور جن کو مسلمانوں کی تلوار شکست نہ دے سکی، ان کو مسلمانوں کی تہذیب نے مسلمانوں کی ثقافت نے مسلمانوں کے علم نے مسخر کرلیا، اور ان کو اپنا بے دام غلام بنالیا۔

بات یہ تھی کہ تاتاریوں کے پاس کوئی علمی ذخیرہ کوئی شائستہ تہذیب اور کوئی مرتب وسیع قانون نہ تھا، ان کا ایک سیدھا سادا روایتی قانون تھا، نیم وحشی اقوام میں جیسے ''عرف'' ہوتے ہیں، وہ ویسے تھے، ان کے پاس کوئی آئین، کوئی تہذیب، کوئی لٹریچر نہیں تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو مسلمان علماء اور دانشوروں کی ضرورت پڑی۔

اسلامی تہذیب نے تاتاریوں کو گرویدہ بنالیا

مسلمان علماء اور دانشور جب ان کے دربار میں پہنچے تو ان کی علمیت کا، ان کی ذہانت کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا، اسلامی تہذیب نے ان کو اپنا گرویدہ بنالیا، نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاری من حیث القوم مسلمان ہو گئے، مسلمان چوں کہ صاحب دماغ تھے، ان کے پاس ذہانت کے سرچشمے تھے، ترقی یافتہ تہذیب تھی، ایک وسیع ثقافت اور علمی ذخیرہ تھا، وہ آئین سازی کا تجربہ رکھتے تھے، تمدنی مشکلات ومسائل کو حل کر سکتے تھے، تاتاریوں کو ان کی ضرورت پیش آئی۔

فلسفۂ تاریخ کا یہ ایک اہم اصول ہے کہ جنگی طاقت اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی، جب تک اس کے پیچھے دماغ نہ ہو آئین سازی کی طاقت نہ ہو اور کوئی منظم ادارہ نہ ہو۔

یہ دین جہالت سے نہیں بل کہ معرفت سے پیدا ہوا ہے

عصر جدید میں عالم اسلام کے جامعات کے اساتذہ اور پروفیسر صاحباں، اور ہمارے قانون داں اور ہمارے ادیب ودانشور طبقہ کی ایک ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ یہ دین جہالت کے بطن سے اور فوجی طاقت سے نہیں پیدا ہوا ہے، معرفت سے پیدا ہوا ہے، اللہ کی رہنمائی سے پیدا ہوا ہے، وحی سے پیدا ہوا ہے، یہ زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے، یہ تمدن کی رہنمائی کرسکتا، اس کی نگرانی کرسکتا ہے کہ یہ تمدن بے راہ نہ ہونے پائے، فاسد نہ ہونے پائے، تخریبی راستہ اختیار نہ

کرنے پائے۔

یہ تاثیر علماء دین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ ہی دے سکتا ہے، اور یہ بڑی ذمہ داری ہے، اگر کسی دین یا کسی قوم کے متعلق یہ خیال قائم ہو جائے کہ اس کا علم کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے، بل کہ علم سے اس کو نقصان پہنچتا ہے اور جہالت سے اس کو فائدہ تو خواہ تھوڑے عرصے کے لیے اپنے زور شمشیر سے اپنے بازو سے وہ دعوت یا جماعت یا قوم دنیا کے کسی حصے پر قبضہ کر لے، لیکن دماغوں پر اس کا قبضہ نہیں ہو سکتا، سب یہی خیال کریں گے کہ اس کو زندہ رہنے کے لیے جہالت کی تاریکی چاہیے، جب تک وہ تاریکی رہے گی، وہ زندہ رہے گا، اور جب علم آئے گا وہ غائب ہو جائے گا، اس کا پردہ چاک ہو جائے گا، اور جس طرح بدلی آفتاب کی روشنی میں چھپٹ جاتی ہے، اسی طرح وہ چھپٹ جائے گا، عیسائیت کا معاملہ یہ ہوا۔

عیسائیت نے علم کا ساتھ نہیں دیا، عیسائیت اک خالص روحانی تحریک اور ایک معاشرتی انقلاب کے طور پر تو آئی حضرت مسیح علیہ السلام کا جب تک زمانہ رہا ان کی مقبولیت، ان کا تقدس، ان کی روحانی طاقت رہنمائی کرتی رہی، لیکن اس کے بعد پھر اس کو ایک زمانہ تک ذہین ار صاحب نظر لوگوں کا تعاون حاصل نہ ہوا، پھر جب مسیحیت یورپ پہنچی تو سمجھا گیا کہ یہ زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی، اس لیے زندگی سے اس کو علیحدہ کر لینا چاہیے۔

عیسائیت مستقل شریعت نہیں رکھتی تھی

یورپ اس وقت ترقی کر رہا تھا، یورپ کے اندر ترقی کی طاقتیں اور ولولے جوش مار رہے تھے، یورپ میں تنازع للبقاء کے لیے سخت کشمکش تھی، ان کی پلک ذرا جھپک جاتی تو یہ قوم کی قوم بالکل مغلوب ہو جاتی، عیسائیت جو ابھی بالکل اپنے دورِ طفولیت میں تھی، جس کی ابھی نہ تدوین تھی نہ تشریح، نہ اس کے پاس آئین تھا، آئین میں وہ سارا انحصار موسوی تھی، جس میں جزوی تبدیلی کی گئی تھی۔ وَلِاُحِلَّ لَكُم

بَعۡضَ الَّذِیۡ حُرِّمَ عَلَیۡکُمۡ وَجِئۡتُکُمۡ بِاٰیَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ "(سورۂ آل عمران:۵۰)
کہا گیا ہے، یہ نہیں کہا طور پر داخل ہوگئی تھیں، مسیحیت ان کی اصلاح کرتی تھی، اس کے پاس مستقل کوئی آئین نہیں تھا، اور اس کا زیادہ تر زور رحم پر، محبت پر، انسان دوستی پر، مظلوموں کی شفقت پر، اجارہ داری اور اس کے غرور کو ختم کرنے پر تھا۔

جب یورپ جیسے بے چین ملک اور وہاں کی بے چین قوموں میں جو زندگی کے لیے دوڑ رہی تھیں، مچل رہی تھیں، عیسائیت پہنچی تو یہ حقیقت بہت جلد منکشف ہوگئی کہ عیسائیت بدلتے ہوئے زمانہ، دوڑتے ہوئے معاشرے اور اُبلتے ہوئے علم کا ساتھ نہیں دے سکتی، اسی وقت مسیحی علماء کی بہت بڑی ذمہ داری تھی کہ وہ مسیحیت کی افادیت کو ثابت کرتے اور رہنمائی اصول دیتے، زمانہ کے جائز تقاضوں اور فطرت انسانی کے جائز خواہشات کو قبول کرتے اور کہتے کہ یہ ٹھیک ہے، لیکن اس کے ساتھ مذہب کی ہدایت اور نگہبانی چاہیے، یہ انہوں نے نہیں کیا۔

عیسائیت دو گروہوں میں بٹ گئی

وہ دو گروہوں میں بٹ گئے، حاکمانہ گروہ نے مسیحیت کو بس عقیدہ کے طور پر تسلیم کیا، اور باقی زندگی کو، آئین کو، آئین سازی کو کھلی چھوٹ دی۔

دوسرا طبقہ علماء کا تھا، انہوں نے مخالفت شروع کردی اور کہا ترقی ضروری نہیں ہے، بل کہ ترقی زندگی سے فرار میں ہے، کلیساؤں میں جانے میں، جنگلوں میں چھپ جانے میں، شادی نہ کرنے میں، ازدواجی زندگی سے منہ موڑلینے میں، عورت کے سایہ سے بھاگنے میں ہے، اور اسی میں روحانیت کا بچاؤ ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طبقوں نے عیسائیت کو فائدہ پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچایا، جو حاکم طبقہ تھا، اس نے آزادی کے ساتھ اپنے تمدن کا ڈھانچہ بنانا شروع کیا، لوگوں کو غلام بنانا شروع کیا، جو مسیحیت کی تعلیم کے خلاف تھا، اس نے مسیحیت کو بدنام کیا۔

سینٹ پال کے زمانہ سے یہ سلسہ شروع ہوا اور یہ تقریباً چوتھی صدی عیسوی سے آج تک جاری ہے، یورپ اسی راستے پر گامزن ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے کلیسا سے رشتہ توڑ لیا، کلیسا اور ریاست میں ہمیشہ کے لیے جدائی ہوگئی، اور عیسائیت سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ ہوگئی۔

اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے

یہ غلطی عالم اسلام میں الحمدللہ نہیں ہونے پائی، اس لیے کہ شروع سے اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔

میں نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس کی پہلی وحی ''اِقرأ'' کے لفظ سے شروع ہوئی ہو، اور جس کی پہلی وحی میں قلم کو فراموش نہ کیا گیا ہو وہ علم اور قلم کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ اسلام میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دین وعلم میں کبھی بھی دوری ہوگی، اس لیے کہ اسلام اور علم کا شروع سے ساتھ رہا ہے۔

جب بدر کے قریشی قیدی مدینہ پہنچے تو ان میں کئی ایسے تھے کہ وہ فدیہ ادا کر کے رہائی نہیں حاصل کر سکتے تھے، ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ ہر شخص انصاریوں اور مہاجرین کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے۔

اسلام زمانہ کا رفیق ہی نہیں بلکہ راہ نما ہے

اس وقت عالم اسلام میں اہل علم کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ یہ تاثر نوجوان طبقہ میں نہ آنے پائے کہ اسلام محض طاقت اور حکومت کے بل پر قائم رہ سکتا ہے، وہ زمانہ کی تبدیلیوں اور علم وفن کی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا، وہ اس زمانہ میں چلنے والی چیز نہیں، وہ ابتدائی سادہ اور محدود زمانہ کا ساتھ دے سکتا تھا، جب انسانیت عہد طفولیت میں تھی، لیکن اس پُر پیچ ترقی یافتہ اور وسیع تمدن کے دور میں اسلام زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

سب سے بڑی خدمت علماء کی یہ تھی کہ اسلامی ملکوں میں اس چیلنج کو قبول

کرتے اور اپنی ذہانت سے، گہرے مطالعہ سے، اصولِ فقہ سے کام لینے کی صلاحیت سے، کتاب وسنت کے ان ازلی اور لافانی اصولوں کی مدد سے جو ہر زمانہ میں نسل انسانی کی رہنمائی کر سکتے ہیں، اس تمدن کو اسلام کے اصولوں کی مدد سے جو ہر زمانہ میں نسل انسانی کی رہنمائی کر سکتے ہیں، اس تمدن کو اسلام کے اصولوں کے مطابق رکھنے کی کوشش کرتے، اس میں اگر کسی ملک میں ذرا بھی کچھ کمی ہوگی، اس کا نتیجہ کم سے کم جو ہو سکتا ہے، وہ بے عملی اور شریعت کے خلاف زندگی ہے، اور بڑے سے بڑے نقصان جو ہو سکتا ہے، وہ الحاد اور دین سے بغاوت ہے۔

کسی اسلامی ملک میں آپ دیکھیں گے کہ دوسرا نتیجہ ظاہر ہوا اور کسی اسلامی ملک میں دیکھیں گے کہ پہلا نتیجہ ظاہر ہوا، حالاں کہ دونوں نتیجے اسلام کے حق میں سم قاتل ہیں۔

اس وقت علماء کا سب سے بڑا فریضہ

سب سے بڑا کام اس وقت یہ ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ اسلام اپنی اسی روح اور مقاصد کے ساتھ اور اپنے انہیں اصولوں کے ساتھ زندگی کا نہ صرف ساتھ دے سکتا ہے، بل کہ رہنمائی کر سکتا ہے، ساتھ دینا تو میں نے علی سبیل التنزیل کہا وہ تو بہت ہی گھٹیا درجہ ہے، یہ اسلام کی کوئی تعریف نہیں ہے کہ وہ زندگی کا ساتھ دے سکتا ہے نہیں بل کہ وہ نئی زندگی کی رہنمائی کر سکتا ہے، اس کو خطروں سے صرف وہی بچا سکتا ہے، اور وہ تمدن صحیح انسانی تمدن نہیں، اور وہ ریاست معتدل اور محفوظ ریاست نہیں جو اسلام کے اصولوں سے ہٹ جائے، یہ ثابت کرنا ہمارا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

اسلام کو ہر مفاد پر ترجیح دیجیے

علماء اور دانشوروں کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ اسلام کے مفاد کو ہر جماعت، ہر ادارہ، ہر مدرسہ اور ہر گروہ کے مفاد پر ترجیح دیں۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر ہمیں معلوم ہو کہ سب جماعتوں کو مٹا دینا

پڑے گا، سارے نشانوں کو نکال دینا پڑے گا، سارے ناموں کو ختم کردینا پڑے گا، ایک منٹ بھی اس میں پس وپیش نہیں ہونا چاہیے ہمیں دین وملت کا مفاد ہر اجماع سے عزیز ہونا چاہیے سہرا کسی کے سر بندھے سہرا ہونا چاہیے، حضور ﷺ کا معجزہ یہ تھا کہ صحابہ کرام کے دل سے یہ شوق نکل گیا تھا کہ ان کا کارنامہ سمجھا جائے۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں واقعہ کے طور پر ذکر کیا کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں گئے تھے، وہاں ہمارے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے، ہم نے چیتھڑے لپیٹ لیے، اسی وجہ سے وہ غزوۂ ذات الرقاع کہلاتا ہے۔

یہ کہنے کے بعد ان کو ایک دم سے یہ احساس ہوا کہ میں نے یہ کیوں کہا، کہیں میرا یہ عمل باطل نہ ہو گیا ہو، کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نہ کہہ دیا جائے کہ لوگوں نے سن لیا، اور بڑا مجاہد سمجھا، یہ کافی ہے، اب ہم سے کیا لینے آئے ہو؟ تو بخاری شریف میں خاص طور سے ہے کہ انہوں نے کہا کہ کاش میں یہ نہ کہتا، ان کو اس کا افسوس رہا۔

آج شہرت وناموری کا جذبہ موجزن ہے

آج اس پر زیادہ زور ہے کہ یہ کارنامہ کس کی طرف منسوب ہوگا، ایک صاحب تھے، غازی محمود دھرم پال مجھے ان کا ایک لطیفہ یاد آ گیا، ایک تقریر میں کہنے لگے: اخباروں میں چھپتا ہے کہ فلاں آدمی فلاں صاحب کے دست دستِ حق پرست پر اسلام لایا، تا کہ اس کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ان کے دست حق پرست کی بھی شہرت ہو جائے، بل کہ دستِ حق پرست کی شہرت زیادہ منظور ہے، قبولِ اسلام کی شہرت ہو یا نہ ہو۔

یہاں تک کہ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ کسی بڑے آدمی کا جنازہ ہوتا

ہے، لپک کر پہنچ جاتے ہیں، جنازہ کی نماز پڑھانے کے لیے اس لیے کہ اخبار میں کل یہ خبر چھپ جائے گی، یہ جذبہ بڑا نقصان پہنچاتا ہے، دیکھیے جب کسی کا عزیز جاں بلب ہوتا ہے، تو اس کے عزیزوں میں کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ تعریف کس کی ہو۔

تاریخ کی باریک بین نگاہ بھی انہیں نہ دیکھ سکی

سب کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ ہمارا مریض بچ جائے حکیم کے سر سہرا بندھے یا ڈاکٹر کے تو اس وقت عالم اسلام بیمار ہے، آپ کا ملک بیمار ہے، آپ اس وقت بھول جائیے کہ کس کے حساب میں لکھا جائے گا اور تاریخ لکھنے والے کیا لکھیں گے کہ اس ملک کو سب سے زیادہ نفع فلاں ادارہ، فلاں جماعت سے پہنچا اور اس میں سب سے بڑا حصہ ان کا تھا۔

تاتاریوں کے بارے میں آج تک یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ ان کو مسلمان کرنے میں سب سے بڑا حصہ کس کا تھا، اس لیے کہ ان مخلصین نے جنہوں نے یہ خدمت انجام دی تھی، اپنے کو اتنا چھپایا کہ تاریخ کی باریک بین نگاہ بھی ان کو نہیں دیکھ سکی۔

اس وقت جو لڑائی لڑی جارہی ہے، اس ملک کو اسلامی آئین دینے کی، اسلامی معاشرت و تمدن میں ڈھالنے کی، اور یہاں سے ان خرابیوں کو دور کرنے کی جو مغربی تمدن نے اور ہمارے سیاست دانوں نے داخل کر دی ہیں، اس لڑائی میں فوج کے ادنی سپاہی بن جائیں، خالص اللہ کی رضا کے لیے کام کیجیے، اللہ کے یہاں آپ کا نام اس کے نورانی دفتر میں لکھا جائے گا، یہاں ہوا تو کیا اور نہ ہوا تو کیا، اس وقت لڑائی کسی مکتب خیال کی نہیں ہے، اس وقت لڑائی اسلام اور غیر اسلام کی ہے۔

اس طرح سمجھیے کہ ایک مسجد تعمیر ہورہی ہے، اس میں جو بھی شریک ہوجائے سب اجر میں شریک ہوں گے، اس میں کسی کا کتنا حصہ ہے اور کس کا نام پہلے ہے، اور کس کا نام بعد میں ہے یہ نہیں ہونا چاہیے، اس جذبہ کو جہاں تک ہوسکے مغلوب کرنا

چاہیے، اپنے اپنے مسلک پر پورے طور پر قائم رہنا چاہیے، جسے ہم حق سمجھتے ہوں اس کو حق سمجھنا چاہیے، اس سے ہٹنے کی ضرورت نہیں ہے سودا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن سب دعوتِ اسلامی کا محاذ اور اسلامی زندگی پیدا کرنے کا محاذ بنائیں، اس ملک میں اسلامی زندگی پیدا ہو اور وہ آنکھوں سے دیکھی جاسکے اور یہ ملک دوسروں کے لیے نمونہ ہو۔

ایثار و قربانی

تیسری بات یہ ہے کہ ہم جتنا بھی ہو سکے ایثار سے کام لیں اور باہمی نزاع سے پرہیز کریں، ہماری زندگی جتنی سادہ ہوگی، ہماری زندگی میں جتنی قربانی ہوگی، اتنا ہی اثر پڑے گا، اتنا ہی بہتر نتیجہ نکلے گا۔

سب سے خطرناک بات آپس کا نزاع ہے، ہماری آپس کے دینی مباحث کا میدان اور ہے، اس کے کہنے کا موقع اور ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اکبر اس لیے دین سے متنفر ہوا کہ اس نے علماء کو مرغوں کی طرح لڑتے دیکھا اگر کوئی مسئلہ چھڑتا تو ان میں آپس میں اتنی تیز بحث ہوتی اور ہر ایک دوسرے پر اپنا تفوق اسطرح ظاہر کرنے کی کوشش کرتا جیسا کہ پکے دنیا والے اور جاہ طلب کرتے ہیں اکبر نے سوچا کہ یہ کیسے لوگ ہیں، یہ ہمارے وزراء، ارکانِ سلطنت اور خالص دنیادار لوگ بھی اس سطح پر نہیں آتے۔

جب حضرت مجدد صاحبؒ کو یہ معلوم ہوا کہ جہاں گیر کا ارادہ ہے کہ وہ چند علماء کو اپنے دربار میں مشورہ کرنے کے لیے رکھے تو انہوں نے نواب سید فرید کو خط لکھا کہ خبردار خبردار! بادشاہ کو رائے دو کہ مخلص اور حقانی عالم صرف ایک آدمی کو رکھے، یہ مجدد صاحب کی فراستِ ایمانی تھی، عالم رہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ علماء کے آپس کے نزاعات اور بحث اور نفی کرنے سے اور ایک دوسرے کی تذلیل کرنے سے یہ

نتیجہ نکلتا ہے۔

خطرے کے اظہار کرنے کا بہرحال ہر شخص کو حق ہے، ایک بچہ بھی خطرہ کا اظہار کرسکتا ہے کہ یہ دروازہ کھلا رہ گیا ہے چور نہ آجائے، اس طرح یہ دو تین چیزیں آپ سے کہتا ہوں کہ ایک تو آپ جدید تعلیم یافتہ طبقے کو یہ تاثر نہ لینے دیں کہ کتاب وسنت اور اس کی تشریحات میں فقہ کا اور اصول فقہ کا جو ذخیرہ ہے، وہ موجودہ تمدن کا ساتھ نہیں دے سکتا، موجودہ مسائل حل نہیں کرسکتا، یہ خیال بڑا خطرناک ہے، یہ الحاد تک پہنچا سکتا ہے۔

استغنا اور قناعت سے لوگ آپ کی طرف جھکیں گے

دوسری بات یہ ہے کہ آپ عمل سے عوام پر اور خواص پر جو حکومت میں ہیں یہ تاثر دیں کہ آپ کی سطح بلند ہے عوام کی سطح سے، آپ کی زندگی میں سادگی نظر آئے، وہ دیکھیں کہ آپ تھوڑی چیز پر قناعت کر رہے ہیں، یہ نہیں کہ آپ چاہیں کہ آپ کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوں اور گریڈ ہوں اور جو تنخواہیں وزراء کو مل رہی ہیں، اور ان کو جو فوائد اور مواقع حاصل ہیں وہ ہم کو بھی حاصل ہوں، ہماری کیڈلک کار ہو ہمارے پاس بھی کوٹھی ہو اور وہ کسی وزیر کی کوٹھی سے کم نہ ہو، بل کہ صاف صاف میں یہ کہوں گا کہ کوئی بوریہ نشین ہو تو زیادہ کام کرسکتا ہے، اس لیے کہ یہ طبقہ اس کے سامنے جھکتا ہے، میں نہیں کہتا کہ کوئی بہ تکلف بوریہ نشین بنے، میں اس کی تعلیم نہیں دیتا، لیکن یہ واقعہ ہے یہ طبقہ اسی کے سامنے آکر جھکتا ہے، اور مانتا ہے جس کو سب سے زیادہ بے نیاز دیکھتا ہے۔

آگ کو دور سے تاپو

حضرت مجدد کے سامنے وقت کے شہنشاہ کیوں جھکے؟ اس لیے کہ یہ اللہ کا بندہ

نہ کبھی کسی کی سفارش کرتا ہے، اور نہ کبھی دربار میں آتا ہے بیٹھا اللہ اللہ کرتا ہے، بیٹھے بیٹھے مشورہ دیتا ہے، ہمارے تمام مشائخ نے یہی کیا، کبھی بادشاہوں کے قریب نہیں گئے مگر دور سے نگرانی کرتے رہے، حکومت کو اچھے آدمی دیتے رہے، دعا کرتے رہے، ان کے حق میں مشورہ دیتے رہے، لیکن وہ کہتے تھے کہ آگ کو دور سے تاپو تب تو ٹھیک ہے اگر ہاتھ ڈال دو گے تو جل جاؤ گے۔

یہ چند باتیں جو میں نے مختلف موقعوں پر عرض کی ہیں، سب کا ماحصل یہی ہے کہ اس وقت بڑا امتحان ہے ہمارا، پھر عالم اسلام کا امتحان ہے، ہمیں اپنی صلاحیت کا ثبوت دینا چاہیے، کہیں ہماری صلاحیت کی کمی سے اسلام کو نقصان نہ پہنچ جائے، کوئی یہ نہ کہے اور لکھے کہ علماء کی عدم صلاحیت سے یہ ہوا، میں اتنی باتیں بہت معذرت کے ساتھ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان........۸

وصال وہجر کے چکر میں پھنس کر رہ گئے ناداں
مآل عشق تو یہ تھا کہ دل بیدار ہو جائے

علماء کرام اور ان کی ذمہ داریاں

(بیان)

حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیہؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

علماء کے لیے بنیادی طور پر ایک چیز تو یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے صحیح نسبت پیدا کریں اور صاحب نسبت بننے کی کوشش کریں، علم کے ساتھ تقویٰ اور نسبت مع اللہ جتنی مضبوط ہوگی علم کا نفع خود اپنی ذات کو بھی ہوگا اور مخلوق کو بھی ہوگا، بل کہ حق یہ ہے کہ جیسے ہر شئی کی ایک روح ہوتی ہے ایسے ہی علم کی روح عمل، تقویٰ اور نسبت مع اللہ ہے

پیراگراف از بیان

حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیہؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

علم کی روح

معزز علماء کرام! علماء کے لیے بنیادی طور پر ایک چیز تو یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے رب سے صحیح نسبت پیدا کریں اور صاحب نسبت بننے کی کوشش کریں، علم کے ساتھ تقویٰ اور نسبت مع اللہ جتنی مضبوط ہوگی علم کا نفع خود اپنی ذات کو بھی ہوگا اور مخلوق کو بھی ہوگا، بل کہ حق یہ ہے کہ جیسے ہر شئی کی ایک روح ہوتی ہے ایسے ہی علم کی روح عمل، تقویٰ اور نسبت مع اللہ ہے۔

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دلّی کے ایک وعظ میں یہ بات ارشاد فرمائی کہ میں علماء سے یہ پوچھتا ہوں کہ انہیں مشائخ کے پاس پہنچنے عار تو نہیں آتی؟ ان کے نفس پر بار تو نہیں ہوتا؟ اگر عار محسوس نہیں ہوتی اور اصلاح کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں تو الحمد اللہ! یہ اللہ کا بڑا احسان ہے، اور اگر عار محسوس کرتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اندر بہت بڑی خرابی موجود ہے جس کی اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

تبلیغ، مدارس اور خانقاہ تینوں کی ضرورت ہے

اسی لیے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ تبلیغ کے ذریعہ تشویق ہوگی، یعنی شوق پیدا ہوگا، مدارس کے ذریعہ تعلّم ہوگی اور خانقاہوں کے ذریعہ تکمیل ہوگی اور تشویق، تعلیم اور تکمیل یہ تینوں انتہائی ضروری ہیں معلوم ہوا کہ تبلیغ، مدارس اور خانقاہیں تینوں کی ضرورت ہے۔

صحبت کا بدل

اگر بالفرض آپ کسی ایسی جگہ ہوں جہاں حضرات مشائخ سے کوئی رابطہ نہیں ہوسکتا تو خط و کتابت کریں، اور اس میں بھی صعوبت ہو تو مشائخ نے لکھا ہے کہ اکابر

کی سوانح حیات اوران کے ملفوظات ان کی صحبت کا بدل بن سکتے ہیں، صحبت تو بہر حال صحبت ہی ہے اس کے جو فوائد اور آثارِ حسنہ ہیں وہ تو بہت بڑے ہیں مگر صحبت میسر نہ ہونے کی شکل میں ان کے ملفوظات اوران کی سوانح دیکھیں یہ بھی نفع سے خالی نہیں۔

علماء ربانی اہل قلب سے ہمیشہ وابستہ رہے

اور یہ بھی لکھا ہے کہ اہل قلوب کی صحبت کا نفع بعض دفعہ بیس بیس سال کے بعد ظاہر ہوا، اور بعض دفعہ اہل اللہ کی صحبت کا نفع موت کے وقت ظاہر ہوا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہر زمانہ میں علماء کی یک جماعت جو علم بھی رکھتی تھی اوران کے عقائد بھی پختہ تھے اوران کا ظاہر بھی حسن عمل سے آراستہ تھا ان سب کے باوجود وہ اہل قلوب اور مشائخ حقہ کی خدمت میں خادمانہ حاضر ہوئے اور پھر انہوں نے بطور اعتراف وتسلیم یہ بات کہی کہ ہم نے ان کی خدمت میں پہنچ کر کچھ اور ہی شئی پائی گویا سمجھیے کہ الفاظ ہمارے پاس تھے اور معانی ان پاس، ہم قال سے مستفید تھے اور وہ حال سے، جیسے ایک آدمی زمین پر بیٹھ کر ہوائی جہاز کی بات کرے اور ایک آدمی ہوائی جہاز کا سفر کر کے ہوائی جہاز کی بات کرے تو صرف بات کرنے والا صاحب قال ہے اور ہوائی جہاز میں بیٹھنے والا صاحب حال ہے۔

الفاظ اور حقیقت میں فرق ہے

جیسے حضرت نانوتویؒ سے پوچھا گیا کہ حضرت! آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا نوازا ہے پھر آپ حضرت حاجی صاحبؒ سے منسلک کیوں ہوئے؟ بڑا اچھا جوب دیا کہ دیکھو! ایک وہ شخص ہے جس نے صرف مٹھائیوں کے نام پڑھے ہوں، یہ برفی ہے، یہ قلاقند ہے، یہ پیڑا ہے، یہ لڈو ہے، یہ جلیبی ہے اور یہ فلاں ہے اور وہ فلاں ہے، اور اس نے کسی کو بھی چکھا نہیں، اور ایک شخص وہ ہے جس نے یہ ساری مٹھائیاں کھائی

ہیں تو ظاہر بات ہے کہ نام اُس کے پاس ہیں اور حقیقت پر یہ مطلع ہے، تو فرمایا کہ ہم نے قرآن و حدیث میں توکل، تواضع، خشیت، تفویض، تسلیم، یقین شرح صدر، حلاوت ایمان اور طعم ایمان کے صرف الفاظ پڑھے تھے ہمارے پاس تو صرف الفاظ تھے لیکن حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس ان سارے الفاظ کی حقیقتیں موجود تھیں اس وجہ سے ہم حضرت حاجی صاحبؒ سے متعلق ہوئے۔

حضرت حاجی صاحبؒ کا علم

بل کہ بعض موقعوں پر تو یہاں تک فرمایا کہ لوگ حضرت حاجی صاحبؒ کی کرامات دیکھ کر ان سے متعلق ہوئے اور بیعت ہوئے اور میں حضرت حاجی صاحبؒ کے علم کو دیکھ کر ان سے بیعت ہوا حالاں کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اتنے بڑے عالم ہیں کہ ان کی ایک کتاب ''آب حیات'' کے بارے میں شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا سترہ مرتبہ مطالعہ کیا لیکن اب بھی اس کے بعض مقامات حل نہیں ہوئے تو ایسی کتاب کا مصنف حضرت حاجی صاحبؒ کے باب میں یہ کہتا ہو کہ میں ان کا علم دیکھ کر ان سے متاثر ہوا، اس سے اندازہ لگائیں کہ ان کا علم وہبی اور لدنی کیسا ہوگا؟

تواضع کے بھی درجات ہیں

ایک عجیب بات یاد آ گئی حضرت گنگوہیؒ سے ایک حکیم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اپنے آپ کو مٹائے ہوئے ہیں انہیں علم اور علماء کے وقار کا بالکل خیال ہی نہیں ہے تو حضرت گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ حکیم صاحب! آپ کیا فرماتے ہیں؟ جس آدمی کے قلب میں ایمان کی طرح یہ بات جمی ہوئی ہو اور راسخ ہو کہ ساری دنیا میں سب سے بدترین انسان میں ہوں اس کے باب میں آپ یہ بات کہتے ہیں؟ اس سے حضرت نانوتویؒ کی بے نفسی اور تواضع کا اندازہ لگایئے

اس کے بعد یہی بات حضرت حاجی صاحبؒ سے کسی نے مکہ مکرمہ میں کہی کہ

مولوی محمد قاسم صاحب نے اپنے وقار کا اور اپنی حیثیت کا کوئی خیال ہی نہیں رکھا، ان میں حد سے زیادہ تواضع اور انکساری ہے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ ابھی مولوی محمد قاسم نے تواضع کے درجات ہی کتنے طے فرمائے ہیں؟ دیکھیے! حضرت گنگوہیؒ تو یہ فرما رہے ہیں کہ جس آدمی کے قلب میں ایمان کی طرح یہ بات راسخ ہو کہ میں دنیا کا سب سے بدترین انسان ہوں اور حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ابھی مولوی محمد قاسم نے تواضع کے درجات ہی کتنے طے فرمائے ہیں؟ اب اندازہ لگایئے کہ حضرت حاجی صاحبؒ حضرت مولانا نانوتویؒ کو تواضع کے کس مقام پر دیکھنا چاہتے ہوں گے۔

رہبر کے بغیر راستہ طے ہونا دشوار ہے

کتب فن میں لکھا ہے کہ مشائخ کی صحبت تو ایسی ہے جیسے آگ کی بھٹی کہ آپ اس کے پاس بیٹھ جائیں جس سے جسم میں حرارت کا اثر آئے گا اور گرمی محسوس ہو گی مگر یہ گرمی وقتی ہو گی جوں ہی وہاں سے اُٹھیں گے کچھ دیر میں زائل ہو جائے گی، برخلاف اس آدمی کے جو صحبت کے ساتھ ساتھ خود بھی ذاکر شاغل ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کشتہ فولاد کھائے تو وہ انگلینڈ اور سوئزرلینڈ کی سخت سردیوں اور کشمیر کی برفیلی وادیوں میں پہنچ کر بھی اپنے اندر حرارت محسوس کرے گا تو صرف صحبت ہو اور اپنے طور پر ذکر وغیرہ نہ ہو تو یہ ہو گا کہ جب تک صحبت ہے اس کا اثر باقی ہے پھر اس کو باقی رکھنے کے لیے خود ذکر کی ضرورت ہے اور اگر کوئی اپنے طور پر ذاکر ہو لیکن اس کو مشائخ کی صحبت حاصل نہیں ہے تو بعض دفعہ بڑی بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اس لیے رہبر کے بغیر راستہ طے ہونا دشوار ہے۔

ہر فن کے لیے علم اور معلم کی ضرورت ہے

حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ جو ہمارے شیخ اول ہیں فرماتے تھے کہ دنیا کے ہر فن کو سیکھنے کے لیے کسی معلم کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ کسی

لائن میں جہل برداشت نہیں، روٹی پکانا ہو تو اس کا سلیقہ کسی سے سیکھنا پڑے گا، ڈرائیونگ کرنی ہو، وکالت کرنی ہو تو بہر حال اس کا طریق کسی سے معلوم کرنا پڑے گا۔

معلوم ہوا کہ ہر لائن میں علم اور معلم کی ضرورت ہے اور فرماتے تھے کہ کیا اللہ تعالی کا راستہ ہی اتنا گیا گذرا ہے کہ بغیر علم و معلم کے طے ہو جائے گا؟ اور علم و معرفت تو بنیادی چیز ہے یہاں تک کہ صوفیاء کرام کے یہاں تو کلیہ ہے کہ: مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ جَاہِلًا وَلِیًّا: حق تعالی نے کبھی کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا، اور اگر کسی کو ولایت دی ہے تو اس کو علم سے بھی سرفراز فرمادیا ہے گو رسمی و کتابی علم اس کے پاس نہ ہو مگر علم وہبی ولدنی اس کو حاصل ہوتا ہے۔

علماء کرام کے لیے چند ضروری امور

اس لیے ضرورت ہے اس بات کی کہ چوبیس گھنٹے میں کچھ دیر رجوع الی اللہ کا اہتمام رکھیں اور کوشش اس کی ہو کہ آنکھوں سے کچھ آنسو بہہ جائیں، کچھ دعاؤں کا اہتمام ہو اور مشائخ کی کتابیں دیکھیں، حضرت حکیم الامتؒ فرماتے تھے کہ مشائخ کے ملفوظات اور ان کی اصلاحی باتیں اور کتابیں دیکھنے کا التزام و اہتمام ہونا چاہیے۔

علم کے مقبول ہونے کی علامت

اور یہ بھی بزرگوں سے سنا ہے کہ جس کو اللہ نے علم دیا ہو وہ پڑھانے کا اہتمام ضرور کرے، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ فرماتے تھے کہ جس کو پڑھنے کے بعد پڑھانے کا موقع مل جائے یہ عند اللہ اس کے علم کے مقبول ہونے کی علامت ہے اور فرماتے تھے کہ آدمی کم از کم نحو، صرف ہی پڑھائے نور الایضاح ہی پڑھائے، چھوٹی کتابیں ہی سہی مگر یہ کہ اس سے تعلق اور وابستگی رکھے۔

حکمت عملی اور استغنا کی ضرورت

اس کے ساتھ ایک چیز اور بھی ہے کہ اب بہت زیادہ فتنوں کا دور ہے۔ اب دنیا میں اس قدر فتنے ہو گئے ہیں کہ حق بات بولنا بھی بڑا جرم ہو گیا ہے۔
نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا کہ جس میں دین پر چلنے والا ایسا ہو گا جیسے ہاتھ میں انگارہ پکڑنے والا، تو ایسے نازک وقت میں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک حکمت عملی اور دوسرے استغناء، حکمت عملی میں خاص طور سے عالم کے لیے دعوت و اصلاح کے واسطے ماحول سے واقفیت اور مزاج شناسی بہت زیادہ ضروری ہے لیکن حکمت عملی کا مطلب یہ نہیں کہ امول ڈیری کا ڈبہ اپنے ساتھ رکھیں کہ بس ہر وقت مسکہ ہی کی بات کریں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر وقت کلہاڑی ہی ماریں۔

اصلاح کا انوکھا انداز

حضرت اقدس تھانویؒ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ ٹرین میں سفر کر رہے تھے خواجہ صاحبؒ ساتھ تھے اور بھی حضرت کے کچھ مریدین ساتھ تھے ایک دنیوی تعلیم یافتہ شخص بھی ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور وہ حضرت سے بہت محبت اور بے تکلفی سے باتیں کر رہے تھے، حضرت بھی ان کے ساتھ بہت کھل کر باتیں کر رہے تھے۔
جب نماز کا وقت قریب ہوا تو حضرت نماز کے لیے اُٹھے، خواجہ صاحب نے حضرت اقدس تھانویؒ سے فرمایا کہ حضرت! یہ آپ سے محبت بھی ظاہر فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بے تکلفی سے گفتگو بھی کر رہے ہیں تو مناسب ہے کہ آپ انہیں نماز کے لیے کہیں۔
حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ میرا جی نہیں چاہتا کہ میں نماز کے بارے میں ان سے کچھ کہوں اور اگر اس وقت انہوں نے نماز پڑھ بھی لی تو یہ صرف شرما حضوری کی نماز ہو گی جی میں یہ بات آئی ہے کہ ابھی انہیں کچھ نہ کہوں اور اگر آپ کا بہت جی

چاہتا ہے تو آپ کہہ دیجیے۔

خیر حضرت اس وقت کچھ نہیں کہا اور نماز پڑھنے کے بعد ان کے پاس جا کر بیٹھے اور حسب سابق ویسی ہی بشاشت سے گفتگو جاری رکھی، پھر دوسری نماز کا وقت ہوا پھر تیاری کر کے نماز پڑھی اور نماز کے بعد اسی انداز سے ان کے سامنے جا بیٹھے اور اسی بشاشت کے ساتھ گفتگو کرتے رہے اس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور اس کے بعد جو نماز کا وقت آیا تو وہ بھی نماز کے لیے اُٹھے اور پھر انتہائی پختہ نمازی ہو گئے اور وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ میں یہ سمجھتا تھا کہ نماز پڑھ کر آئیں گے تو چہرہ بگڑا ہوا ہوگا، بات کرنے کو تیار نہیں ہوں گے، میرے قریب بھی نہیں بیٹھیں گے مگر انہوں نے تو مجھے اپنے اخلاق سے ذبح کر دیا، تو بعض دفعہ اس کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی لیے تھانہ بھون میں یہ بات تھی کہ اگر کوئی سویا ہوتا تھا اسے نماز کے لیے اُٹھایا نہیں جاتا تھا وہ اس کے قائل تھے کہ اپنی ذمہ داری اور فکر سے اٹھو اس لیے اگر کوئی سوتا رہ گیا اور اس نے دیکھا کہ سب نے نماز پڑھی اور میں سوتا رہ گیا تو وہ شرمندگی ساری زندگی نماز قضا نہ ہونے کا اور نماز کی پابندی کا سبب بن جائے گی تو سمجھانے اور تربیت کے مختلف انداز ہوتے ہیں۔

ہر حال میں خدمت دین سے وابستہ رہیں

اس لیے ایک تو حکمت عملی کی ضرورت ہے اس کے ساتھ استغناء بھی ضروری ہے دیکھیے! بدنی ضرورت تو ہر آدمی کو ہے اور علماء کے ساتھ بھی یہ ضرورت لگی ہوئی ہے یہاں تو خیر علماء ماشاءاللہ خوش حال ہیں مگر عام طور پر دنیا کا سفر کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ عالموں کا معاشی معیار بہت گرا ہوا ہے اور کچھ خدائے پاک کی مشیت بھی یہی معلوم ہوتی ہے وہ یہ تنگ حال رہیں اور دین سے وابستہ رہیں۔ ورنہ ایسے بھی بعض واقعات ہوئے ہیں کہ کشادہ حالی ہوئی اور انہوں نے کام چھوڑ دیا۔

مقصود رضائے حق ہو

جب میں گجرات میں یہ جملہ سنتا ہوں تو مجھے تو بہت تکلیف ہوتی ہے بعض لوگ

کہتے ہیں کہ فلاں مولوی کے پاس تو بہت پیسے ہیں اور اس کی آمدنی بہت اچھی ہے اسے ملازمت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ کتنی تکلیف کی بات ہے! معلوم ہوتا ہے کہ علماء پیٹ کے لیے ہی پڑھا رہے ہیں حالاں کہ ظاہر بات ہے کہ یہ کام اس لیے نہیں ہے بل کہ مقصود رضائے حق ہے ورنہ ہم آپ سے کہتے ہیں کہ ہندوستان میں ایک کنڈکٹر کی جو تنخواہ ہوتی ہے وہ کسی مدرسہ کے شیخ الحدیث کی بھی نہیں ہوتی خصوصاً جب اوور ٹائم کریں تو اس میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اس لیے ہمارے پیش نظر تو صرف حق تعالیٰ کی رضامندی ہوا چاہیے۔

نواب ڈھاکہ کا تاثر اور قدردانی

حضرت اقدس تھانویؒ فرماتے تھے کہ علماء میں استغناء بھی ہونا چاہیے کہ کسی امیر سے مرعوبیت نہ ہو اور نہ اس کے مال پر ایسی نظر ہو جس سے اس کو یہ احساس ہو کہ یہ ہمارا طالب ہے۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ نواب ڈھاکہ نے جب مجھے دعوت دی تو میں نے یہ شرط لگائی کہ وہ کوئی ہدیہ پیش نہیں کریں گے صرف اتنی سی شرط سے وہ اتنے متاثر ہوئے کہ جب میرا ذکر آتا تھا تو وہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ تو صحابی کی طرح ہے، اس لیے علماء کے لیے استغناء بہت ضروری ہے۔

مقدر کا رزق مل کر رہے گا

اور یہ طے ہے کہ مقدر سے کم نہیں ملے گا اور مقدر سے پہلے نہیں ملے گا جتنا ہے اتنا ہی ملے گا اور جب مقدر ہے تب ہی ملے گا۔

علماء کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کوئی یہ دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے ملیز یا بلیز بنا دے اور یہ اس کے مقدر میں نہیں ہے تو یہ ناممکن ہے، ٹھیک اسی طرح اگر کوئی یہ دعا کرے کہ اے اللہ! مجھے روزی نہیں چاہیے اور روزی اس کے مقدر میں ہے تو وہ مل کر رہے گی، اس طرح کی دُعا ادب اور شرعی مزاج کے خلاف ہے نہیں کرنا چاہیے۔

استغناء کا فائدہ

اور ہم نے تجربہ کیا کہ جب امیر یہ محسوس کر لے کہ یہ مولوی صاحب لالچی نہیں ہیں تو مولوی صاحب کی نظر میرے روپئے اور جیب پر نہیں ہے تو اس پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ بات سنتا ہے اور وہ یہ سوچتا ہے کہ یہ بات اخلاص سے کہہ رہا ہے، چاہے وہ جس درجہ کا بھی ہو، معلوم ہوا کہ استغناء سے بڑا اثر ہوتا ہے اور میں تو قرآن کریم سے استنباط کرتا ہوں۔

قرآن کریم میں ہے (**قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ اتَّبِعُوا مَنْ لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ**) مرسلین کی دو صفات بیان کیں ایک سوال نہ کرنا اور دوسرے ہدایت یافتہ ہونا، ہدایت یافتہ ہونا پوری زندگی کو عام اور شامل ہے اس صفت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو مقدم کیا جائے مگر باب دعوت میں سوال نہ کرنے کا زیادہ اثر ہوتا ہے اسی لیے سوال نہ کرنے کی صفت کو مقدم کیا اور فرمایا (**مَنْ لَّا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا**)

آپ حضرات اہل علم ہیں جانتے ہیں کہ "**إِنَّ النَّكِرَةَ إِذَا وَقَعَتْ تَحْتَ النَّفْيِ تُفِيْدُ الْعُمُوْمَ**" تو (**أَجْرًا**) نکرہ ہے اور (**لَا يَسْأَلُكُمْ**) کے تحت ہے یعنی کسی قسم کا سوال نہیں اور سوال کی دو قسمیں ہیں کچھ لوگ ہوتے ہیں مال کے طالب کہ بھائی! ہم کو مال مل جائے پیسہ مل جائے، اور کچھ مال کے طالب تو نہیں ہوتے لیکن وہ جاہ اور پوزیشن کے طالب ہوتے ہیں، واہ واہ کے طالب ہوتے ہیں اور امام غزالی نے لکھا ہے حب جاہ حب مال سے زیادہ بری چیز ہے۔

ہر معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں

مجھے اچھی طرح یاد ہے ہمارے حکیم صاحب مرحوم کی شاید ہی کوئی مجلس ایسی ہو جس میں یہ نہ فرماتے ہوں کہ بھائی! فلاں معاملہ پیش آیا ہم نے حق تعالیٰ سے عرض کیا، فلاں بات پیش آئی ہم نے حق تعالیٰ سے دُعا کی، آپ قدم قدم پر دعا فرماتے

تھے یہ ضروری نہیں کہ ہاتھ اُٹھا کر دعا کی جائے بغیر ہاتھ اُٹھائے قلب سے بھی دعا کی جاسکتی ہے مثلاً اس وقت میں آیا اور یہ شکل دیکھی تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں جاہل ہوں، گنہگار ہوں نہ علم ہے نہ عمل نہ تقویٰ ہے نہ اخلاق نہ اخلاص، شرمندہ ہوں یہ اتنے اہل علم حضرات جو جوان صالح ہیں ان کی یہ خواہش اور رغبت ہے کہ میں کچھ کہوں تو آپ ہی ستاری فرمائیں آپ ہی مدد فرمائیں اور ان کی ضرورت کی چیز میرے قلب پر القاء فرمائیں اور میں اس دعا کا اثر محسوس کر رہا ہوں کہ واقعی نافع باتیں ہو رہی ہیں۔

ایک تجربہ کی بات

بہر حال استغناء کا اہتمام بہت ضروری ہے اس کا بڑا اثر ہوتا ہے بعض دفعہ مختصر سی تقریر آپ کے استغناء کی وجہ سے اتنی نافع ہوگی کہ تین چار گھنٹے علم وحکمت سے پُر تقریر اتنی نافع نہیں ہوگی۔

اسی لیے حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ علماء کو چندہ کا کام نہیں کرنا چاہیے حالاں کہ چندہ کرنے کا جواز ہے تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے حالات کے تحت خود چندہ فرمایا ہے اگر چہ اس کی نوعیت الگ تھی اور میں نے تو اس بات کا مشاہدہ کیا کہ اگر دس گھنٹے بھی بیان کریں اور لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ مولوی صاحب ''وصولی'' (چندہ) کے لیے آتے ہیں تو وہ سارا بیان چوپٹ ہو جاتا ہے، اس کا کچھ بھی اثر نہیں ہوتا، چنانچہ حضرت فرماتے تھے کہ اس کام کے لیے مستقل لوگ ہونے چاہئیں۔

عوام کے دلوں پر علماء کا نقش

اور ایک بات ذہن میں رہے کہ آج بھی عوام کے دلوں پر علماء کا نقش اچھا ہے اور وہ کیسے؟ دیکھیے! کسی عالم سے غلطی ہوگی تو لوگ کیا کہیں گے؟ مولوی ہو کر ایسا کرتا ہے! یہ جملہ آپ نے سنا ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ مولوی ہونا ایک ایسی پوسٹ اور ایسا منصب ہے کہ یہ چیز ان سے نہیں ہونا چاہیے تو ان کے تحت الشعور یہ بات ضرور ہے کہ یہ صاحب وقار اور صاحب حیثیت ہیں اسی لیے تو یہ لفظ کہتے ہیں یوں نہیں کہتے کہ وہ تاجر ہو کر ایسا کرتا ہے؟ وہ ملازم ہو کر ایسا کرتا ہے؟ نہیں وہ کہتے ہیں عالم ہو کر ایسا کرتا ہے؟

تو معلوم ہوا کہ آج بھی ان کے دلوں میں علماء کی وقعت موجود ہے بس کوتاہی ہماری ہے ہمیں اپنی کوتاہیوں اور ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیے۔

کچھ کمزوریاں، کچھ مجبوریاں

میں نے انگلینڈ میں آج سے دو سال پہلے ایک تقریر کی اس مجمع میں پورے انگلینڈ کا مغز جمع تھا، امراء بھی تھے علماء بھی تھے، میں نے اس میں ایک تجزیہ کیا، میں نے کہا کہ میں بڑے حضرات سے تو کیا کہوں؟ لیکن اپنے ساتھیوں سے یا جنہوں نے مجھ سے کچھ پڑھا ہے ان سے میں مشورۃً کہتا ہوں کہ دیکھیے دو چیزیں ہیں، کچھ تو ہیں علماء کرام کی کمزوریاں اور کچھ ہیں علماء کرام کی مجبوریاں، عوام آپ کی مجبوریاں بہت کم دیکھیں گے مگر کمزوریاں ضرور دیکھیں گے۔

ایک بزرگ کے پاس ایک شخص رہتے تھے کچھ مدت کے بعد جانے کا وقت آیا تو رونے لگے پوچھا بھائی! روتے کیوں ہو؟ تو کہا کہ رونا اس کا ہے کہ حضرت کے پاس ہم تھے تو حضرت تنبیہ فرماتے تھے ٹوکتے تھے، اصلاح فرماتے تھے کہ یہ غلط ہے یہ یوں نہیں یوں ہونا چاہیے اب ہمیں کون روک ٹوک کرے گا؟

تو شیخ نے فرمایا کہ اگر تمہیں اس کا صدمہ ہے تو پھر گھبرانے کی بات نہیں اس لیے کہ یہاں تو میں تنہا تمہاری کمزوری پر تمہیں واقف کراتا رہا اور قوم کا حال یہ ہے کہ وہ پوری کی پوری تمہاری کمزوریوں میں نظر رکھے گی وہ کہیں گے کہ مولانا کا رکوع ایسا ہے، مولانا کا سجدہ ایسا، مولانا نماز میں کیوں نہیں آئے، کیا بات ہوئی؟ ان کا معاملہ ایسا ہے! تو وہ ہر چیز پر نظر رکھیں گے لہذا تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

محتاط رہنے کی ضرورت ہے

یہ عوام کسی کو بخشتے نہیں، ویسے یہ آپ سے مصافحہ کرلیں بہت اخلاق سے پیش آئیں اور آپ خوش ہو جائیں کہ لوگ مجھے بہت مانتے ہیں مگر اس غلط فہمی میں نہ رہیں اور بدگمان نہ ہوں کیوں کہ عوام میں بعض لوگ دل سے چاہتے بھی ہیں ان میں مخلص اور ہمدرد بھی ہوتے ہیں ان میں آپ کی عظمت کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔

بہر حال دھوکہ میں بھی نہ پڑیں، بدگمان بھی نہ ہوں بل کہ محتاط رہنے کی کوشش کریں، کیوں کہ بدگمان ہوں گے تو وہ جائز نہیں ممکن ہے وہ بے چارہ واقعی محبت سے پیش آرہا ہو اس کے دل میں آپ کی وقعت ہو کہ یہ دین جاننے والے ہیں، اور آپ کو خوش فہمی بل کہ غلط فہمی بھی نہ ہو جائے کہ ہم کو سب مانتے ہیں، غرض اللہ سے دُعا بھی کریں اور اپنی کمزوریوں کا احساس اور اعتراف بھی کریں۔

ہماری اپنی بھی کوتاہی ہے

جس وقت میں ڈابھیل میں پڑھتا تھا اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے ایک بات کہی، میں کہا کہ اگر طلباء میں کمزوریاں ہیں تو اس کی جہاں اور وجہیں ہیں وہیں ایک بڑی وجہ ہماری کمزوری بھی ہے، تو ایک صاحب کہنے لگے کہ مولانا! آپ نے یہ کیسی بات کہی؟ میں نے کہا دیکھو! آگ کے پاس بیٹھے گا تو گرمی محسوس ہوگی برف کے پاس بیٹھے گا تو ٹھنڈک محسوس ہوگی تو جب یہ طلبہ کئی کئی گھنٹے ہمارے پاس بیٹھیں اور ان میں کوئی اچھا اثر پیدا نہ ہو تو ہم کو تو یہی سمجھنا چاہیے کہ ہماری اپنی بھی کوتاہی ہے یہ نہیں کہ سارا قصور ان ہی کا ہے۔

کچھ پانے کے لیے......

اسی لیے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ تخلی کے بغیر تلقی نہیں ہوتی جیسے کنواں ہے بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر سوت نہ ملی ہو تو مسلسل پانی نکالتے

رہنے سے پانی ختم بھی ہوجاتا ہے اور اگر کچھ وقفہ ہوجائے تو پھر پانی بھر جاتا ہے۔
مشائخ تک کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کا بھی کچھ وقت تنہائی میں گذرنا چاہیے تاکہ وہ اُدھر سے کچھ حاصل کریں، روئیں گڑگڑائیں، اللہ سے دُعائیں کریں، انابت اختیار کریں اپنی نسبت مضبوط کریں اور پھر مخلوق کو فائدہ پہنچائیں۔

علماء کے وقار کی حفاظت ضروری ہے

تو آپ حضرات اہل علم ہیں ضرورت ہے اس بات کی کہ آپ بالکل مستغنی رہیں یہ طے ہے کہ جو شئی مقدر ہے وہ ٹلے گی نہیں۔

ایک واقعہ میں آپ کو سناؤں، میرا پہلا سفر زامبیا کا ہوا تو وہاں سے خط آیا وہ خط آج بھی محفوظ ہے میں نے ان کو لکھا کہ تم سمجھتے ہوں گے کہ بڑے مولانا ہیں، جبہ، قبا، عبا ہوگا، چنیں ہوں گے چناں ہوں گے، میں تو طالب علموں کی طرح بے تکلف ہوں اور واقعتاً میں طالب علم ہی ہوں، آپ لوگ اپنی دعوت پر نظر ثانی کریں، غور کرلیں، تاکہ بلانے کے بعد پچھتاوا نہ ہو کہ ہم نے ان کہاں بلالیا؟ اب وہ خط جب زامبیا پہنچا تو وہ سوچ میں پڑ گئے کہ لوگ تو یہاں آنے کے لیے بالکل تیار رہتے ہیں اور یہ ایسا لکھ رہے ہیں تب تو انہیں ضرور بلانا چاہیے۔

بہر حال جانا ہوا، اب جب میں وہاں گیا تو چوں کہ پہلا سفر تھا اور دنیا کا کچھ تجربہ اور ہوش نہیں تھا اور لوگوں کے مزاج کا کچھ اندازہ بھی نہیں تھا اس لیے میں نے کہہ دیا کہ میں واپسی میں حج کرتے ہوئے جاؤں گا چوں کہ طبیعت بالکل سادہ تھی لیکن پھر مجھے ذرا سی بھنک آئی کہ وہ سوچنے لگے ہیں کہ مولانا کے حج کے لیے انتظام کرنا پڑے گا میں نے ان کو بلایا اور کہا کہ دیکھو! ایک بات سنو! ہم پر حج فرض نہیں ہے مگر علماء کے وقار اور پوزیشن کو محفوظ رکھنا یہ فرض ہے، میں آپ لوگوں کو خبر دیتا ہوں کہ میں حج کرنے ہرگز ہرگز نہیں جاؤں گا سیدھا یہاں سے ہندوستان جاؤں گا

کیوں مجھ پر حج فرض نہیں ہے باقی بھیک مانگ کر جاؤں یہ میرا مزاج نہیں ہے۔

آپ یقین مانیے ان کو اس کا اتنا شدید احساس ہوا کہ پورے ملک میں اس جملہ کی شہرت ہوئی اور انہوں نے معافی مانگی اور رورو کر اصرار کیا، میں نے ان سے کہا مجھے نہیں جانا ہے میں نے کہا میرے ذمہ حج فرض نہیں ہے لیکن علماء کے وقار اور ان کی پوزیشن پر اثر پڑے یہ گوارا نہیں اس سے تو موت اچھی۔

بہر حال انہوں نے معافی مانگی اور رورو کر اصرار کر کے مجھے بھیجا وہ تو حج مقدر ہی تھا اس لیے ہوا لیکن پھر مجھے احساس ہوا تو ہمیشہ کے لیے کان پکڑے وہ تو بھولا پن تھا، پہلا سفر تھا اس کے بعد بہت پھونک پھونک کر قدم رکھے۔

عطر آنست کہ خود ببوید.......

بہر حال کہنے کا منشا یہ ہے کہ دنیا بہت کڑوی ہے ہمیں اپنے طور پر اپنے کو ٹھیک رکھنے کی ضرورت ہے اور اللہ سے دُعا کرتے رہنے کی ضرورت ہے ایک تو استغفار اور ذکر کا اہتمام، دوسرے مشائخ کی کتابیں دیکھتے رہنے کا اہتمام، اپنی کمزوریوں پر نظر کر کے ان کی اصلاح کی فکر اور دیکھو! آدمی کا بڑا تعارف اس کا کام ہوتا ہے کتنے لوگ دنیا میں ایسے ہوتے ین جو کہتے ہیں کہ میں نے یہ کیا مین نے وہ کیا جس کو اُردو میں اپنے منہ میاں مٹھو بننا لو لتے ہیں اور دوسری شکل یہ ہے کہ آپ اپنے بارے میں ایک حرف نہ کہیں مگر آپ کا عمل صحیح ہو تو وہ خود آپ کا تعارف کرائے گا، دنیا خود ہی تسلیم کرے گی آپ کو ایک لفظ بولنے کی ضرورت نہیں، فارسی کا شعر ہے آپ سمجھ لیں گے ترجمہ کرنا مناسب نہیں سمجھتا:

چوں زن پستان خود مالد حظوظ نفس کے یابد	ثنائے خود بخود گفتن نہ زیبد مرد دانا را

اس لیے دانا شخص کے لیے تو یہ مناسب نہیں ہے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بنے۔

اصلاح اعتراضات سے بھی ہوتی ہے

تو سب سے اہم چیز کام ہے اور اللہ پر نظر رکھنے کی کوشش کریں اور اپنی کمزوریوں کو سوچتے رہیں اور عوام کی ناگواریوں پر صبر کی کوشش کریں اس لیے کہ جس درخت پر پھل ہوتے ہیں پتھر اسی پر پڑتے ہیں اعتراض کرنا یہ ابوجہل اور ابولہب کی عادت ہے اور اعتراضات برداشت کرنا یہ نبیوں کی سنت ہے۔

بعض مرتبہ اصلاح ان اعتراضات سے بھی ہوتی ہے اس لیے کہ جب سب ہمارا استقبال کرنے والے اور آؤ بھگت کرنے والے ہو جائیں تو نفس سوچے گا کہ میں کچھ ہوں اور جب کچھ ایسے بھی ہوں تو اس سے اپنی مقبولیت کا اندازہ ہو جاتا ہے، کچھ دل ٹوٹتا ہے، کچھ شکستگی ہوتی ہے، کچھ فکر ہوتی ہے، کچھ احساس ہوتا ہے، تو یہ بظاہر مصیبت ہے لیکن در حقیقت یہ بھی ایک نعمت ہے اس میں اصلاح کا سامان ہے اور صوفی تو ابوالوقت ہوتا ہے ابن الوقت نہیں لہٰذا جو حال آ جائے اس سے مغلوب نہ ہوں بل کہ ہمت اور استقلال کا ثبوت دیتے ہوئے حق تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

تو خلاصہ ساری گفتگو کا یہ نکلا کہ پڑھانے کا اہتمام، دعوت اور دینی کام میں اخلاص کا اہتمام، حالات کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش اور موقع کو سمجھ کر ہی گفتگو اور اس کے مناسب معاملہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ مشائخ کی کتابیں، ملفوظات، سوانح دیکھنے کا التزام اور خلوت میں کچھ دیر رہنے کا اہتمام اور ذکر اللہ کی عادت ڈالیں اور کوشش اس کی کریں کہ اللہ سے اپنا تعلق مضبوط ہو۔

اخلاصِ نیت بہت دشوار ہے

حضرت سفیان ثوریؒ بہت بڑے بزرگ ہیں، انہیں آخرت کی فکر ایسی تھی کہ ان کے خادم فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رات میں آکر لیٹے کچھ دیر لیٹ کر کہنے لگے اچھا! وضو کے لیے پانی رکھو، میں نے پانی رکھا آپ نے لوٹا لیا اور اس پر ہاتھ رکھ کر

سوچنے لگے، میں جا کر سو گیا کئی گھنٹوں بعد جب میں اس خیال سے پہنچا کہ حضرت سب معمولات سے فارغ ہوئے ہوں گے مگر وہاں جا کر دیکھا تو حضرت لوٹے پر ویسے ہی ہاتھ رکھے ہوئے سوچ رہے ہیں کئی گھنٹے ہو گئے تھے میں نے عرض کیا حضرت! آپ ابھی تک ایسے ہی بیٹھے ہیں اور اتنا وقت گذر گیا فرمایا اچھا! یہ تھی فکر آخرت جس میں آپ گم تھے اور پتہ تک نہ چلا کہ اتنا طویل وقت گذر گیا، چنانچہ ایک دفعہ فکر آخرت کا غلبہ ہوا اور اتنی فکر طاری ہوئی کہ اس کے بعد جب استنجاء کے لیے گئے تو پیشاب میں خون آ گیا، اتنے بڑے شخص تھے تو وہ فرماتے ہیں کہ نیت کو خالص کرنے کے لیے مجھ کو بڑی مشقت برداشت کرنی پڑی۔

آپ بیتی

مثلاً دیکھیے شیطان کیسی کیسی چالیں چلتا ہے، کنتھاریہ سے مجھے ختم جلالین شریف کی دعوت آئی مجھے یہ خیال آیا کہ شان دار مضمون بیان کیا جائے، میں اپنے نفس کی بات کرتا ہوں، نفس کا چور دیکھیے، جی میں آیا کہ یہ بھی دیکھو وہ بھی دیکھو، تو میں نے دل میں کہا کہ جب خیال یہ ہے کہ شاندار بیان کرو اور یہ مضمون بیان کرو اور یہ باتیں بیان کرو، تو یہ دنیا ہی ہے، پھر میں نے فیصلہ کیا کہ یہ نہیں کرنا ہے، اب نفس کی چال دیکھو، نفس نے کہا کہ جب ایک ادارہ سے آپ کو ایک بڑی کتاب ختم کرنے کے لیے بلایا جا رہا ہے اور جب تم کوئی اہتمام نہیں کرو گے اور ایسے ہی ختم کرا دو گے تو پھر تمہاری خصوصیت کہا ہوئی؟ یہ نفس کی چالیں ہیں۔

اس پر ہمارے حکیم صاحب مرحوم کی ایک بہت اچھی بات یاد آئی ایسے موقع کے لیے فرماتے تھے کہ تدبیر کے درجہ میں جتنا دیکھنا ہو دیکھ لیا جائے اور اس کے بعد حق تعالیٰ سے دُعا کی جائے اے اللہ! میرے نفس میں شر اور خرابی ہے وہ مجھے گندی اور سفلی چیزوں کی طرف اور مخلوق کی طرف لے چلتا ہے آپ ہی اپنے فضل سے میری حفاظت فرمائیں جیسے آپ کے حبیب پاک ﷺ نے دعا کی ہے۔ "اَللّٰھُمَّ وَاقِیَۃً

گَوَاقِیَۃِ الْوَلِیْدِ" اے اللہ! ایسی حفاظت فرمایئے جیسے بچہ کی حفاظت کی جاتی ہے، میں اپنے نفس کے شر سے آپ ہی کی پناہ چاہتا ہوں آپ ہی مدد فرمایئے، چنانچہ ....الحمدللہ....اس موقع پر اس کی پوری کوشش کی اور اللہ تعالی نے بڑی مدد فرمائی۔

بزرگوں کی سوانح دیکھنے کا فائدہ

نیز نفس کی اصلاح میں ان حضرات اکابر کی کتابیں دیکھنے سے اور ان کی سوانح حیات دیکھنے سے بھی بڑا فائدہ ہوتا ہے، اونٹ اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور جب پہاڑ کے پاس سے گذرتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ میں تو چوہے کے برابر بھی نہیں ہوں میری کوئی حیثیت نہیں، جب ہمارے سامنے ان اکابر کی زندگی ہوگی کہ حضرت مدنیؒ ایسے تھے حضرت رائے پوری ایسے تھے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ ایسے تھے، حضرت تھانویؒ ایسے تھے اور حضرت گنگوہیؒ ایسے تھے تو ہم کا اندازہ ہوگا کہ ہم لوگ کیا ہیں؟ اتنی شرمندگی ہوگی اور اتنا احساس ہوگا کہ ہم اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھیں گے اور یہی چیز کامیاب کرنے والی ہے۔

عزت خدائے پاک دیتے ہیں

مجھے خوب یاد ہے کہ ہمارے حکیم صاحب مرحوم نے اندازاً ہزار دفعہ سے زیادہ سمجھایا ہوگا کہا دیکھو کبھی تکبر نہ آئے، کبھی بڑائی نہ آئے، اور الحمدللہ اس کا بہت نفع ہوا، اگر ہم نے چار لفظ پڑھ لیے ہیں تو اس پر غرہ اور ناز نہ ہو، حضرت تھانویؒ کی وصیتوں میں بھی ہے کہ پڑھنے پڑھانے پر ناز نہ ہو، نظر اللہ پر ہو اور اہل قلوب سے تعلق ہو اگر یہ چیز رہے گی تو برکت ہوگی، مدد ہوگی، اور اگر دعویٰ پیدا ہو گیا ایسے ہی طمع اور لالچ پیدا ہوگئی یا غفلت آ گئی یا صرف الفاظ رہے اور اندر کی دنیا کو ٹھیک

کرنے کی فکر نہیں رہی تو ظاہر بات ہے کہ پھر لوگوں کی نگاہوں میں بھی بے وقعتی ہوگی، عظمت تو حق تعالیٰ پیدا فرماتے ہیں عزت تو خدائے پاک دیتے ہیں یہ جو کوشش اور دھاندلی کر کے اور اپنا گیت گا کر پوزیشن حاصل کرتے ہیں یہ پوزیشن نہیں ہے عزت تو وہ ہے جو خدائے پاک لوگوں کے دلوں میں ڈالیں کہ اس آدمی کو مانو، وہ خدا کی طرف سے عزت ہے باقی یہ کہ میں یوں ہوں اور ایسا ہوں اور ڈبل پیسہ ہوں یہ سب کاغذ کے پھول ہیں۔

آج کی دنیا بہت ہوشیار ہے

آج کی دنیا تو اتنی ہوشیار ہے کہ جہاں اپنے بارے میں تعریف کے دو چار جملے کہیں گے تو وہ سمجھیں گے کہ یہ تو خود اپنے ہی گیت گاتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ لوگ نہیں سمجھتے، فوراً اندازہ لگا لیتے ہیں اور آج کل ایک مصیبت یہ ہے کہ آپ کی تسبیح آپ کی دُعا اور آپ کی تہجد کو کوئی نہیں دیکھے گا وہ یہ دیکھتے ہیں کہ مولانا کے معاملات ٹھیک ہیں یا گڑبڑ ہیں؟ اور مولانا میں کچھ لالچ تو نہیں ہے؟ مولانا میں کچھ بنانے کا چکر تو نہیں ہے؟ وہ یہی دیکھتے ہیں، نماز تسبیح دعا وغیرہ نہیں دیکھتے۔

دعا کا اہتمام

اور دیکھو! ہماری سب سے بڑی پراپرٹی دعا ہے، آج ہم لوگوں سے اس میں بھی بہت کوتاہی ہو رہی ہے کوئی بھی معاملہ پیش آئے تو فوراً دعا کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہیے جیسے بچہ ہوتا ہے ذرا کسی نے چھیڑا تو ''اوماں'' ذرا کچھ ہوا تو ''اے ابا'' پکارنے لگتا ہے اس لیے کہ وہی اس کی طاقت، وہی اس کی آرمی، وہی اس کا مرکز، اسی طرح ہمارا مرکز وہی ذات کبریاء ہے ہمیں ہر حال میں اسی کو پکارنا چاہیے۔

حضرت تھانویؒ کا کشف

اور سوچو یہ دنیا کب تک ساتھ دے گی؟ بڑے بادشاہ اور سلاطین گذر گئے، آج کوئی نام تک لینے والا نہیں ہے، حضرت تھانویؒ، داتا گنج بخش شیخ علی ہجویریؒ کے مزار پر تشریف لے گئے اور عجیب بات یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی اس قسم کی چیزوں کے بیان کی عادت نہ تھی، فرمایا: اتنے بڑے شخص ہیں کہ میں نے لاکھوں ملائکہ ان کے مزار پر دیکھے اور فرمایا کہ میں نے اس سفر میں اہل اللہ کو ان کی قبروں میں سلاطین کی شکل میں دیکھا اور بادشاہوں کو ان کی قبروں میں مساکین کی شکل میں دیکھا، اور آپ اجمیر بھی تشریف لے گئے فرمایا کہ میں نے بدعات کی ظلمتیں محسوس کیں لیکن خواجہ صاحبؒ کے انوار اتنے قوی ہیں کہ سب پر چھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، اور اپنے حضرت حکیم الاسلامؒ سے یہ بھی سنا کہ شاہ عبدالقادر صاحبؒ جن کا ترجمہ قرآن ہے ان کے باب میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی عبدالقادر کا انتقال جس روز ہوا حق تعالیٰ نے ان کے اکرام میں دہلی کے تمام قبرستانوں کے جن مسلمان مُردوں پر عذاب ہو رہا تھا چوبیس گھنٹہ کے لیے عذاب موقوف کر دیا اتنے بڑے شخص تھے، خیر! یہ بڑے لوگ ہیں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔

مطالعہ بھی ضروری ہے

ہمیں دعاؤں کے اہتمام کے ساتھ ساتھ کتابیں بھی خوب دیکھنا چاہیے، آج ہم لوگوں میں ایک عام کمزوری یہ بھی ہے کہ مطالعہ کا اہتمام نہیں کرتے، میں تو آپ کو اپنا حال بتاتا ہوں یہ پڑھاتے ہوئے ستائیس سال ہو گئے مگر مجھ کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے بڑا جاہل کوئی نہیں اور یہ کوئی تواضع کی بات نہیں ہے واقعی علم اتنا بڑا

سمندر ہے کہ بس سیری نہین ہوتی، اطمینان نہیں ہوتا اور ایسا لگتا ہے کہ کچھ کچھ ہی دیکھا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ کتنا ہی دیکھو مگر سیری نہیں ہوتی، مطالعہ کی بڑی ضرورت ہے، مطالعہ ہمارا ہتھیار ہے اس لیے مطالعہ زیادہ ہونا چاہیے، آج کل مطالعہ کا مزاج ہی نہیں ہے اس کے لیے با قاعدہ وقت مقررہ ہونا چاہیے۔

سعادتوں سے بڑھ کر سعادت

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ حسن خاتمہ کی دعا بہت الحاح کے ساتھ کرنا چاہیے اس لیے کہ تمام بھلائیوں اور سعادتوں سے بڑھ کر سعادت یہ ہے کہ آدمی اس دنیا سے ایمان کے ساتھ جائے، اور ایک ڈر کی بات آپ کو سناؤں! حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض دفعہ زندگی میں ایمان سلب ہو جاتا ہے موت پر اس کا ظہور ہوتا ہے، بڑے ڈر کی بات ہے، اللہ پاک ایمان کی حفاظت فرمائیں۔

ہمارے حکیم صاحبؒ ایک عارفانہ بات کہتے تھے جو بڑی عجیب ہے واقعی بڑوں کی بڑی بات، کہتے تھے کہ بھائی ہم تو کمزور ہیں ہم نے اللہ پاک سے ایک بات یہ کہی کہ اللہ پاک! ہم کمزور اور ضعیف ہیں ہماری اپنی کسی معمولی چیز کی حفاظت ہم سے نہیں ہو پاتی تو ایمان جو ساری کائنات سے بڑی نعمت ہے.... اے اللہ! آپ ہی اس کی حفاظت فرمایئے ہم اپنے ایمان کو آپ کے پاس امانت رکھتے ہین اور امانت کی حفاظت کا آپ نے حکم فرمایا ہے لہذا آپ ہی اپنے فضل سے اسے محفوظ رکھئے اور ان شاء اللہ امید ہے کہ ایمان کے ساتھ جانا ہوگا، چنانچہ واقعی بڑی اچھی اور قابل رشک موت آئی

ایک ضروری تنبیہ

ایک واقعہ اور سننے کے لائق ہے، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ نے ایک

مجلس میں سنایا کہ ایک بزرگ عالم ایک بستی میں گئے کچھ دن ٹھہرے، وہاں لوگوں کو نفع نہیں ہوا تو وہ واپس لوٹے اور جب واپس لوٹے تو ایک اور عالم ملے انہوں نے کہا کہ کہاں گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں فلاں بستی میں گیا تھا کچھ دین کا کام کیا مگر لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوا، وہ بھی بڑے سمجھدار تھے، انہوں نے کہا کہ شاید آپ نے وہاں جا کر ایسا کہا ہوگا کہ میں حقیر، فقیر، سراپا تقصیر، مہا جاہل کوتاہ ہوں، آپ نے یہ سب باتیں عوام کے سامنے کہی ہوں گی؟ انہوں نے کہا ہاں کہی تھیں، تو انہوں نے فرمایا کہ وہاں تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ میں خدائے پاک کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں اور ظاہر بات ہے کہ یہ کچھ غلط بھی نہیں اس لیے کہ ہر کام خدا کی مشیت سے ہوتا ہے اور اگر تم نے نفع نہیں اُٹھایا تو تمہیں نقصان ہو جائے گا وہاں اس کی ضرورت تھی اگر تم اس طرح کلام کرتے تو لوگ فائدہ اُٹھاتے جی تم نے وہاں جا کر یہ کہا کہ میں حقیر فقیر، جاہل گنہگار اور شرمندہ ہوں تو وہ لوگ سوچتے ہوں گے کہ اس کا تو خود ہی ٹھکانہ نہیں ہے یہ ہم کو کیا وعظ و نصیحت کرے گا کیوں کہ بعض لوگ ہر بات کو حقیقت پر ہی محمول کرتے ہیں۔

مردم شناسی اور موقع شناسی کی ضرورت

ضرورت ہے اس کی کہ اپنے طور پر اپنے کو کچھ نہ سمجھو لیکن سامنے والے اگر ایسے ہوں تو تحدیث بالنعمۃ کے طور پر کچھ اظہار بھی کرو ورنہ کبھی لوگ حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں۔

چنانچہ آپ کو ہمارے حکیم صاحبؒ کا ایک واقعہ سناؤں حکیم صاحبؒ کے پاس ایک آدمی نے ایک مریض بھیجا اور اس کے سامنے حکیم صاحبؒ کی بہت تعریف کی کہ بہت قابل ہیں اور ایسے ہیں ویسے ہیں اس نے آ کر کہا کہ حکیم صاحب! آپ کی

بہت تعریف سنی ہے اور تعریف سن کر آپ کے پاس آیا ہوں آپ مجھے دوا دیجیے۔

حکیم صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی! ہماری کیا حیثیت! فن طب تو بہت بڑا فن ہے اس طرح کچھ تواضع کی باتیں کہیں، وہ تھوڑی دیر بیٹھا اور اس کے بعد چلا گیا جب وہ بھیجنے والا ملا تو اس نے پوچھا کہ تم نے حکیم صاحب سے دوائی لی تو وہ کہنے لگا کہ ارے خواہ مخواہ تم نے ان کی تعریف کی وہ تو خود کہتے ہیں کہ مجھے کچھ نہیں آتا۔

اس لیے یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مخاطب کیسا ہے اور اس کے بعد آپ اس کے مناسب کلام کریں، حکیم صاحبؒ بڑے حاذق تھے لیکن آپ پر تواضع بہت غالب تھی وہاں اخفاء ہی اخفاء تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کا فکر انگیز جواب

بہر حال اگر ہم صحیح ہیں اور سارا عالم گالی دے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا اور اگر آپ کچھ نہیں ہیں اور سارا عالم نعرہ لگائے تب بھی کوئی حاصل نہیں اس لیے کہ انجام کی کوئی خیر نہیں۔

حضرت مولانا منظور نعمانی صاحبؒ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ کے نام خط لکھا، حضرت مولانا نعمانی صاحبؒ نے دھولیہ میں سنایا تھا کہ حضرت! مجھے آپ کے کچھ ایسے حالات معلوم ہوئے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ انہیں شائع کردوں کیوں کہ بعض دفعہ چلے جانے کے بعد لوگوں کو علم ہوتا ہے تو انہیں افسوس ہوتا ہے کہ اتنا بڑا انسان دنیا سے چلا گیا اور ہم نے فائدہ نہیں اُٹھایا، تو حضرت شیخ نے جو جواب دیا مولانا منظور صاحبؒ نے روتے ہوئے نقل فرمایا کہ حضرت شیخ نے مجھے لکھا کہ ''بھائی مولوی منظور! تم یہ سب کہہ رہے ہو مگر اعتبار خاتمہ کا ہے اس کی نہ مجھے خبر نہ تمہیں۔''

اگر سارا عالم بھی آپ کے نام کے نعرے لگائے تو کچھ بھی نہیں یہ سب کاغذ کے پھول ہیں اعتبار خاتمہ کا ہے بہت بڑا سینہ ہونا چاہیے ساری دنیا میں شور ہوا کرے بھائی انجام کی کیا خبر؟ دو منٹ بعد بل کہ پل کے بعد کیا ہوگا کسے خبر ہے؟ خاتمہ کا مسئلہ بڑا سنگین مسئلہ ہے اور یہ چیز اپنانے کے لیے ہے۔

اللہ تعالی ہم تمام کو اپنی ذمہ داریوں کا حساس نصیب فرمائے اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان......۹

میں اس کے سوا کس پہ فدا ہوں یہ بتا دے
لا مجھ کو دکھا، ان کی طرح کوئی اگر ہے

اسلاف کا علمی ذوق

(بیان)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

آج ہم نے خداوند تعالیٰ کی ان سب نعمتوں کو سمجھ لیا کہ ہمارے نفس کے واسطے ہیں، اور ہمارے جو فرائض تھے وہ ختم ہو گئے خدا کی نعمتیں جو بطور انعام کے تھیں، بطور اعانت کے تھیں تا کہ ان کے فرائض انجام دینے میں دشواری پیش نہ آئے، وہ ساری استعمال کر رہے ہیں اور جو اصل کام تھا اس کو ختم کر دیا۔

اس واسطے ضرورت ہے کہ حضور ﷺ کا لایا ہوا دین زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے، جو شخص جہاں بھی ہے، جس جگہ بھی ہے ہر شخص کو ہر وقت میں اس کو شائع کرنے اور پھیلانے کا موقع ہے، اپنے بیوی بچوں کو اعزہ واقارب کو، دوست احباب کو، ہر بات میں سکھاتا رہے کہ حضور ﷺ کی تعلیم یہ ہے، حضور ﷺ کی تعلیم یہ ہے، حضور ﷺ کی تعلیم یہ ہے۔

پیراگراف

از بیان فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

کلمہ کی ضرب کا جوگی پر اثر

دہلی میں ایک بزرگ تھے انہوں نے ایک صاحب کو اپنے پاس رکھ کر تربیت کی، ذکر و شغل کی تعلیم دی۔ جب دیکھا کہ پختہ ہو گئے تو ان کو بھیجا کہ ملتان جاؤ، دین کی تبلیغ کرنے کے لیے۔ وہ چلے، ان کی جوانی کا جوش، گرم خون، طبیعت میں بڑا ولولہ۔ چلتے چلتے پانی پت پہنچے۔ پیدل کا راستہ ویسے ہی تھا۔ پانی پت میں ایک جوگی تھا آس پاس کوئی مسلمان گذرتا تو اس کے اوپر حملہ کرتا۔ قلب پر حملہ کرتا، ایمان پر حملہ کرتا اور بہت صاحب تصرف تھا۔ جب یہ پانی پت کے قریب پہنچے۔ اس کو پتہ چلا اس نے پہلے وہیں سے زور لگایا مگر وہ کامیاب نہیں ہوا پھر آیا اور آ کر ان کے سامنے کھڑا ہوا۔ پوچھا تو کون ہے؟ کہاں جاتا ہے؟ کیا کہتا ہے؟ انہوں نے کہا: میں مسلمان ہوں، میں ملتان جاتا ہوں، میں کہتا ہوں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یہ کہہ کر جوگی کے قلب پر ضرب لگائی، ایک ہی ضرب لگی تھی کہ باولہ ہو گیا، دماغ خراب ہو گیا، بھاگا وہاں سے جو شخص ملتا اس کو کہتا کہ دیکھو! ادھر مت جانا، ادھر کو ایک مسلمان ملتان جاتا ہے وہ کہتا ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، وہ کہتا ہے اس کی مت سننا۔ تو جو آیا تھا ان کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے ایمان چھیننے کے لیے انہوں نے اسی کو آلہ کار بنایا۔ اسی کے ذریعہ سے کلمہ پھیلایا۔

پاور ہاؤس سے کرنٹ بند ہو گیا

اُدھر جناب! ان کے شیخ جو دہلی میں تھے ان کو اس کا ادراک ہوا کہ راستہ میں

ایسا ہو رہا ہے، ان کو اس سے گرانی ہوئی۔ گرانی ہوئی تو ادھر سے ان کو (مرید کو) اس کا احساس ہوا۔ کہ پاور ہاؤس سے کرنٹ نہیں آ رہا ہے۔ جیسے کرنٹ آتا ہے اس سے طاقت پیدا ہوتی ہے اب وہ کرنٹ نہیں آ رہا ہے بجائے آگے چلنے کے پیچھے لوٹے ان کے شیخ نے ڈانٹا کہ تم کو ملتان تبلیغ کرنے کے لیے بھیجا تھا راستہ کی تبلیغ کے لیے تو نہیں بھیجا تھا پھر ایک چلہ اور کرایا اس کے بعد تاکید کر کے بھیجا کہ تبلیغ کے لیے ملتان جاؤ۔ وہ ملتان گئے، وہاں اسّی ہزار آدمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔

دنیوی نعمتوں کے بارے میں مسلمان کی سوچ

پہلے یہ تھا کہ جو طاقت بھی مسلمان کو دی جاتی تھی مسلمان سمجھتا تھا کہ دین کی خاطر یہ طاقت دی گئی ہے۔ جسمانی طاقت ہو مادّی، دماغی طاقت ہو، ذہن کی، قلبی طاقت ہو روحانیت کی، مال و دولت کی طاقت ہو، عزت و وجاہت کی طاقت ہو، ہر چیز کو یہ سمجھتا تھا کہ یہ دین کی خاطر مجھے ملی ہے۔ اور ہیں بھی ساری چیزیں دین کے واسطے۔ اسی لیے دی گئی ہیں۔ یہ دنیا عیش پرستی کے لیے تو نہیں ہے یہ تو دین کی خدمت کرنے کے لیے ہے، عیش کا زمانہ تو اس کے بعد آئے گا، اس دنیا کے ختم ہونے کے بعد، آج ہم نے خداوند تعالیٰ کی ان سب نعمتوں کو سمجھ لیا کہ ہمارے نفس کے واسطے ہیں، لہٰذا ہم عیش کے لائق ہیں اور ہمارے جو فرائض تھے وہ ختم ہو گئے۔ اپنے فرائض ترک کر دیئے۔ خدا کی نعمتیں جو بطور انعام کے تھیں، بطور امانت کے تھیں تاکہ ان کے فرائض کے انجام دینے میں دشواری پیش نہ آئے وہ ساری استعمال کر رہے ہیں اور جو اصل کام تھا اس کو ختم کر دیا۔ بس۔

حضور ﷺ کی تعلیمات کو زندہ کرنے کی ضرورت

اس واسطے ضرورت ہے کہ حضور ﷺ کا لایا ہوا دین زیادہ سے زیادہ پھیلایا

جائے جو شخص جہاں بھی ہے جس جگہ بھی ہے۔ ہر شخص کو ہر وقت میں اس کے شائع کرنے اور پھیلانے کا موقع ہے، اپنے بیوی بچوں کو، اعزہ اقارب کو دوست احباب کو ہر بات میں سکھاتا رہے کہ حضور ﷺ کی تعلیم یہ ہے حضور ﷺ کی تعلیم یہ ہے۔

ہمارے بڑوں کا علمی ذوق

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ ایک مرتبہ سہارن پور تشریف لائے علاج کے سلسلہ میں۔ حضرت مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیثؒ نے تلبینہ تیار کرایا (تلبینہ کھانے کی ایک قسم ہے) اور تیار کرا کے حضرت کی خدمت میں بھیجا اور ایک پرچہ بھی ساتھ رکھا کہ حضرت کے اطمینان کے لیے عرض کرتا ہوں کہ معالج سے میں کھانے کے اجزاء کی ہیئتِ ترکیبیہ بتا کر تحقیق کر لی ہے، معالج نے کہا ہے کہ حضرت کے مزاج خلاف نہیں، طبع کے خلاف نہیں۔ اور فلاں حدیث میں اس کی ترغیب وارد ہے، حدیث بھی لکھی، مقوی قلب ہے، لہذا حضرت کی خدمت میں پیش ہے نوش فرمالیں۔ قبول فرمالیں مادّی نفع بھی بتادیا اور عدم مضرت بھی ظاہر کردیا اور جتنی دین کی بات تھی کہ ترغیب آئی ہے حدیث میں وہ بھی بتادی۔ یہ اس واسطے دین کی بات نہیں بتائی کہ حضرت تھانویؒ کے علم میں نہیں تھی حضرت تھانویؒ تو بحر ذخار تھے علوم کے، بس اپنا جو شغل تھا رات دن کا کہ حدیث کی اشاعت ہو، دین کی بات پھیلے، چرچے میں آئے، تاکہ ذہن علمی ذہن بنے ذوق علمی ہو، جو بات ہو بڑوں سے ہو چھوٹوں سے ہو سب علمی باتیں ہوں۔

ہمارے اسلاف کا ذوق اتباع

حضرت تھانویؒ نے وہ پرچہ پڑھا اور اس کا جواب لکھا۔

مجی ومحبو بی! آپ نے جوشِ محبت میں اصول کی رعایت نہیں کی مجھے پہلے ہی

حدیث سنادی، اب اندیشہ مجھے یہ ہے کہ اگر مجھے کھانے کے لیے پسند نہ آئے مزہ نہ لگے تو جس چیز کی حدیث شریف میں ترغیب آئی ہے اس سے بدمزگی اور ناپسندیدگی لازم آئیگی۔ پہلے مجھے پیش کرتے، میں اگر اس کو پسند کرلیتا، پھر حدیث سناتے تو زیادہ راحت ملتی۔ اب یہ ہے کہ جو چیز حدیث کی ترغیب کی ہے مجھے اس میں مزہ نہ لگے تو پھر کیا ہوگا؟! (تو یہ حضرات حضور ﷺ کی احادیث وروایات کی اس قدر رعایت رکھنے والے تھے کہ طبعی طور پر اگر کسی چیز میں مزہ نہ لگے اور حدیث میں اس کی ترغیب آئی ہو تو یہ بھی برداشت نہیں تھا ان کو)

ایسے بزرگوں پر بھی گستاخی کا الزام

(ان بزرگ ہستیوں کے متعلق یوں کہا جاتا ہے کہ یہ توہین کرتے ہیں گستاخیاں کرتے ہیں حضور ﷺ کی، غور کیجیے کہ ان کے برابر حدیث کی قدر کرنے والا کوئی ملے گا) لہذا آپ کا تحفہ جواب کے انتظار میں رکھا ہے۔ پرچہ بھیج دیا جیسے جواب آئے۔ یہ بھی نہیں کیا کہ اس تحفہ کو واپس کردیتے دل شکنی کا باعث ہوتا اس کی بھی رعایت کی حضرت تھانویؒ نے۔ اس کو رکھ دیا۔ پرچہ جواب کے لیے بھیج دیا۔

ہمارے بڑوں کا آپسی تعلق

حضرت شیخ الحدیثؒ نے جواب لکھا۔

حضرت! کھانے کا لذیذ اور غیر لذیذ ہونا یہ زیادہ تر پکانے والے کی مہارت پر موقوف ہے، جو ماہر ہوتا ہے تو معمولی چیز کو بھی لذیذ پکا دیتا ہے۔ اور جو اناڑی ہوتا ہے تو عمدہ چیز بھی اس کی پکائی ہوئی اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ اگر یہ مزیدار نہ ہو لذیذ نہ ہو تو اس کو محمول کیا جاوے پکانے والے کے فعل کی طرف کہ جس چیز کی ترغیب حدیث میں آئی ہے وہ ان کے قابو میں آئی نہیں۔

دوسرے یہ کہ حدیث میں اس کو مفید کہا گیا ہے لذیذ نہیں کہا گیا۔ دوا مفید ہوتی ہے مزیل مرض ہوتی ہے لیکن لذیذ نہیں ہوتی، تیسرے یہ کہ اگر ناپسند بھی ہوتو فلاں روایت میں ہے کہ یَکْرَہُ الْمَرِیْض۔ مریض کو ناگوار گذرتی ہے اس سے تو حدیث کی اور زیادہ تقویت ہوگی تائید ہوگی۔ اس لیے نوش فرمالیں۔

حضرت تھانویؒ نے اس کو نوش فرمالیا۔ اور کچھ نہیں فرمایا کہ لذیذ معلوم ہوئی یا غیر لذیذ معلوم ہوئی۔ ان حضرات کا ذوق علمی ذوق تھا۔ احادیث اور روایات سامنے ہیں ہر چیز میں یہ حضرات چاہتے ہیں کہ حدیث پر عمل ہو کوئی چیز حدیث کے خلاف نہ ہو۔

حضور ﷺ کے ہر قول و فعل میں اتباع کا شوق

ایک دفعہ کوئی چیز تھی تقسیم کے لیے کسی کو دی۔ انہوں نے تقسیم کردی اخیر میں حضرت شیخ نے فرمایا کہ اب اور تم ہی رہ گئے بس۔ یہ کیا ہے؟ اب تو میں اور تم ہی رہ گئے، حضور ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ دودھ کا پیش کیا گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ فاقہ سے تھے ان کے جی میں آیا کہ یہ تو میرے ہی لیے کافی تھا مجھے ہی عنایت فرمادیتے اور مجھے ہی حکم فرمادیا کہ سب کو پیش کروں، اور ایک ایک کو دیتے جاتے وہ جتنا پیتے، پھر حضور ﷺ کی طرف دیکھتے کہ شاید اب بھی کہدیں پینے کے لیے۔ یہاں تک کہ سب کو پلادیا۔ تب حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب تو میں اور تم ہی رہ گئے۔ اتنی بات میں حدیث کا اتباع ہوگیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ان حضرات کے علوم تازہ رہتے تھے۔

ایک سفر میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ دونوں تھے کسی جگہ پہنچ کر قیام فرمایا۔ ایک صاحب جو حضرت تھانویؒ کے خدام میں تھے، انہوں نے گھڑی پیش کی حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ہدیۃً۔ حضرت تھانویؒ کے یہاں ہدیہ قبول کرنے کے بھی بڑے شرائط تھے، جلدی سے قبول نہیں کرلیتے تھے اور مستثنیات بھی تھے۔

پکی قسمت کا تھا ساری ضدیں پوری کر گیا

ایک شخص لال شکر گڑ کی جو اس کے یہاں کھیت میں گنے کی بنتی تھی۔ ذرا سی لے کر آیا اور حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرت نے قبول فرما لی اور تقسیم بھی کرا دی وہ ذرا ذرا سی آئی حصہ میں۔ سب نے کھالی، اس کے بعد کہنے لگا:

حضرت جی! میں مرید ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے یہاں تو یہ قانون نہیں مرید کرنے کا۔ اس نے کہا میں قانون نہیں جانتا، میں تو مرید ہوں گا۔ حضرت نے کہا کہ بھئی ہم اس طرح سے مرید نہیں کیا کرتے۔ اس نے کہا کہ اچھا تو پھر میری شکر واپس کردو۔ حضرت نے فرمایا کہ شکر تم نے اس واسطے دی تھی؟ کہنے لگا کہ ہاں میں نے تو اسی واسطے دی تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ تو نے بتایا کیوں نہیں تھا؟ کہا کہ آپ نے پوچھا کہاں تھا؟ پوچھتے تو بتاتا۔ فرمایا کہ اچھا کتنی تھی شکر۔ اس نے کہا کہ کتنی وتنی نہیں میں تو وہی لوں گا۔

حضرت نے اُسے مرید کرلیا۔ جب سب طرف سے راستہ بند ہو گیا تو س نے کہا کہ اجی مجھے وظیفہ بھی بتادو۔ حضرت کے یہاں یہ دونوں کام ساتھ نہیں ہوتے تھے کہ بیعت بھی ہو جاویں اور وظیفہ بھی بتا دیں، حضرت نے اس کو وظیفہ بھی بتا دیا۔ اس نے کہا کہ اجی مجھے تبرک بھی دے دو۔ حضرت نے ایک تسبیح دی تبرک میں۔ اس نے کہا اجی میں خدمت بھی کروں گا۔ حضرت نے پیر آگے کو پھیلا دیا۔ اس نے دبالیا پھر چلا گیا۔ حضرت نے بعد میں فرمایا کہ بڑی پکی قسمت کا تھا اپنی ساری ضدیں پوری کر گیا۔

حضرت تھانویؒ کا ہدیہ قبول کرنے میں اصول

اور جہاں کہیں رد و قدح ہوتا تھا وہاں یہ بھی ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے

اپنے کھیت سے ایک ککڑی لاکر پیش کی۔ حضرت نے فرمایا تم نے اس ککڑی کو پیش کرنے سے پہلے پیش کرنے کی اجازت مجھ سے کیوں نہیں طلب کی۔ کہا کہ حضرت غلطی ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کی سزا تجویز کرو۔ اس نے کہا: حضرت جو سزا تجویز فرمادیں۔ فرمایا کہ اچھا دیکھو وہ اعلان لگا ہوا ہے اس میں ہدیہ پیش کرنے کا قانون ہے۔ اس کو پڑھو اور پڑھنے کے بعد آکر مجھ سے اجازت طلب کرو ککڑی پیش کرنے کی جب میں اجازت دوں تب پیش کرو۔ اس نے کہا وہ اعلان تو میں نے پہلے ہی پڑھ لیا تھا۔ فرمایا کہ تم نے اور تکلیف پہنچائی۔ اس نے کہا کہ غلطی ہوگئی؟ حضرت نے فرمایا کہ سزا تجویز کرو اس نے کہا، جو آپ تجویز فرمادیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا ککڑی اٹھاؤ۔ اپنے کھیت پر جاؤ۔ کھیت سے پھر آ ؤ۔ پھر اس اعلان کو پڑھو۔ پڑھکر مجھ سے اجازت طلب کرو پھر پیش کرو۔ اس نے کہا اجی حضرت جی میں کھیت میں جاتا پھروں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ تم نے اور تکلیف پہنچائی۔ اس نے کہا کہ غلطی ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ تو سزا ہونی چاہیے اس نے کہا کہ سزا جو آپ تجویز کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ ککڑی اٹھاؤ اور چلے جاؤ اور آئندہ مت آنا۔ بس وہ اپنی ککڑی اٹھا کر **السلام علیکم** کہہ کر چل دیا حضرت نے کہا **وعلیکم السلام**۔

ہدیہ دینے والوں کے عجیب حرکات

اور جو ہدیہ دینے والے ہوتے تھے وہ بھی عجیب عجیب حرکتیں کرتے تھے۔ ایک صاحب مہمان آئے۔ اس زمانہ میں اسٹیشن تھانہ بھون کا نہیں تھا جلال آباد کا تھا۔ ایک مزدور کے سر پر تین مٹکیاں لے آئے اور خانقاہ کے دروازہ پر پہنچ کر اس کے پیسے دے رہے تھے۔ پیسے دینے میں گڑبڑی ہوگئی وہ کچھ زیادہ مانگتا ہے وہ کچھ کم دیتے ہیں۔ بہر حال وہ تو نمٹ گیا۔

ادھر حضرت تھانویؒ بھی دروازے پر پہنچ گئے، سلام ومصافحہ کیا اور مٹکیاں پیش کیں۔ حضرت نے پوچھا کہ یہ کیا؟ کہا کہ بالوشاہی ہے ہدیہ ہے آپ کی خدمت میں، فرمایا کہ تم نے اجازت مانگی تھی؟ کہا جی ہاں۔ پھر خط دکھلایا اس میں لکھا تھا کہ میرے یہاں بالوشاہی بہت لذیذ ہوتی ہے۔ مجھے اجازت دیجیے خدمت میں لانے کے لیے۔ حضرت نے فرمایا کہ اجازت ہے صرف تین عدد لانے کی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس میں تین عدد لکھی ہے کہا کہ بس تین ہی ہیں اس نے باقاعدہ حلوائی سے بنوائی ایک ایک بالوشاہی ایک ایک مٹکے کی۔ اس نے کہا کہ حضرت میرا جی چاہتا تھا کہ میں زیادہ لاؤں مگر حضرت نے پابندی عائد کردی تو اس کی اس کے سوا کیا صورت ہوسکتی تھی؟ جتنی حضرت گرفت کرتے تھے ہوشیار لوگ اس گرفت سے بچ کر نکلنا چاہتے تھے۔

تین سطریں ناک کے برابر

ایک صاحب عالم آدمی لمبے لمبے خطوط لکھتے تھے۔ اصلاحی خطوط ہوتے تھے، حضرت نے لمبے خطوط لکھنے کو منع فرمایا اور فرمایا کہ ایک خط میں تین سطر سے زائد مت لکھو۔ اچھی بات ہے۔ اب کے لفافہ جو بھیجا ہے لمبا کاغذ لے کر اور اس کی پوری لمبائی میں تین سطریں لکھی تھیں۔ حضرت نے فرمایا: یہ دیکھیے یہ انہوں نے میری تحریر کا حاصل نکالا ہے حضرت نے اس کو پڑھا نہیں اور لکھ دیا کہ تین سطریں لکھو ناپ کر ناک کے برابر۔

حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ حضرت! یہ بھی لکھ دیجیے ٹانگ کے برابر نہیں میں نے کہا یہ بھی غنیمت ہے یہ نہیں لکھا کہ کس کی ناک کے برابر؟ اگر ہاتی کی ناک کے برابر لکھ دے تو اور زیادہ بات بڑھے گی۔ اس قسم کی چیزیں چلتی رہتی تھیں

حضرت مدنیؒ کی پہلی مرتبہ تھانہ بھون حاضری

مگر اس سب کے ساتھ حضرت کے یہاں کچھ مستثنیات بھی ہوتے تھے۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے دریافت کیا کہ حضرت! پہلی مرتبہ آپ تھانہ بھون گئے تھے تو کیا صورت پیش آئی تھی؟ فرمایا میں گیا ہوں۔ رات کو گاڑی پہنچی۔ اور میں اپنا بستر سر پر رکھ کر جلال آباد سے وہاں تک پہنچا پوچھ پاچھ کر کہ خانقاہ کا دروازہ کدھر ہے کھٹکھٹایا۔ خانقاہ کا ملازم آیا۔ اس نے کواڑ تو کھولے نہیں، کواڑ کے آڑ میں پوچھا کون؟ میں نے کہا حسین احمدؒ۔ کہا یہاں دروازہ بند ہونے کے بعد کھلنے کا قانون نہیں۔ سوچا۔ اب کہاں جاؤں؟ کسی سے جان پہچان نہیں۔ آخر حضرت تھانویؒ کا مکان پوچھ کر وہاں جا کر دروازہ کے سامنے بستر بچھا کر لیٹ گیا، صبح ہوئی بستر لپیٹا۔ حضرت تھانوی تشریف لائے دروازہ کھولا۔ حضرت نے فرمایا کون؟ عرض کیا حسین احمدؒ۔ فرمایا ہائیں۔ تم یہاں اس وقت کیسے؟ فرمایا کہ حضرت کا قانون کسی غریب کو خانقاہ میں داخلہ کی اجازت دیتا ہے؟ وہاں غریبوں کے لیے دروازہ نہیں کھلتا ہے، یہ صورت پیش آئی۔ بس حضرت خانقاہ اپنے ساتھ لے گئے اور پہلا کام یہ کیا کہ اپنے خادموں سے جا کر کہا کہ دیکھو! یہ مستثنیٰ ہیں جب آئیں ان کے لیے دروازہ کھول دینا۔ اس لیے مستثنیات بھی ہوتے تھے۔

حضرت تھانویؒ کا انداز تربیت

اور جو بغیر استثناء کے ہو اس کے ساتھ، معاملہ دوسرا بھی کیا جاتا تھا، کسی شخص پر خفا ہو گئے تھے، حضرت تھانویؒ نے اصلاحی معاملہ میں اس کو کہہ دیا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور اپنے خادم سے فرمایا کہ اس کا سامان نکال دو باہر۔ ایک دوسرے مہمان آئے تھے وہ بہت پرانے تھے ان یہ حالت دیکھ کر ترس آیا۔ کہا کہ آپ کا یہ کیسا طریقہ ہے؟ کس طرح سامان نکال کر باہر کر دیا۔ خادم کو حضرت نے آواز دی اور فرمایا ان کا بھی سامان باہر نکال دو۔ یہ اپنی اصلاح کے لیے آئے ہیں یا میری

اصلاح کے لیے۔ اس واسطے یہ قوانین چلتے تھے۔ تو وہ گھڑی پیش کی حضرت نے قبول فرمالی۔

حضرت سہارنپوری کا حضرت تھانویؒ سے گھڑی خریدنے کا واقعہ

دوسرے وقت تنہائی میں جب کوئی اور نہیں تھا حضرت سہارن پوریؒ نے کہا حضرت تھانویؒ سے: اگر یہ گھڑی آپ کی ضرورت سے زائد ہو تو مجھے دے دیجیے میں اس کو خرید لیتا ہوں، حضرت تھانویؒ نے کہا کہ خریدنے کی کیا بات ہے؟ میں بھی آپ کا گھڑی بھی آپ کی، پیش خدمت ہے۔ حضرت سہارن پوریؒ نے کہا کہ میں خریدنے کی ابتدا کر چکا ہوں۔ اس لیے اب اس کے ہدیہ ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ ورنہ تو یہ حسن طلب سمجھا جائے گا۔ اگر آپ از خود پہلے ہدیہ دیتے تو دوسری بات تھی۔ اب تو میں خریدنے کی ابتدا کر چکا ہوں۔ تھوڑے سے ردوقدح کے بعد میں معاملہ ہو گیا فروخت کر دی۔ انہوں نے خرید لی، رکھ لی، بات چھپی نہیں رہتی۔ ہوا ہی لے جا کر پہنچا دیتی ہے۔ آج کل تو ریڈیو میں ہوائیں پہنچاتی ہیں گھڑی پیش کرنے والے کے پاس پہنچ گئی۔ ان کو قلق ہوا کہ میں روپیہ بھی پیش کر سکتا تھا۔ میرا مقصود یہ تھا کہ حضرت گھڑی کو اپنے استعمال میں رکھیں۔ حضرت کو بھی ان کی دلداری منظور تھی۔ حضرت تک خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت سہارن پوریؒ سے کہا کہ حضرت وہ گھڑی واپس کر دیں مجھے دیدیں۔ فرمایا کیوں؟ کیا خیارِ شرط تھا؟ فرمایا کہ خیارِ شرط تو نہیں تھا مُہدی کو اس سے بہت ہی گرانی ہوئی۔ حضرت نے فرمایا کہ کیا یہ شرط تھی کہ اگر مُہدی کو گرانی ہوگی تو واپس کر دی جائے گی کہا کہ شرط تو یہ بھی نہیں تھی بیع تو مکمل ہو گئی تھی۔

اقالہ میں تراضی طرفین شرط ہے

پھر عرض کیا کہ حضرت اقالہ فرمالیں۔ فرمایا کہ اقالہ کے لیے تراضیٔ طرفین

شرط ہے میں تو رضامند نہیں اقالہ کے لیے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت آپ میرے بڑے ہیں میں چھوٹا ہوں۔ بڑے چھوٹوں کے خاطر رضامند ہوجایا کرتے ہیں۔ آپ بھی رضامند ہوجائیے۔ اس میں کیا بات ہے یعنی قانون تو ہوگیا ختم، ضابطہ کی اب کوئی بات نہیں کہہ سکتے، اب تو رابطہ کی بات ہے رابطہ سے کام لینا ضرر کیا۔ حضرت سہارن پوریؒ نے جواب دیا کہ میں ضرور واپس کردیتا لیکن بات دوسری ہے وہ یہ کہ گھڑی میں نے اپنے لیے نہیں خریدی میرے ایک دوست نے مجھے وکیل بنایا تھا اور کہا تھا کہ میرے لیے ایک گھڑی خرید لینا۔ میں اس کی نیت سے خرید چکا ہوں یہ گھڑی اس کی ہوگئی۔ اس نے مجھے وکیل بالشراء بنایا تھا، وکیل بالبیع نہیں بنایا تھا یہ نہیں کہا تھا کہ میری گھڑی بیچ دیجیے گا وکیل کے جو حقوق ہوتے ہیں تصرف کے وہ مؤکل کے اعطاء تک محدود رہتے ہیں مؤکل نے مجھے اتنا ہی حق دیا تھا کہ اس کے لیے گھڑی خریدلوں۔ یہ حق نہیں دیا تھا کہ اس کے لیے بیع بھی کردوں۔ بات ختم ہوگئی اب آگے کچھ نہیں۔

ہمارے بڑوں کی باتیں علمی ہوا کرتی تھیں

دوسرے روز مجلس میں جب وہ صاحب بھی آئے جنہوں نے گھڑی ہدیہ کی تھی۔ اس وقت حضرت سہارن پوریؒ نے گھڑی نکال کر حضرت تھانویؒ کے سامنے رکھ دی، لیجیے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ حضرت آپ نے فرمایا تھے کہ گھڑی میں نے اپنے لیے نہیں لی۔ دوسرے کے لیے لی اس نے مجھے وکیل بالشراء بنایا تھا وکیل بالبیع نہیں بنایا، واپس کرنے کا حق مجھے نہیں۔ فرمایا کہ بات اسی طرح ہے اس میں کوئی توریہ نہیں بنایا، واپس کرنے کا حق مجھے نہیں۔ فرمایا کہ بات اس طرح ہے اس میں

کوئی توریہ نہیں لیکن مجھے ان پر اعتماد ہے میں ان سے کہوں گا کہ میں نے آپ کے لیے گھڑی خرید لی تھی اور پھر میں نے اس کو فروخت کر دیا، واپس کردی تو ان کو اس سے گرانی نہیں ہوگی۔ ان کے یہاں باتیں ہوتی تھیں تو علمی ہوتی تھیں، مسائل نکلتے تھے۔ سننے والوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا۔

اس واقعہ سے بہت سے مسائل معلوم ہوئے۔ ہدیہ دینے کا خاص ادب بھی معلوم ہوا کہ دینے کے بعد گرانی نہیں ہونی چاہیے۔ بل کہ جس کو دیا ہے اس کو پورا اختیار ہے جو چاہے تصرف کرے۔

ہمارے بڑوں کی ایک مسئلہ میں بحث

ایک مرتبہ حضرت رائے پوریؒ تشریف لائے ہوئے تھے سہارن پور۔ وہ زمانہ مجلس احرار و مسلم لیگ کی سیاسی کش مکش کا تھا، مولانا حبیب الرحمن لدھیانویؒ رئیس الاحرار بھی آئے ہوئے تھے۔ ایک صاحب حضرت رائے پوری کے خادم جو بہٹ کے رہنے والے تھے وہ مسلم لیگ کے آدمی تھے وہ آئے اُن کی وجہ سے حضرت رائے پوری کھڑے ہوئے تعظیم کے لیے۔ شیخ بھی کھڑے ہوئے اس وقت چلتے پھرتے تھے خوب، مولانا حبیب الرحمن صاحب کی طرف رخ نہیں کیا۔ مصافحہ کرنے کے لیے۔ بل کہ جو بات کرنی تھی دو تین منٹ میں حضرت رائے پوریؒ سے بات کر کے وہ چلے گئے۔ جب وہ چلے گئے تب مولانا حبیب الرحمن صاحبؒ نے کہا مجھے احساس ہو رہا ہے کہ میں نے غلطی کی۔ مجھے بھی کھڑا ہو جانا چاہیے تھا جب اتنے بڑے بڑے بزرگ کھڑے ہو گئے تو مجھے بھی کھڑا ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر بیہقی کی روایت میں کہ جو شخص کسی مالدار کے سامنے جھکتا ہے تواضع کرتا ہے تو اس کا ایک تہائی دین برباد ہو جاتا ہے اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ ابھی دوسری روایت بھی ہے جس

میں ہے اِذَا جَاءَ کُمْ کَرِیْمُ قَوْمٍ فَاَکْرِمُوْہُ اکرام کرنے کا بھی حکم ہے جب کوئی قوم کا کریم آئے تو اس کا اکرام بھی کرنا چاہیے۔ تو کہا حضرت! یہ تو دونوں روایتوں میں تعارض ہو گیا۔ یہ تعارض کیسے دفع ہو گا؟ حضرت رائے پوریؒ نے بھی فرمایا کہ ہاں جی۔ شیخ نے کہا کہ حضرت آپ بیان فرمائیں حضرت رائے پوری نے فرمایا کہ آپ بیان فرمائیں۔

دو حدیثوں میں بظاہر تعارض اور اس کا دفعیہ

حضرت شیخ نے فرمایا کہ اچھا حضرت میں کہوں گا اس شرط پر کہ حضرت اس پر پورا تبصرہ کریں۔ پوری تنقید کریں۔ یہ نہیں کہ حضرت ٹھیک ہے حضرت ٹھیک ہے، حضرات رائے پوریؒ نے فرمایا کہ جب وہ بات ٹھیک ہو گی تو پھر تو یہی کہوں گا کہ حضرت ٹھیک ہے، حضرت ٹھیک ہے، یہ تو کہنے سے رہا کہ حضرت نے جو فرمایا وہ ٹھیک نہیں ہے تب شیخ نے فرمایا کہ بیہقی کی روایت میں ہے مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِیٍّ لِغِنَائِهٖ ذَهَبَ ثُلُثَا دِیْنِهٖ: دو تہائی دین جاتا رہے گا، تواضع کا تعلق قلب سے ہے۔ قلب تو صرف اللہ کے سامنے جھکنے کے لیے ہے کسی مالدار کے سامنے جھکنے کے لیے نہیں بنایا گیا ہے۔ اکرام کا تعلق ظاہری معاملہ سے ہے ظاہری معاملہ کرنا اور چیز ہے قلب کا جھکنا اور چیز ہے۔ حضرت بہت خوش ہوئے۔ شیخ نے فرمایا کہ حضرت! جب دو بظاہر متعارض حدیثوں میں تطبیق سمجھ میں آتی ہے، تو اتنی مسرت ہوتی ہے کہ کسی چیز میں اتنی مسرت نہیں ہوتی۔ یہ علمی نظر کی بات ہے چلتے چلتے، اٹھتے، بیٹھتے، بات چیت کرنے ہر جگہ میں علمی بات ہوتی تھی۔ حضور ﷺ کے طریقہ پر ہوتی تھی۔ تاکہ حضور ﷺ کی مبارک زندگی ہمیں مستحضر رہے اور یہ تصور ذہن سے غائب نہ ہونے پائے کہ میں آزاد ہوں۔ بل کہ ہم اس لیے پیدا ہوئے ہیں کہ اپنی زندگیوں کو حضور ﷺ

کی مبارک زندگی کے تابع کریں ان کا اتباع کریں۔اس لیے پیدا ہوئے۔

بزرگوں کی صحبت میں ذوق ملا کرتا ہے

حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ مشائخ اور بزرگوں کے پاس رہ کر کیا چیز حاصل کی جاتی ہے علم حاصل نہیں کیا جاتا بل کہ ذوق حاصل کیا جاتا ہے کہ ان کا ذوق کیا ہے؟ اس ذوق کو حاصل کرنے کے لیے صحبت کو اختیار کیا جاتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ نے لکھا ہے: اہل علم جب غیر عالم کے ہاتھ پر بیعت ہوتے تو مقصود یہ نہیں ہوتا کہ ان کے مسائل دریافت کریں بل کہ مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو مسائل کتابوں میں اساتذہ سے پڑھے تھے نفس کی کاہلی اور سستی کی وجہ سے ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔

حضرت گنگوہیؒ کی حضرت حاجی صاحب سے ایک مسئلہ میں معذرت

جب حضرت گنگوہیؒ حجاز گئے اور حضرت حاجی امداد اللہؒ کے یہاں مہمان ہوئے وہاں اسی زمانہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے پاس دعوت آئی مجلس میلاد کی۔ انہوں نے منظور کی اور حضرت گنگوہی سے پوچھا کہ مولانا آپ چلیں گے۔

حضرت گنگوہیؒ نے معذرت کر دی کہ میں نہیں جاتا اور بہت اچھے الفاظ میں معذرت پیش کی کہ حضرت ہم ہندوستان میں اس سے منع کرتے ہیں وہاں خرافات بہت ہوتے ہیں۔ یہاں خرافات نہیں ہوتے۔ خرافات ہونے اور نہ ہونے کو تو کوئی دیکھے گا نہیں، بات ہندوستان میں پہنچے گی۔ یہی کہیں گے کہ یہاں فتویٰ ناجائز ہونے کا دیتے تھے۔ وہاں پیر کے ساتھ جا کر شرکت بھی کر آئے۔ اس واسطے میں معذرت چاہتا ہوں۔

حضرت حاجی صاحب تشریف لے گئے اور جب واپس آئے تو فرمایا مولانا!

اگر آپ میرے کہنے پر چلتے تو مجھے اس سے اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی آپ کے اس انکار سے خوشی ہوئی۔ اور جب حاجی صاحبؒ گئے مجلس میں تو حضرت گنگوہیؒ کے ایک خادم چپکے سے گئے اور وہاں سے آ کر عرض کیا کہ اگر حضرت گنگوہیؒ اس مجلس کو دیکھتے تو اس کو منع نہ کرتے۔ وہاں تھا ہی کچھ نہیں۔

مسئلہ مجلس میلاد میں اختلاف اور اس کی اصل بنیاد

حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ اصل مسئلہ ایک اور ہے جو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے درمیان مختلف فیہا ہے اصولی حیثیت سے اگر کوئی چیز مندوب و مستحب ہو اور اس کے اندر منکرات شامل ہو جائیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ تو فرماتے ہیں کہ اس کا استحباب ہی ختم ہو جاتا ہے وہ چیز منکر اور مکروہ ہو جاتی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا استحباب جوں کا توں باقی رہتا ہے البتہ منکرات کو زائل کرنے کی ضرورت ہے تو حضرت گنگوہیؒ اختیار کرتے تھے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو۔ کہ ان چیزوں میں منکرات ایسے شامل ہو گئے کہ ان سے چھٹکارا دشوار ہے لہذا استحباب ہی ختم ہو گیا۔ اور ہمارے حضرت حاجی صاحبؒ اختیار کرتے تھے حضرت امام شافعی کے مسلک کو کہ منکرات کے باوجود اس کو مستحب قرار دیتے تھے اور منکرات کو منع کر دیتے تھے اسی وجہ سے کتابوں میں مسئلہ لکھا ہے کہ اصل ان امور کی درست ہے۔ تقییدات زوائد یہ غلط ہیں۔ مگر ان سے چھٹکارہ ہوتا نہیں، اس میں مبتلا ہو کر رہتا ہے۔

حضرت سہارن پوری کا حضرت گنگوہی سے مشورہ

حضرت مدنیؒ کہتے تھے کہ ایک زمانہ میں میرے بڑے بھائی حضرت گنگوہیؒ کی ڈاک کا جواب لکھتے تھے۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب بھاولپور میں تھے

وہاں سے انہوں نے لکھا کہ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میں ملازمت چھوڑ دوں اور اپنے گھر آ کر بیٹھ جاؤں۔ یکسوئی اختیار کروں؟ تو حضرت گنگوہیؒ نے منع فرمایا۔ میرے بھائی نے کہا کہ حضرت کیوں منع کرتے ہیں ان کو نفع ہوگا، فائدہ ہوگا۔ اس سلسلہ میں حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ فائدہ ہوگا تو پوچھنے کے نہیں؛ چھوڑ کے آ بیٹھیں گے۔ یہ پوچھنا خود بتا رہا ہے کہ ابھی یکسوئی سے فائدہ نہیں ہوگا۔

حضرت نانوتویؒ کا حضرت حاجی صاحبؒ سے مشورہ

حضرت نانوتویؒ نے پوچھا تھا حضرت حاجی صاحبؒ سے کہ ملازمت توکل کے خلاف ہے چھوڑ دوں کیا؟ حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ جب پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آوے تو چھوڑ دینا۔ حضرت تھانویؒ نے اس کی تشریح کی کہ پوچھنا دلیل ہے تذبذب کی اور تذبذب دلیل ہے توکل تام نہ ہونے کی۔

بہرحال مقصد یہ ہے کہ ان حضرات اکابر کا مزاج دینی مزاج تھا۔ علمی مزاج تھا۔ ہر ہر چیز میں اتباع سنت کا لحاظ ہوتا تھا۔ اللہ پاک ہم سب کو سنت کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.......(۱۰)

ارض وسما ہے جس کے تصور سے پاش پاش
انسان ہے وہ بار امانت لیے ہوئے

امت کا مشترکہ سرمایہ

(خطاب)

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نوراللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

میرے عزیزو! یہ نہ سمجھو کہ ای زمانے کے قیصر وکسریٰ کا تختہ الٹنا ناممکن ہے، یہ خیال غلط ہے، وہی روش اختیار کرو، پھر وہی ہوسکتا ہے۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں "لَنْ يُفْلِحَ آخِرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا بِمَا أَفْلَحَ أَوَّلُهَا" اس امت کے پیچھے لوگ فلاح نہیں پاسکتے مگر جس چیز سے پہلے لوگوں نے فلاح پائی ، صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقہ پر چلو ان شاء اللہ کامیابی حاصل ہوگی۔

پیراگراف

از بیان حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

عقل سب سے بڑی نعمت اور علم سب سے بڑا کمال ہے

تمام حکماء اور عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ عقل سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں اور علم سے بڑھ کر کوئی کمال اور فضیلت نہیں۔ اگر عقل ہے اور علم نہیں تو اس کی مثال عریاں اور برہنہ کی ہے، اگر خدانخواستہ عقل ہی نہیں تو پھر زندگی ہی نہیں ایک مردہ انسان زندہ مجنون سے بہتر ہے۔ معاش ہو یا معاد، دین ہو یا دنیا، سب کا دارو مدار علم پر ہے۔

علوم وفنون کی کوئی حد اور شمار نہیں لیکن اصل علم وہ ہے جو اوپر سے آیا ہو۔ اور جس سے خداوند ذوالجلال کی معرفت اور اس کی اطاعت اور عبودیت کا طریقہ معلوم ہو۔

علم کی دو قسمیں ہیں

علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک علم دین ہے دوسرا علم دنیا۔

علم دین سے وہ علم مراد ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے احکام کا علم ہو اس کی اطاعت کا طریقہ معلوم ہو، اور علم دنیا سے وہ علم مراد ہے جو دنیاوی منافع کے حصول کا ذریعہ ہو۔

علم دنیویہ کی بہت سی قسمیں ہیں جن کی بعض قسمیں تو شریعت کی نظر میں مباح اور جائز ہیں اور بعض مکروہ ہیں اور بعض حرام ہیں۔ جن کی تفصیل درمختار کے شروع ہی میں مذکور ہے اور مسلمان کا مسلمان ہونے کی حیثیت سے علم دین مقصود اول ہے اور

علم دنیا مقصود ثانوی کے درجہ میں ہے۔

مومن اور کافر میں نظریاتی فرق

مومن اور کافر میں فرق یہی ہوتا ہے کہ مومن صرف آخرت کو اپنا مقصود سمجھتا ہے اور دنیا کو تابع اور خادم سمجھتا ہے، اور کافر کا مقصد بل کہ معبود ہی دنیا ہے اس کے دماغ میں آخرت کا کوئی تصور ہی نہیں۔ اسی وجہ سے کافر دنیوی ترقی کے حصول میں کسی جائز اور ناجائز اور کسی حلال اور حرام کی تقسیم کا قائل نہیں کیوں کہ حلال وحرام کی تقسیم اغراض دنیویہ کے حصول میں ایک روزہ ہے۔

جہاد کا اصل مقصد

حضرات انبیاء کرام نے کافروں سے جو جہاد کیا وہ ہرگز ہرگز دنیا کے لیے نہ تھا بل کہ **وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا** تاکہ اللہ کا بول بالا ہو۔ اور اس کا کلمہ بلند ہو۔

حضرات صحابہ نے جو قیصر وکسریٰ کا تختہ الٹا اور ان کے تاج اور تخت پر قبضہ کیا ان کا مقصود دنیا اور دنیا کی حکومت اور سلطنت نہ تھی مقصود تو فقط دین تھا۔ اور یہ تمام تر جدو جہد دین کی حفاظت اور اس کی عزت اور تقویت کے لیے تھی۔

یہ تمام حضرات تو دنیا کو تین طلاق مغلظہ دے چکے تھے۔ اور دین کے دیوانہ بنے ہوئے تھے قیصر وکسریٰ کا تختہ اس لیے الٹا کہ دین اور دین والے اعداء اللہ کی دستبرد سے محفوظ ہو جائیں اور احکام خداوندی کے اجراء اور تنفیذ میں کوئی روڑہ اٹکانے والا نہ رہے۔

مسلمان اس لیے حکومت اور سلطنت حاصل کرتا ہے کہ اللہ کا دین عزت پائے اور کوئی اس کو ذلت کی نگاہ سے نہ دیکھ سکے حکم خداوندی کے اجرا اور تنفیذ کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔

اور کافر اس لیے حکومت حاصل کرتا ہے کہ اس کے اغراض ومقاصد اور اس کے جذبات وشہوات اور اس کی ستم رانی اور من مانی خواہشوں کے لیے میدان صاف

ہو جائے اس لیے اسلامی حکومت کے حکام اور امراء کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ دین اور علوم دینیہ کی عزت اور حفاظت کے لیے کسی خدمت سے دریغ نہ کریں۔

میں اپنے امراء اور حکام سے بصد ادب یہ گزارش کروں گا کہ خزانہ شاہی کو خزانہ خداوندی سمجھیں اور علوم دینیہ کی خدمت اور اطاعت کو اپنا فریضہ جانیں اور دینی درس گاہ کو دنیوی درس گاہ سے کہیں بہتر اور برتر سمجھیں۔

علم امت کا مشترکہ سرمایہ ہے

علم دین تمام مسلمانوں کی ایک مشترکہ جائداد ہے اور ظاہر ہے کہ مشترکہ چیز کی حفاظت تمام شرکاء پر لازم اور ضروری ہوتی ہے۔

اگر کوئی خدانخواستہ یہ کہے کہ میں اس جائداد میں شریک اور حصہ دار نہیں تو اس سے ہمارا کوئی خطاب نہیں اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس شخص سے کبھی علم دین کی حفاظت کے بارے میں کوئی حرف نہیں کہیں گے۔ لیکن کسی مسلمان سے یہ توقع نہیں کہ وہ یہ کہنا گوارا کرے اور ان شاء اللہ کوئی بھی اس کو گوارا نہ کرے گا۔ معلوم ہوا کہ سب اپنی مشترکہ جائداد سمجھتے ہیں۔ لہذا حفاظت بھی سب کے ذمہ ضروری ہوگی۔

کیا علم ترقی سے مانع ہے؟

جدید تعلیم یافتہ حضرات کا یہ خیال ہے کہ علم دین دنیاوی ترقی سے مانع ہے یہ خیال بھی صحیح نہیں۔

اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے جو دنیوی ترقی کی یورپ بھی اس کو حیرت اور استعجاب کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اگر کتاب وسنت اور علم شریعت ترقی سے مانع ہوتا تو حضرات صحابہ کبھی اس طرف نظر بھی اُٹھا کر نہ دیکھتے اور قیصر و کسریٰ کا تختہ الٹنے کے لیے آگے قدم نہ اُٹھاتے۔

تفصیلی جواب

تفصیلی جواب یہ ہے کہ دنیاوی ترقی کا دارومدار چار چیزوں پر ہے۔ ایک

زراعت، دوم صنعت وحرفت، سوم تجارت، چہارم اجارہ یعنی ملازمت اس وقت تمام حکومتوں کا پہیہ انہی چار چیزوں پر گھوم رہا ہے، شریعت نے ان میں سے کسی چیز کو بھی منع نہیں کیا بل کہ ان تمام امور کو مسلمانوں کے لیے فرض علی الکفایہ قرار دیا کہ اگر بستی کے تمام مسلمان زراعت یا صنعت وحرفت کو ترک کردیں تو سب گناہ گار ہوں گے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے کسب معاش میں مختلف طریقے رہے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام زراعت فرماتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اجرت پر بکریاں چراتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زرہیں بناتے تھے۔ تاکہ جہاد میں دشمن کے وار سے بچاؤ ہوسکے۔

دنیا اسباب کی دنیا ہے

قرآن کریم میں ہے: وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ (سورۃ انفال:۶۰)

اور کافروں سے لڑائی اور مقابلہ کے لیے جو طاقت اور قوت تم فراہم کرسکتے ہو وہ کر گزرو مثلاً گھوڑے پالو اور ہتھیار جمع کرو تاکہ تم اللہ کے دشمنوں کو مرعوب اور خوف زدہ بنادو اور دوسری حکومتوں پر بھی اپنا رعب جماؤ کہ جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ ان کو جانتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم پر کافروں سے جہاد فرض ہے اور سامان جہاد کا فراہم کرنا بھی تم پر فرض ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں گھوڑے کی سواری اور شمشیر زنی اور تیر اندازی سامان جہاد تھا اور آج کل بندوق اور توپ اور ہوائی جہاز اور آبدوز کشتیاں وغیرہ سامان جہاد ہیں لہذا اس قسم کے سامان کی فراہمی بھی اس آیت کے تحت داخل ہوگی اور عین منشا خداوندی ہوگی۔

اسباب اختیار کرنا شریعت میں مطلوب ہے

تیر اور تلوار کا بنانا اور تیر اندازی کی مشق کرنا۔ گھوڑوں کو جہاد کے لیے تیار کرنا دشمنوں کے مقابلہ کے لیے خندقیں کھودنا اور جنگ میں منجنیق کا استعمال کرنا۔ ان تمام امور کی ترغیب اور تاکید احادیث میں بکثرت آئی ہے ان سب آیات اور احادیث کا مطلب یہ ہی ہے کہ دشمنان خدا کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے جس قدر مادی طاقت اور قوت فراہم کرسکو اس میں دریغ نہ کرو۔

ان دوسو سال میں اسلامی حکومتوں پر جو زوال آیا اس کا بڑا سبب ’’وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ ‘‘ کے حکم سے غفلت ہے۔ اگر اسلحہ سازی کے کارخانے قائم کرتے تو ذلت کے یہ دن دیکھنے نہ پڑتے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ترقی کا دارومدار جن امور پر ہے شریعت نے خود ان کی تاکید اکید کی ہے۔ انگریزی تمدن اور نصرانی وضع وقطع پر موقوف نہیں۔

سلطنت مقصود نہیں بل کہ مقصود دین ہے

اے میرے عزیز! یہ خوب سمجھ لو کہ شریعت نے بلاشبہ جہاد اور قتال کا حکم دیا ہے۔ اسلامی حکومت حاصل کرنے کی تاکید کی مگر مقصود خود سلطنت نہیں۔ بل کہ بالذات دین ہے۔ اور سلطنت اس کی حفاظت کے لیے ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ (سورۂ حج: ۴۱)

اگر ہم زمین میں قوت اور اقتدار عطا کریں یعنی بادشاہی اور فرماں روائی ان کو عطا کریں تو یہ صحابہ کی جماعت خاص طور پر اقتدار ملنے کے بعد خدا سے غافل نہ ہوں گے۔ بل کہ نماز کو قائم کریں گے، اور زکوٰۃ دیں گے۔ اور دوسروں کو ہر بھلی بات کا حکم دیں گے۔ اور ہر بری بات سے منع کریں گے۔ اور ہر کام کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

اسلامی تہذیب وتمدن اور نئی تہذیب وتمدن میں فرق

اسلام میں تہذیب اس کا نام ہے کہ نفس کا اخلاق رذیلہ سے تزکیہ اور اخلاق جمیلہ سے اس کا تحلیہ کر دیا جائے اور جدید اصطلاح میں تہذیب اس کا نام ہے کہ وضع قطع نصرانی ہو کھڑے ہو کر پیشاب کریں بجائے مسجد کے سینما جایا کریں اور عورتوں کو بے پردہ سیر گاہوں میں لے جائیں ان حضرات کے نزدیک جو اخبار اور ناول پڑھے تو قابل اور فاضل ہے اور جو قرآن اور حدیث پڑھے وہ بے وقوف اور جاہل ہے۔

اے میرے عزیزو! یہ نہایت ہی سخت الفاظ ہیں اگر خدا اور اس کے رسول ﷺ سے کوئی تعلق ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ایک دن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو منہ دکھانا ہے تو مجھ کو آپ سے شکوہ اور شکایت کا حق ہے ورنہ مجھے کوئی شکایت نہیں۔

اور اسی طرح شریعت میں تمدن باہمی تعاون کا نام ہے اور متمدن اقوام کی نظر میں عیش وعشرت کے سامان فراہم کرنے کا نام تمدن ہے جس میں جائز وناجائز اور صدق اور کذب اور امانت اور خیانت کی کوئی تقسیم نہ ہو سرمایہ جمع ہونا چاہیے، خواہ وہ ظلم وستم سے ہو یا رشوت سے ہو یا کسی حیلہ اور تدبیر سے ہو، ووٹ اور نوٹ مقصود ہیں۔ لوٹ اور کھسوٹ سے بحث نہیں۔

شریعت ان تمام امور کو حرام اور ناجائز اور بدترین اخلاق اور اعمال قرار دیتی ہے۔ ذرا انصاف سے فرمائیے کہ کیا ان اخلاق اور اعمال سے کوئی دنیاوی ترقی ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں یورپ کے مبصر اور مدبر خود چیخ رہے ہیں کہ یہ تہذیب ہم کو ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جارہی ہے۔ یہ نئی تہذیب نہیں بلکہ نئی قسم کی تعذیب ہے۔

عربی تعلیم

عربی زبان آسمانی زبان ہے تمام فرشتے عربی زبان میں ہی کلام کرتے ہیں

احکم الحاکمین کا آخری قانون یعنی قرآن کریم اسی زبان میں اترا اور آخری نبی اور آخری رسول بھی رسول عربی آئے۔

ہر حکومت کی ایک مخصوص زبان ہوتی ہے کہ اسی زبان میں حکومت کے تمام قوانین اور فرامین جاری ہوتے ہیں۔ اور تمام دفتری مراسلاتیں اسی زبان میں انجام پاتے ہیں۔ اگرچہ رعایا کی زبان دوسری ہو۔

آپ نے دیکھا ہے کہ انگریزی دور حکومت میں وائسرائے کو یہ اجازت نہ تھی کہ ہندوستان ہی کے دربار میں انگریزی کے بجائے اُردو میں تقریر کرے خواہ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے وائسرائے کی تقریر تو انگریزی ہی میں ہوگی جس کو تقریر سمجھنے کا شوق ہو وہ خود انگریزی سیکھے یا کسی انگریزی داں کی طرف رجوع کرے۔

خطبہ عربی زبان میں ہونے کی وجہ

یہی وجہ ہے کہ جمعہ اور عیدین کا خطبہ عربی زبان ہی میں پڑھنا واجب کیا گیا اس لیے کہ عربی زبان سرکاری زبان ہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے خطبہ تو عربی ہی میں ہوگا۔

صحابہ کرام ﷺ نے ہزارہا بلاد عجم کو فتح فرمایا جہاں کے لوگ دین اسلام سے بالکل ناواقف تھے مگر باوجود اس کے خطبہ عربی زبان ہی میں پڑھا گیا۔

اسی بنا پر ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ نے غیر عربی زبان میں خطبہ کو بالاتفاق مکروہ قرار دیا ہے اور تیرہ سو سال سے مشرق اور مغرب اور جنوب اور شمال کے مسلمانوں کا تعامل اور توارث اسی طرح چلا آرہا ہے کہ خطبہ عربی ہی زبان میں پڑھا جاتا ہے چند سالوں سے اُردو میں خطبہ پڑھنے کی بدعت رائج ہوئی ہے۔ اللہ ہم کو اس بدعت سے پناہ دے۔

عربی زبان کی فضیلت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ اَحِبُّوا الْعَرَبَ لِثَلَاثٍ لِاَنِّیْ عَرَبِیٌّ وَالْقُرْاٰنَ عَرَبِیٌّ وَکَلَامَ اَھْلِ الْجَنَّۃِ عَرَبِیٌّ (اخرجہ

الطبرانی والحاکم والبیهقی فی الشعب کذا فی الکنز ص ۲۰۴ ج ۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین وجوہ کی بنا پر عرب کو محبوب رکھو، اول تو اس لیے کہ میں عربی ہوں، دوم اس لیے کہ قرآن عربی میں ہے۔ اور سوم اس لیے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔ (طبرانی وحاکم وبیہقی)

ہندوستان کی اصل زبان عربی ہے

نیز روایات سے ثابت ہے کہ آدم علیہ السلام جنت سے ہندوستان میں اتارے گئے اور عرصہ تک عربی ہی بولتے رہے امتداد زمانہ کے بعد ان کی اولاد مختلف زبانیں بولنے لگ گئی۔ معلوم ہوا کہ ہندوستان کی اصل زبان عربی ہے۔

نیز آج کل یہ مسئلہ بالکل روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ تمدن اور اخلاق واعمال کی ترویج اور اشاعت میں زبان سے بڑھ کر کوئی شے مدد اور معاون نہیں۔

ہندوستان میں انگریز آیا اس نے اپنی تہذیب اور تمدن کے رائج کرنے کے لیے انگریزی کالج، اسکول کھولے اور انگریزی تہذیب و تمدن غالب آیا ہے کہ مسجد اور مدرسہ کے بوریا نشینوں کو مسجد کا مینڈھا کہنے لگے۔ اور یہ خیال نہ کیا کہ مسجد کا مینڈھا دنیا کے کتے سے بہتر ہے، اور نہ یہ خیال کیا کہ اگر وہ موٹر اور بنگلے والے فرعون اور ہامان کے علم کے حامل ہیں۔ تو یہ لنگی والے بوریہ نشین کملی والے نبی کے وارث ہیں، بے شک اس گروہ میں ہزاروں عیب ہیں مگر یہ یاد رہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دربار کے چپراسی اور چوب دار ہیں۔

کسی نے کسی مولوی یا ملا کو محض مولوی اور ملا ہونے کی وجہ سے کچھ کہا تو من جانب اللہ اس پر مقدمہ قائم ہو جائے گا کہ تم نے خدائی منادی اور دین اسلام کا ڈھنڈورا پیٹنے والے کی کیوں تحقیر کی؟ عالم دین ہونے کی وجہ سے تحقیر در حقیقت علم دین کی تحقیر ہے۔

باطل کی سازش

آج کل بھارت سرکار نے ہندی زبان کو اس لیے سرکاری زبان قرار دیا ہے تاکہ چندروز بعد ہندوستان سے خدانخواستہ اسلامی تہذیب ختم ہوجائے اور تمام اقلیتیں ہندوانہ تہذیب اور تمدن کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آئیں اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ ذٰلِكَ۔

اسی طرح عربی زبان کو سمجھو کہ جب عربی زبان کو پڑھو گے اور سیکھو گے تو اخلاق خداوندی اور فرشتوں کے انوار و برکات اور نبی امی فداہ نفسی اور اس کے صحابہ وتابعین کے فضائل وکمالات کا عکس تمہارے قلوب پر پڑے گا۔ جس کا ادنیٰ کرشمہ ہوگا کہ اس وقت کے قیصر وکسریٰ کے خزائن کی کنجیاں تمہارے ہاتھوں میں ہوں گی۔ اور آخرت کی عزت ورفعت تو وہم وگمان سے بالا وبرتر ہے۔

صحابہ والی زندگی بناؤ

اے میرے عزیزو! یہ نہ سمجھو کہ اس زمانہ کے قیصر وکسریٰ کا تختہ الٹنا ناممکن ہے۔ یہ خیال غلط ہے وہی روش اختیار کرو پھر وہی ہوسکتا ہے۔

هنوز آں ابر رحمت درفشاں است	خم وخم خانہ با مہر ونشا است

امام مالک فرماتے ہیں "لَنْ یُّفْلِحَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا بِمَا اَفْلَحَ اَوَّلُهَا" اس امت کے پچھلے لوگ فلاح نہیں پاسکتے مگر جس چیز سے پہلے لوگوں نے فلاح پائی ہے۔ صحابہ کے طریقہ پر چلو ان شاء اللہ صحابہ جیسی کامیابی حاصل ہوگی۔

عربی احکم الحاکمین کی سرکاری زبان ہے

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عربی احکم الحاکمین کی سرکاری زبان ہے آسمانی دفتروں میں یہی زبان رائج ہے۔ اور امور خداوندیہ کی تمام تر کتابت عربی ہی زبان میں ہوتی ہے اس لیے باجماع فقہاء اور ائمہ مجتہدین عربی زبان کا سیکھنا فرض علی الکفایہ ہے۔

اور قبر میں جو سوال جواب ہوگا۔ وہ عربی ہی میں ہوگا۔

نکیرین آ کر یہ سوال کریں گے مَنْ رَّبُّكَ؟ وَمَا دِيْنُكَ؟

انگلستان کے مردے بھی عالم برزخ میں پہنچ کر عربی زبان سمجھنے لگیں گے۔ اور عربی ہی میں جواب دیں گے۔

آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان......(۱۱)

تعلیم وتعلّم کا مقصود

(خطاب)

عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحیؒ صاحب عارفی رحمہ اللہ

افتتاح بخاری شریف کے موقع پر دارالعلوم کراچی میں
طلبہ واساتذہ سے مفید نصیحتوں پر مشتمل خطاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقتباس

پہلے اساتذہ ایسے ہی پڑھاتے تھے کہ ایک حدیث شریف پڑھائی فوراً پوچھتے کہ بتلاؤ اس کی غایت کیا ہے؟ اس کا مصرف کیا ہے؟ اور پھر اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتلاتے، اس کی عملی تربیت بھی دیتے اور اس کی نگرانی بھی کرتے۔

اسی طرح ایک وقت میں اساتذہ طلبہ کو شریعت کے احکام بھی بتادیتے تھے اور طریقت بھی سکھادیتے تھے کہ یہ جو کچھ تم پڑھ رہے ہو اس کا تمہاری زندگی سے کیا واسطہ ہے؟ کس طرح تم اس کو استعمال کرو گے؟ تاکہ تم اشرف المخلوقات کہلانے کے بجا طور پر مستحق ہوسکو۔

پیراگراف

از بیان عارف باللہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الحیؒ صاحب عارفیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

نیت خالص مومن کے ایمان کا جوہر ہے

آج بخاری شریف کا افتتاح ہو رہا ہے یہ کتاب بڑی بابرکت ہے، بڑی خیر و برکت والی کتاب ہے، یہ ایمان و اسلام کی اساس و بنیاد ہے اس کی ابتدا ایسی حدیث شریف سے ہے جو نیت کے بارے میں ہے۔ اور نیت خالص ہماری تمام عمر کا سرمایہ ہے، نیت خالص ایک مومن کے ایمان کا جوہر ہے یا اللہ! آپ نے جس بابرکت حدیث سے ابتداء کرائی ہے یا اللہ! اس کی اہلیت سب کو عطا فرمایئے، صلاحیتیں عطا فرمایئے، ہماری نیتوں میں اخلاص عطا فرمایئے یا اللہ! اس کے اثرات وثمرات سے محروم نہ فرمایئے۔

دعا کرو کہ یا اللہ! آج جو کام آپ کے نام سے شروع کیا جا رہا ہے اس کو شرف تولیت عطا فرمایئے، ہماری صلاحیتیں ہماری استعدادیں سب ناقص ہیں، لیکن ہماری نیت یہ ہے کہ یا اللہ! ہم آپ کے دین کو حاصل کریں گے اور آپ کے دین کی اشاعت کریں گے اور دین کے تقاضوں پر عمل کریں گے ہم اہتمام کریں گے، ہم اہتمام سے یہ نیت کرتے ہیں، یا اللہ! اخلاص نیت کے برکات وثمرات ہمیں عطا فرمایئے تاکہ جو کچھ ہم اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں سنیں ان پر عمل کریں۔ جو ضابطہ حیات و ممات ہمارے لیے مقرر کیا گیا ہے اس پر عمل کریں، یا اللہ! ہماری حفاظت فرمایئے ہماری نیتوں کو درست فرمایئے، یا اللہ! جو علم بھی ہم حاصل کریں ہمارا مقصود

اصلی آپ کی رضا ہو۔ ہمارا مقصود آپ کی رضائے کاملہ ہو۔

احادیث نبوی تعلق مع اللہ کا ذریعہ

آپ ہمارے خالق ہیں رزاق ہیں سب ہی کچھ ہیں، ہم آپ کے بندے ہیں، آپ کی مخلوق ہیں ہم کیسے حق ادا کریں؟ کس طرح حق ادا کر سکتے ہیں؟ ہماری کیا مجال ہے؟ یہ آپ کے نبی رحمت ﷺ کا صدقہ اور طفیل ہے کہ وہ ہم کو بتا گئے ہیں، انہوں نے اپنی عملی زندگی سے اپنے ارشادات سے ہم پر واضح کر دیا ہے کہ ایک بندہ کا تعلق اللہ تعالیٰ سے کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور وہ تعلق کس طرح صحیح ہوگا؟ یہ احادیثِ نبوی جو ہیں تعلق مع اللہ پیدا کرنے کے لیے ہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمانیت ان کی غفاریت ان کے تمام اسمائے حسنیٰ سے ہمارا تعلق جوڑنے اور ان سب سے ہم کو متعارف کرانے کے لیے ہیں، ان کے انوار تجلیات سے ہمارے قلوب کو معمور کرنے کے لیے ہیں۔

پڑھنے پڑھانے سے پہلے اللہ کی طرف رجوع کر لیا کرو

جب پڑھنے پڑھانے کے لیے بیٹھا کرو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا کرو۔ جیسے آج ابتداء میں **رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ أَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ** پڑھ لیا۔ اسی طرح رجوع الی اللہ کر لیا کرو اور یوں کہا کرو کہ یا اللہ! ہماری صلاحیتوں میں نقائص ہیں، ہماری استعداد ناقص ہے، ہمیں عقل سلیم عطا فرمائیے، یا اللہ! دین کے مقتضیات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور تقاضائے عمل بھی پیدا فرمائیے، اور ہمارے اعمال کو نفس و شیطان کی مکائد سے ہمیشہ بچائے رکھیے ہر روز پہلے یہ دُعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کر لیا کرو۔

تم کلام اللہ کیوں پڑھتے ہو؟ جانتے بھی ہو یہ کیا چیز ہے؟ یا صرف اتنا سمجھنا کافی ہے کہ یہ عربی زبان ہے۔ ہم اس کے تراجم پڑھتے ہیں، اس کے مطالب بیان کریں، کیا اتنا سمجھنا کافی ہے؟ بلاشبہ یہ چیزیں بھی بنیادی ہیں، لیکن صرف اتنا ہی کافی نہیں۔

کلام اللہ اور احادیث نبویہ پڑھنے پڑھانے کی غایت

کلام اللہ اور احادیث نبویہ پڑھنے پڑھانے کی یہی غایت ہے کہ ہم کو ضابطہ حیات معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالی کن باتوں سے راضی ہوتے ہیں؟ اور کن باتوں سے ناراض؟ اللہ تعالی نے تمام مخلوق میں ہم پر خصوصی رحم فرما کر ہمیں شرف بشریت سے نوازا، اور اشرف المخلوقات قرار دے کر ممتاز فرمایا ہے۔ صرف اسی لیے کہ اللہ تعالی کے مقرر کردہ ضابطہ حیات اور ضابطہ ممات کی تفسیر کرتے رہیں اور نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کو اپنے لیے عملی نمونہ قرار دے کر اس کے مطابق عمل کرتے رہیں آپ ﷺ کی حیات طیبہ یہ اعمال صالحہ ہیں انہیں اختیار کرنا چاہیے ارشاد ہے' **واعملو صالحا** " اور ارشاد ہے **إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا** (الکهف: ۱۰۷) اللہ تعالی نے اپنے کلام پاک میں اعمال صالحہ کی ترغیب کس لیے دی ہے؟ ہمارے فائدے کے لیے یا ہماری زندگیاں سنوار کے لیے، اس لیے ہمیں اعمال صالحہ کو اختیار کرنا چاہیے لیکن کس طرح؟ اتباع سنت کے ذریعے۔

کلام اللہ اس لیے پڑھایا جاتا ہے کہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالی نے ایک بشر کے لیے، اشرف المخلوقات کے لیے ایسا ضابطہ حیات بنایا ہے جو اس کے لیے دنیا میں بھی سرمایہ ہے اور آخرت میں بھی، پھر سنت نبوی کے ذریعے اس ضابطہ حیات پر

عمل کرنے کا طریقہ بتادیا، اور اس کی حدود بتادیں۔

پہلے دور میں تعلیم وتربیت کا انداز

پہلے اساتذہ ایسے ہی پڑھاتے تھے کہ حدیث شریف پڑھائی فوراً پوچھتے کہ بتلاؤ اس کی غایت کیا ہے؟ اور اس کا مصرف کیا ہے؟ اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی بتاتے، اس کی عملی تربیت بھی دیتے اور اس کی نگرانی بھی کرتے، اس طرح ایک وقت میں اساتذہ طلبہ کو شریعت کے احکام بھی بتادیتے تھے اور طریقت بھی سکھادیتے تھے کہ یہ جو کچھ تم پڑھ رہے ہو اس کا تمہاری زندگی سے کیا واسطہ ہے؟ کس طرح تم اشرف المخلوقات کہلانے کے بجا طور پر مستحق ہوسکو۔

اور "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (التین : 4)" کا صحیح مصداق بن سکو۔

طلبہ کے ساتھ شفقت ومحبت رکھیں

دوسری بات اساتذہ سے متعلق ہے، اساتذہ کے پاس اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی بہت بڑی امانت ہے جو وہ طالب علموں کی طرف منتقل کررہے ہیں ان کو بھی اسی طہارت کی ضرورت ہے، اسی نیت اور اخلاص کی ضرورت ہے، اسی ادب کی ضرورت ہے، ان کو اللہ تعالی نے اس مرتبہ پر فائز کیا ہے کہ اخلاص کی نیت کے ساتھ، جذبۂ ایثار کے ساتھ، محبت کے ساتھ، شفقت کے ساتھ، پدرانہ محبت کے ساتھ اللہ، اور اللہ کے کلام کو طالب علموں کی طرف منتقل کریں اپنے طالب علموں سے ایسی محبت ہونا چاہیے جیسی اپنی اولاد سے ہوتی ہے، ان کو اپنی اولاد سمجھیں اور اولاد جس طرح جسمانی تعلق رکھتی ہے، اسی طرح شاگرد کا بھی ایک روحانی تعلق ہے ایمانی تعلق ہے، اس لیے اساتذہ کو بڑا اہتمام کرنا چاہیے کہ اپنے شاگردوں کے

ساتھ شفقت کا، محب کا دل سوزی کا، ایثار کا معاملہ کریں، یہ ان کی ذمہ داری ہے۔

درس کے لیے مطالعہ کا اہتمام کریں

جب درس دینے کے لیے آئیں تو خوب مطالعہ کر کے آئیں، شرح صدر کے ساتھ آئیں اس کے بغیر درس کے لیے نہ آئیں۔

اس پر واقعہ ضمناً یاد آ گیا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ درس دیا کرتے تھے، ایک دن آ کے بیٹھے اور فرمایا کہ آج درس نہیں دوں گا کیوں کہ میں تیار ہو کے نہیں آیا، درس کا میں نے مطالعہ نہیں کیا حالاں کہ وہ بہت جید عالم تھے، بغیر مطالعہ کے بیان کر سکتے تھے، لیکن اس کو انہوں نے خیانت سمجھا کہ مطالعہ کے بغیر سبق پڑھائیں۔

تو بھئی جب تک اساتذہ بھی اس قدر احتیاط نہ کریں گے اس میں برکت نہیں ہوگی، برکت اس میں جب ہوگی جب کہ ان کے قول میں ان کے ارشادات میں ان کی تشریحات میں اخلاص نیت ہوگا، جذبہ ایثار ہوگا اور اللہ تعالی کی رضا پیش نظر ہوگی۔

منتظمین کو نصیحت

منتظمین سے مجھے کچھ عرض کرنا ہے آپ منتظمین ہیں، اللہ تعالی آپ کو حسن انتظام کی توفیق دے، حسن انتظام بہت بڑی چیز ہے، جس انتظام سے سب کو راحت رہتی ہے، ایسے انتظامات ہونے چاہییں کہ کوئی تکلیف نہ ہو، دوسروں کے لیے کوئی دشواری نہ ہو، یہاں یہ سب مہمانانِ رسول ہیں، طالب علم ہیں، منتظمین کو چاہیے کہ ان کی آسائش کا آرام کا خیال رکھیں۔

تبلیغ واشاعت کا شعبہ

البتہ ایک بات آپ کے مقاصد میں داخل ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنے یہاں ایک شعبہ کھول لیں جو درس وتدریس کے علاوہ تبلیغ واشاعت کا کام کرے، آپ کہتے ہیں کہ مکروہات پھیلے ہوئے ہیں، اور اسلام کے خلاف سازش ہو رہی ہے آپ کو اللہ تعالی نے علم دیا ہے، قلم دیا ہے، اور زبان دی ہے زبان سے آپ وعظ ونصیحت کیجیے، قلم سے آپ مضامین لکھیے، دینی ماہناموں میں اور اخبارات میں شائع کر دیجیے، ہمارے حضرت کا یہی طریقہ رہا کہ جہاں کوئی مسئلہ درپیش ہوا مضمون لکھ دیا، رسالہ لکھ دیا اور شائع کرا دیا۔

آج سے اساتذہ، طلبہ اور منتظمین سب کے سب عزم کرلیں کہ اپنے بزرگوں کی روش پر چلتے رہیں گے اور اپنے نصب العین پر اپنی فطری صلاحیتوں کے ساتھ قائم رہیں گے اور دار العلوم کو ایک معیاری اور مثالی دار العلوم بنائیں گے۔ ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ۔

اخلاقیات پر خصوصی توجہ دیں

ایک خاص واہم بات اور قابل عرض ہے، حضرات منتظمین اور اساتذۂ کرام کو خصوصیت کے ساتھ اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اخلاقیات جو دین کا ایک اہم اور بنیادی شعبہ ہے، اس طرف ضرور اپنی خصوصی توجہات مبذول فرمائیں، یعنی درستی وپاکیزگی اخلاق، خود بھی اہتماماً عمل کریں اور طلباء کو بھی اس کی اہمیت کی تعلیم دیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر روزانہ اس کے لیے وقت نہ ہو تو کم از کم ہفتہ وار مثلاً جمعہ کے دن، یا کسی اور دن ناظم اعلی جو مناسب سمجھیں مقرر کرلیں کہ کچھ دیر کے لیے خواہ وہ ایک گھنٹہ ہی کیوں نہ ہو طلباء کو جمع کرلیا کریں، اگر اساتذہ بھی اس کام کے لیے مقرر فرمائیں اور اس موقع پر کوئی کتاب جو اخلاقیات پر مشتمل ہو پڑھ کر سنائیں اور اس کی تشریح کر دیا کریں۔ اس موضوع پر حضرت حکیم الاسلامؒ کی اکثر تصانیف،

مواعظ و ملفوظات جو نہایت سبق آموز اور بصیرت افروز ہیں، ان کو سنا کر معمولی تشریح کرنا کافی ہے، تجربہ شاہد ہے کہ بہت ہی نافع اور داعی عمل ثابت ہوتا ہے اور درسی تعلیم کی روح رواں ہیں۔

آپس میں خلوص وایثار پیدا کریں

اب میں ایک نہایت اہم اور سنگین ضرورت کی طرف منتظمین اور اساتذہ کو خصوصیت کے ساتھ متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ ہے آپس میں ہم آہنگی اور خلوص وایثار کی قابل قدر ضرورت جس پر دار العلوم کا وقار اور اعتبار منحصر ہے۔

خوب یاد رکھیے اور حرز جاں بنائیے کہ آپ کا تعلق اور دار العلوم سے نسبت آپ کا کوئی نجی اور ذاتی معاملہ نہیں ہے آپ کا تعلق دین کے ایک معظم ومحترم ادارے ودرسگاہ سے ہے اس لیے اس کا پاس وادب ملحوظ رکھنا آپ کا فرض ہے۔

اختلاف ہو جائے تو فوراً رفع کرو

دیکھیے اگر کسی میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو فوراً نیک نیتی کے ساتھ جلد از جلد آپس میں مل کر اس کو رفع کر لیا جائے، خواہ یہ اختلاف اساتذہ کے درمیان ہو یا اساتذہ و منتظمین کے درمیان ہو، ایک دوسرے کے ساتھ بدگمانی رکھنا، یا شکوہ وشکایت کا تدارک بالمشافہ جلد نہ کر لینا، یہ یقیناً خباثت نفس ہے، اور نہایت مذموم ہے، اور انجام کے لحاظ سے شر انگیز ہے اور عاقبت سوز ہے اور عاقبت میں اندیشہ ہے کہ قابل مؤاخذہ ہو، سب سے زیادہ خرابی یہ ہے کہ دار العلوم کی چار دیواری سے باہر رسوائی اور بدنامی کا باعث ہے اور یہ اساتذہ اور منتظمین کے وقار پر بہت بدنما داغ ہے۔

اس لیے میں نہایت دلسوزی کے ساتھ اپنا حق تعلق ومحبت ادا کرنے کے لیے یہاں آپ حضرات کے سامنے عرض کر رہا ہوں، امید ہے کہ آپ سب اس کو اپنا اشعار زندگی بنائیں گے ممکن ہے کہ پھر کوئی اور آپ کو اس لب ولہجہ سے مخاطب نہ

کرے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند	جواناں سعادت مند بہتر پیر دانا را

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تقویٰ سے اور صفائی قلب سے بہرہ اندوز رکھیں اور اپنی یاد اور اپنے ذکر سے ہمیشہ معمور فرمائیں۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان......(۱۲)

علامات علماء حق

(افادات)

حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ

احیاء علوم الدین میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی بیان کردہ علماء حق کی بارہ علامات جن کو مختصر اً ذکر کیا گیا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اقتباس
ایک علامت علماء حق کی یہ ہے کہ اس کی ہر حرکت وسکون سے اللہ تعالیٰ کا خوف ٹپکتا ہو، اس کی عظمت وہیبت کا اثر اس شخص کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا ہو، اس کے لباس، اس کی عادات، اس کے بولنے، اس کے چپ رہنے سے، حتیٰ کہ ہر حرکت وسکون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو، اس کی صورت دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہوتی ہو، سکون ووقار، مسکنت وتواضع اس کی طبیعت بن گئی ہو، بے ہودگی، لغو کلام اور تکلف کے ساتھ باتیں کرنے سے گریز کرتا ہو، کہ یہ چیزیں فخر اور اکڑ کی علامات ہیں، اللہ پاک سے بے خوفی کی دلیل ہیں۔
پیراگراف
از بیان حجۃ الاسلام حضرت امام محمد غزالی علیہ الرحمۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

علماء حق کی پہلی علامت

امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ جو عالم دنیا دار ہو وہ احوال کے اعتبار سے جاہل سے زیادہ کمینہ ہے اور عذاب کے اعتبار سے زیادہ سختی میں مبتلا ہوگا، کامیاب اور اللہ کے یہاں مقرب علماء آخرت میں ہیں جن کی چند علامتیں ہیں۔

پہلی علامت علمائے حق کی یہ ہے کہ اپنے علم کو دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنائے، عالم کا کم سے کم درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت اور اس کے فانی ہونے کا احساس ہو، آخرت کی عظمت اور اس کی پائیداری، اس کی نعمتوں کی عمدگی کا احساس ہو۔ اور یہ بات اچھی طرح جانتا ہو کہ دنیا اور آخرت دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں دو سوکنوں کی طرح، جس ایک کو راضی کرے گا دوسری خفا ہو جائے گی، یہ دونوں ترازو کے دو پلڑوں کی طرح سے ہیں، جونسا ایک پلڑا جھکے گا دوسرا ہلکا ہو جائے گا، دونوں میں مشرق و مغرب کا فرق ہے، جو ایک کے قریب ہو دوسرے سے دور ہو جائے گا۔ اور جو شخص دنیا اور آخرت کے ایک دوسرے کی ضد ہونے کو نہیں جانتا اور دونوں کو جمع کرنے کی طمع میں ہے، وہ ایسی چیز میں طمع کر رہا ہے جو طمع کرنے کی نہیں، وہ شخص تمام انبیاء کی شریعت سے ناواقف ہے، اور جو شخص ان سب چیزوں کو جاننے کے باوجود دنیا کو ترجیح دیتا ہے وہ شیطان کا قیدی ہے جس کو شہوتوں نے ہلاک کر رکھا اور بدبختی اس پر غالب ہے جس کی یہ حالت ہو وہ علماء میں شمار کیسے ہوگا؟

مناجات کی لذت سے محروم

حضرت داؤد علیہ السلام سے اللہ پاک کا ارشاد منقول ہے کہ جو عالم دنیا کی خواہش کو میری محبت پر ترجیح دیتا ہے اس کے ساتھ ادنی معاملہ یہ کرتا ہوں کہ اپنی مناجات

کی لذت سے اس کو محروم کر دیتا ہوں، کہ میری یاد میں میری دُعا میں اس کو لذت نہیں آتی۔

اے داؤد! ایسے عالم کا حال نہ پوچھ جس کو دنیا کا نشہ میری محبت سے دور کر دے، ایسے لوگ ڈاکو ہیں۔

اے داؤد! جو شخص بھاگ کر میری طرف آتا ہے اس کو جھبذ (حاذق سمجھدار) لکھ دیتا ہوں اور جس کو جھبذ لکھ دیتا ہوں اس کو عذاب نہیں دیتا۔

یحیٰ بن معاذ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ علم و حکمت سے جب دنیا طلب کی جائے تو ان کی رونق جاتی رہتی ہے۔

سعید بن المسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب کسی عالم کو دیکھو کہ امراء کے یہاں پڑا رہتا ہو تو اسکو چور سمجھو

حب جاہ حب مال سے زیادہ خطرناک ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس عالم کو دنیا سے محبت رکھنے والا دیکھو دین کے بارے میں اس کو متہم سمجھو۔ اس لیے کہ جس شخص کو جس سے محبت ہوتی ہے اسی میں گھسا کرتا ہے۔

ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ جس کو گناہ میں لذت آتی ہو وہ اللہ کا عارف ہوسکتا ہے؟ انہوں نے فرمایا: مجھے اس میں ذرا تردد نہیں کہ جو شخص دنیا کو آخرت پر ترجیح دے وہ عارف نہیں ہوسکتا اور گناہ کرنے کا درجہ تو اس سے بہت زیادہ ہے، اور یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہی صرف نہیں کہ مال کی محبت نہ ہونے سے وہ آخرت کا عالم ہو جائے بل کہ طلب جاہ سے بھی احتراز کرے، جاہ کا درجہ اور اس کا نقصان مال سے بھی زیادہ ہے، یعنی جتنی وعیدیں دنیا کو ترجیح دینے کی اور اس کے طلب پر ہیں ان میں صرف مال کمانا ہی نہیں بل کہ جاہ کی طلب مال کی طلب کی بہ نسبت زیادہ خطرناک ہے۔

علماء حق کی دوسری علامت

دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے قول وفعل میں تعارض نہ ہو، دوسروں کو خیر کا حکم کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (البقرة: 44)

کیا غضب ہے کہ دوسروں کو نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالاں کہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی، دوسری جگہ ہے: **كَبُرَ مَقْتًا عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصف: ۳)** اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔

حاتم اصم کہتے ہیں کہ قیامت کے دن اس عالم سے زیادہ حیرت والا کوئی نہ ہوگا جس کی وجہ سے دوسروں نے علم سیکھا اور اس پر عمل کیا وہ تو کامیاب ہوگئے اور خود عمل نہ کرنے کی وجہ سے ناکام رہا، ابن سماک کہتے ہیں کہ کتنے شخص ایسے ہیں جو دوسروں کو اللہ کی یاد دلاتے ہیں، خود اللہ تعالیٰ کو بھولتے ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈراتے ہیں خود اللہ تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں، دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بناتے ہیں خود اللہ تعالیٰ سے بھاگتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمن بن غنم کہتے ہیں کہ مجھ سے دس صحابہ کرام نے یہ مضمون بیان کیا کہ ہم لوگ قبا کی مسجد میں بیٹھے ہوئے علم حاصل کررہے تھے۔ حضور ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: جتنا چاہے علم حاصل کرلو اللہ کے یہاں سے اجر بغیر عمل کے نہیں ملتا۔

علماء حق کی تیسری علامت

علماء حق کی تیسری علامت یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرے جو آخرت میں کام

آئے اور طاعت میں رغبت دلائے۔ جو شخص ان علوم کو چھوڑ کر دوسرے علوم کے پیچھے پڑتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ طبیب حاذق سے ملے اور وقت بھی تنگ ہو کہ شاید وہ جلد چلا جائے اور وہ ایسے وقت ختم کر دے اور خود جس مرض میں مبتلا ہے اس کا علاج نہ معلوم کرے۔

شقیق بلخی کا شاگرد سے سوال

ایک روز شقیق بلخی رحمہ اللہ نے اپنے شاگرد حضرت حاتم اصم سے دریافت کیا کہ تم میرے ساتھ ۳۳ برس سے ہو اتنی مدت میں کیا حاصل کیا؟ حضرت حاتم نے کہا: آٹھ مسئلے حاصل کیے ہیں۔

اول یہ کہ میں نے خلق کو دیکھا تو معلوم کیا کہ ہر شخص کا ایک محبوب ہوتا ہے اور قبر تک وہ محبوب ساتھ جاتا ہے اس کے بعد جدا ہو جاتا ہے اس لیے میں نے اپنا محبوب نیکیوں کو ٹھیرالیا کہ جب قبر میں جاؤں تو میرا محبوب قبر میں بھی ساتھ رہے۔

خواہشات پر میں نے لگام دی

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالی کے ارشاد: **وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى، فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوٰى** (سورۃ نازعات ۴۱-۴۰) میں تامل کیا اور سمجھا کہ خدا تعالی کا فرمانا درست ہے اس لیے میں نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالی کی اطاعت پر جم گیا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے دنیا کو دیکھا کہ ہر شخص کے نزدیک جو چیز بہت قیمتی ہوتی ہے وہ اس کو اٹھا کر رکھ چھوڑتا ہے اور حفاظت کرتا ہے پھر میں نے اللہ تعالی کا ارشاد دیکھا **مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** (سورۂ نحل:۹۶) پس جو کچھ قدر و قیمت کی چیز

میرے ہاتھ لگی اس کو میں نے اللہ تعالی کے پاس بھیج دیا تا کہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔

تقوی کو شعار بنالیا

چوتھا مسئلہ یہ کہ لوگوں کو دیکھا تو ہر ایک کا میلان مال اور حسب اور نسب اور شرافت کی طرف پایا، میں نے اللہ تعالی کا ارشاد دیکھا **إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ** (سورۂ حجرات: ۱۳) اس بنا پر میں نے تقوی اختیار کیا تا کہ خدائے تعالی کے نزدیک کریم اور بزرگ ہو جاؤں۔

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے پر طعن کرتے ہیں عیب جوئی کرتے ہیں، برا کہتے ہیں، اور یہ سب حسد کی وجہ سے ہوتا ہے پھر اللہ تعالی کا قول **نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** (سورۂ زخرف: ۳۲) کو دیکھا، یعنی دینوی زندگی میں ہم نے ہی تقسیم کی ہے اور اس تقسیم میں ہم نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دے رکھی ہے تا کہ (اس کی وجہ سے) ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔ میں نے اس آیت شریفہ کی وجہ سے حسد کرنا چھوڑ دیا۔

میں نے رزق کے معاملہ میں اللہ پر بھروسہ کرلیا

چھٹا مسئلہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا ساری مخلوق روزی کی طلب میں لگ رہی ہے اسی کی وجہ سے اپنے آپ کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرتی ہے اور ناجائز چیزیں اختیار کرتی ہے پھر میں نے دیکھا کہ اللہ کا ارشاد ہے **وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا** (سورۂ ہود: ٦) (اور کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں ہے کہ جس کی روزی اللہ تعالی کے ذمہ نہ ہو) میں نے دیکھا کہ میں بھی انہیں زمین پر چلنے والوں میں سے ہوں جن کی روزی اللہ تعالی کے ذمہ ہے پس میں نے اپنے اوقات

ان چیزوں میں مشغول کر لیے جو مجھ پر اللہ تعالی کی طرف سے لازم ہیں اور جو چیز اللہ تعالی کے ذمہ تھی اس سے اپنے اوقات کو فارغ کر لیا۔

شیطان کو دشمن بنالیا

ساتواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے دنیا میں دیکھا کہ تقریباً ہر شخص کی کسی نہ کسی سے لڑائی ہے کسی نہ کسی سے دشمنی ہے میں نے غور کیا تو دیکھا کہ حق تالی شانہ نے فرمایا **إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا** (سورۂ فاطر:۶) (شیطان بے شک تمہارا دشمن ہے پس اس کے ساتھ دشمنی رکھو اس کو دوست مت بناؤ) پس میں نے صرف اس اکیلے کو اپنا دشمن ٹھہرالیا اور اسی سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔

اللہ پر توکل کر لیا

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا کہ ساری مخلوق کا اعتماد اور بھروسہ کسی ایسی چیز پر ہے جو خود مخلوق ہے، کوئی اپنی جائداد پر بھروسہ کرتا ہے، کوئی اپنی تجارت پر اعتماد کرتا ہے، کوئی اپنی دست کاری پر نگاہ جمائے ہوئے ہے، کوئی اپنی صحت اور قوت پر کہ جب چاہے جس طرح چاہے کمالوں گا، میں دیکھا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: **وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ** (سورۂ طلاق:۳) (جو شخص اللہ تعالی بر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالی اس کے لیے کافی ہے۔) اس لیے میں نے اللہ تعالی پر توکل اور بھروسہ کر لیا۔

چاروں آسمانی کتابوں کے مضامین

حضرت شقیق نے فرمایا کہ حاتم! تمہیں اللہ تعالی توفیق عطا فرمائے میں نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن عظیم کے علوم کو دیکھا، میں نے سارے خیر کے کام

ان ہی آٹھ مسائل کے اندر پائے، پس جوان آٹھوں پر عمل کرلے اس نے اللہ تعالی کی چاروں کتابوں کے مضامین پر عمل کیا۔

اس قسم کے علوم کو علمائے آخرت ہی حاصل کرتے ہیں اور دنیادار عالم تو مال اور جاہ ہی کو حاصل کرنے میں رہتا ہے۔

عالم تین طرح کے ہوتے ہیں

حضرت ابوقلابہ بصرہ کے مشہور عالم ہیں وہ فرماتے ہیں کہ عالم تین طرح کے ہوتے ہیں۔

(۱) وہ خود تو عمل کرتے ہیں لیکن دوسروں کو ان سے فائدہ نہیں پہنچتا۔

(۲) ان سے دوسروں کو فائدہ ہوتا ہے لیکن وہ خود عمل نہیں کرتے۔

(۳) وہ عالم جو نہ خود عمل کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو سکھاتے ہیں کہ وہ عمل کریں۔

احقر عرض کرتا ہے کہ ایک چوتھی قسم بھی ہے جو خود بھی عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی سکھاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی عمل کریں۔

علماء حق کی چوتھی علامت

چوتھی علامت علماء حق کی یہ ہے کہ کھانے پینے اور لباس کی اچھائیوں کی طرف متوجہ نہ ہو بل کہ ان چیزوں میں درمیانی رفتار اختیار کرے اور بزرگوں کے طرز پر رہے، ان چیزوں میں جتنا کمی کی طرف اس کا میلان بڑھے گا اللہ تعالی شانہ سے اتنا ہی اس کا قرب بڑھتا جائے گا، اور علمائے حق میں اتنا ہی اس کا درجہ بلند ہوتا جائے گا۔

ابوحاتم کے شاگرد شیخ عبداللہ خواص نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شیخ حاتم کے ساتھ موضع رَی میں جو ایک جگہ کا نام ہے گیا، تین سو بیس آدمی ہمارے ساتھ تھے

ہم حج کے ارادے سے جارہے تھے سب متوکلین کی جماعت تھی ان لوگوں کے پاس توشہ سامان وغیرہ کچھ نہ تھا۔ ری میں ایک معمولی خوش مزاج تاجر پر ہمارا گذر ہوا اس نے ہمارے قافلہ کی دعوت کردی اور ہماری ایک رات کی مہمانی کی۔

حضرت ابوحاتم ایک عالم کی عیادت کو گئے

دوسرے دن صبح کو وہ میزبان حضرت حاتم سے کہنے لگا کہ یہاں ایک عالم بیمار ہیں مجھے ان کی عیادت کو اس وقت جانا ہے اگر آپ کی رغبت ہو تو آپ بھی چلیں حضرت حاتم نے فرمایا کہ بیمار کی عیادت تو ثواب ہے اور عالم کی تو زیارت بھی عبادت ہے۔ میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا، یہ بیمار عالم اس موضع کے قاضی شیخ محمد بن مقاتل تھے جب ان کے مکان پر پہنچے تو حضرت حاتم سوچ میں پڑ گئے کہ اللہ اکبر! ایک عالم کا مکان اور ایسا اونچا محل۔ غرض ہم نے حاضری کی اجازت مانگی اور جب اندر داخل ہوئے تو وہ اندر سے بھی نہایت خوشنما نہایت وسیع، پاکیزہ، جگہ جگہ پردے لٹک رہے تھے حضرت حاتم ان سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے اور سوچ میں پڑے ہوئے تھے اتنے میں ہم قاضی صاحب کے قریب پہنچے تو وہ ایک نہایت نرم بستر پر آرام کر رہے تھے ایک غلام ان کے سرہانے پنکھا جھیل رہا تھا وہ تاجر تو سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گئے اور مزاج پرسی کی۔ حاتم کھڑے رہے۔

حضرت حاتم کا قاضی صاحب سے سوال

قاضی صاحب نے ان کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ قاضی صاحب نے پوچھا آپ کو کچھ کہنا ہے؟ انہوں نے فرمایا ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہو، حضرت حاتم نے کہا بیٹھ جائیں، غلاموں نے قاضی صاحب کو سہارا دے کر اٹھایا وہ بیٹھ گئے۔ حضرت حاتم نے پوچھا کہ آپ نے علم کس سے حاصل کیا؟ قاضی صاحب نے فرمایا معتبر علماء سے،

انہوں نے پوچھا کہ ان علماء نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے حضرات صحابہ سے، حضرت حاتم نے پوچھا کہ صحابہ کرام نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب نے کہا حضور اکرم ﷺ سے حضرت حاتم نے پوچھا حضور ﷺ نے کس سے سیکھا تھا؟ قاضی صاحب نے کہا حضرت جبرئیل علیہ السلام سے۔

قاضی صاحب کا صاف جواب

حضرت حاتم نے فرمایا کہ جو علم حضرت جبرئیل نے حق تعالیٰ شانہ سے لے کر حضور ﷺ تک پہنچایا اور حضور ﷺ نے صحابہ کو عطا کیا اور صحابہ نے معتبر علماء کو اور ان کے ذریعہ سے آپ تک پہنچایا اس میں کہیں یہ بھی آیا ہے کہ جس شخص کا جس قدر مکان اونچا اور بڑا ہوگا اس کا اتنا ہی درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بلند ہوگا، قاضی صاحب نے فرمایا کہ نہیں۔ حضرت حاتم نے فرمایا اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس علم میں کیا آیا ہے؟ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اس میں یہ آیا ہے کہ جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو آخرت میں رغبت رکھتا ہو، فقراء کو محبوب رکھتا ہو اپنی آخرت کے لیے اللہ کے یہاں ذخیرہ بھیجتا ہو وہ شخص حق تعالیٰ شانہ کے یہاں صاحب مرتبہ ہے۔

حضرت حاتم نے فرمایا کہ پھر آپ نے کس کی اتباع اور پیروی کی۔ آپ جیسے عالموں کو جاہل دنیا دار دیکھ کر کہتے ہیں کہ جب عالموں کا یہ حال ہے تو ہم تو ان سے زیادہ ہی برے ہوں گے۔

حضرت حاتم ایک دوسرے رئیس کو نصیحت کرنے چل دیئے

یہ کہہ کر حضرت حاتم تو چلے گئے قاضی صاحب پر اس گفتگو کا بہت اثر ہوا لوگوں میں اس کا چرچا ہوا تو کسی نے حضرت حاتم سے کہا کہ طنافسی جو ''قزوین'' میں رہتے

ہیں جو ''ری'' سے ستائیس فرسخ یعنی اکیاسی میل ہے وہ ان سے بھی زیادہ رئیسانہ شان سے رہتے ہیں، حضرت حاتم ان کو نصیحت کرنے کے ارادہ سے چل دیئے، جب ان کے پاس پہنچے تو کہا ایک عجمی آدمی ہے جو عرب کا رہنے والا نہیں ہے آپ سے چاہتا ہے کہ آپ اس کو دین کی بالکل ابتداء سے یعنی نماز کی کنجی وضو سے تعلیم دیں۔ طنافسی نے کہا بڑے شوق سے یہ کہہ کر طنافسی نے وضو کر کے بتایا کہ اس طرح وضو کیا جاتا ہے حضرت حاتم نے ان کے بعد وضو کیا اور دونوں ہاتھوں کو چار چار مرتبہ دھویا، طنافسی نے کہا یہ اسراف ہوگیا تین تین مرتبہ دھونا چاہیئے۔ حضرت حاتم نے کہا سبحان اللہ العظیم! میرے ایک چلو پانی میں اسراف ہوگیا اور سب کچھ سامان آرائش جو میں تمہارے سامنے دیکھ رہا ہوں اس میں اسراف نہیں اس وقت طنافسی سمجھے کے ان کا مقصد تنبیہ کرنا تھا۔

یحیٰ بن یزید کا خط امام مالک کے نام

یحیٰ بن یزید نوفلی نے حضرت امام مالکؒ کو ایک خط لکھا جس میں حمد وصلوٰۃ کے بعد لکھا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ باریک کپڑا پہنتے ہیں اور پتلی روٹی استعمال کرتے ہیں اور نرم بستر پر آرام کرتے ہیں دربان بھی آپ نے مقرر کر رکھا ہے حالاں کہ آپ اونچے علماء میں ہیں دور دور سے لوگ سفر کر کے آپ کے پاس علم سیکھنے آتے ہیں آپ امام ہیں مقتدا ہیں لوگ آپ کی اتباع کرتے ہیں آپ کو بہت احتیاط کرنی چاہیئے محض مخلصانہ طور پر یہ خط لکھ رہا ہوں۔ اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اس خط کی خبر نہیں۔ فقط والسلام

امام مالک رحمہ اللہ کا جواب

حضرت امام مالکؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا کہ آپ کا خط پہنچا جو میرے

لیے نصیحت نامہ، شفقت اور تنبیہ ہے حق تعالی شانہ تقوی کے ساتھ تمہیں منتفع فرمائے اور اس نصیحت کی جزاء خیر عطا فرمائے اور مجھے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ خوبیوں پر عمل اور برائیوں سے بچنا اللہ تعالی کی توفیق سے ہوسکتا ہے جو امور آپ نے ذکر کیے یہ صحیح ہیں اللہ تعالی مجھے توفیق عطا فرمائے (لیکن یہ سب چیزیں جائز ہیں) اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ (سورۂ اعراف: ۳۲) ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالی کی پیدا کی ہوئی زینت (کپڑوں وغیرہ) کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کیا اور کھانے پینے کی حلال چیزوں کو کس نے حرام کیا۔

اس کے بعد تحریر فرمایا کہ یہ خوب جانتا ہوں کہ ان امور کا اختیار نہ کرنا اختیار کرنے سے اولی اور بہتر ہے آئندہ بھی اپنے گرامی ناموں سے مجھے مشرف کرتے رہیں گے میں بھی خط لکھتا رہوں گا۔ والسلام

کتنی لطیف بات امام مالکؒ نے تحریر فرمائی کہ جواز کا فتوی بھی تحریر فرمایا اور اس کا اقرار بھی فرمایا کہ واقعی زیادہ بہترین امور کا ترک ہے۔

علماء حق کی پانچویں علامت

پانچویں علامت علماء حق کی یہ ہے کہ سلاطین، حکام، رؤساء سے دور رہیں۔ بلاضرورت ان کے پاس ہرگز نہ جائیں ان کے ساتھ اختلاط نہ رکھیں ان کی خوشنودی اور رضاجوئی میں نہ پڑیں، ان کے پاس آمدورفت میں ان کی چیزوں کی طرف حرص پیدا ہوگی اور اللہ نے جو کچھ دے رکھا ہے اس کو حقیر سمجھے گا جس سے اللہ تعالی کی ناشکری میں مبتلا ہوگا۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ بدترین علماء وہ ہیں جو حکام کے یہاں حاضری دیتے رہتے ہیں اور بہترین حاکم وہ ہیں جو علماء کے یہاں حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت سری سقطی کا ارشاد

حضرت سری سقطی فرماتے ہیں کہ جب میں بادشاہ کے یہاں گیا تو واپسی پر میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو اس پر میں نے ایک وبال پایا حالاں کہ تم دیکھتے ہو کہ میں وہاں پر ہر بات پر نکیر کرتا ہوں، ان کی رائے کی سختی سے مخالفت کرتا ہوں ان کا پانی تک نہیں پیتا۔ ہمارے علماء بنو اسرائیل کے علماء سے بھی برے ہیں کہ حکام کے پاس جا کر ان کے لیے گنجائش نکالتے ہیں ان کی خوشنودی کی فکر کرتے ہیں۔

مکحول دمشقی کہتے ہیں کہ جو شخص قرآن سیکھے اور دین میں تفقہ پیدا کرے پھر خوشامد اور طمع کی جہت سے سلطان کی صحبت اختیار کرے تو وہ بقدر اپنے قدموں کے دوزخ کی آگ میں گھستا ہے

ہاں اگر کوئی دینی ضرورت ہو تو اپنے نفس کی حفاظت اور نگرانی کرتے ہوئے جانے میں مضائقہ نہیں بل کہ بسا اوقات دینی مصالح اور ضرورتوں کی بنا پر جانا ہی پڑتا ہے۔

علماء حق کی چھٹی علامت

چھٹی علامت علماء حق کی یہ ہے کہ فتوی صادر کرنے میں جلدی نہ کرے مسئلہ میں بہت احتیاط کرے جو مسئلہ اچھی طرح معلوم ہو اس کو بتائے جس میں شبہ ہو کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں۔ شعبی فرماتے ہیں کہ لا اَدری (یعنی نہ معلوم ہونے پر یہ کہہ دینا کہ مجھے نہیں معلوم) نصف علم ہے۔ ابو حفص نیشاپوری فرماتے ہیں کہ عالم وہ ہے کہ سوال کے وقت اس بات سے ڈرے کہ قیامت کو کہیں یہ پوچھ نہ کہ کہاں سے جواب دیا تھا۔

ابراہیم تیمی سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتا تو روتے اور فرماتے کہ تم کو کوئی اور نہ ملا تھا

کہ مجھ پر چڑھائی کی۔

جواب دینے میں احتیاط

عبدالرحمن بن ابی لیلی کہتے ہیں کہ میں نے اس مسجد میں ایک سو بیس صحابہ کو دیکھا ہے کہ جب ان سے کوئی شخص فتوی پوچھتا یا حدیث پوچھی جاتی تو ہر ایک یہی چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا بھائی اس کا جواب دے دے، اور ایک روایت ان سے اس طرح ہے کہ کوئی سوال ان میں سے کسی پر پیش کرتا تو دوسرے کو بھیجتے اور وہ تیسرے کے پاس یہاں تک کہ ہوتے پھر ان کے پاس آ جاتا۔

حضرت ابن عباسؓ سے اگر کوئی سوال کرتا تو فرماتے کہ جابر بن یزید سے پوچھو اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے سعید بن المسیب سے دریافت کرو، حضرت انسؓ سے جب کوئی سوال کرتا تو فرماتے ہمارے آقا حسن سے پوچھو۔

علماء حق کی ساتویں علامت

ساتویں علامت علماء حق کی یہ ہے کہ اس کو باطنی علم یعنی سلوک کا اہتمام زیادہ ہو اپنی اصلاح قلب میں بہت زیادہ کوشش کرنے والا ہو اس سے علوم ظاہری میں بھی ترقی ہوتی ہے۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو اپنے علم پر عمل کرے حق تعالی شانہ اس کو ایسی چیزوں کا علم عطا فرماتے ہیں جو اس نے نہیں پڑھیں۔ پہلے انبیاء کی کتابوں میں ہے کہ اے بنی اسرائیل! تم یہ بات کہو کہ علوم آسمان پر ہیں ان کو کون اتارے یا وہ زمین کی جڑوں میں ہیں ان کو کون اوپر لائے یا وہ سمندروں کے پار ہیں کون ان پر گذرے تا کہ ان کو لائے، علوم تمہارے دلوں کے اندر ہیں تم میرے سامنے روحانی ہستیوں کے آداب کے ساتھ رہو صدیقین کے اخلاق اختیار کرو میں تمہارے

دلوں میں علوم کو ظاہر کردوں گا یہاں تک کہ وہ علوم تم کو گھیر لیں گے اور تم کو ڈھانک لیں گے، اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ اہل اللہ کو حق تعالیٰ شانہ وہ علوم اور معارف عطا فرماتا ہے کہ کتابوں میں تلاش سے بھی نہیں ملتے۔

اسلاف کے معمولات

ابوقطن کے حوالے سے ذہبی نے نقل کیا ہے کہ **مَا رَأَيْتُ قَدْ رَكَعَ اِلَّا ظَنَنْتُ أَنَّ نَسِيَ وَلَا سَجَدَ اِلَّا قُلْتُ نَسِيَ** (میں نے شعبہ کو رکوع میں کبھی دیکھا تو خیال گذرتا تھا کہ بھول گئے اسی طرح سجدے میں یعنی رکوع اور سجدہ طویل کرتے تھے۔ ہمیشہ صائم الدہر رہتے دیکھ کر لوگوں کو رحم آتا بدن کی جلد خشک نظر آتی تھی بڑھاپے میں آپ کے مشاغل کی نوعیت کسی نے دریافت کی تو کہا کہ بھائی صرف ایک رکعت میں سورۂ بقرہ پڑھ لیتا ہوں اور مہینے میں اب تین روزے یعنی ایام بیض کے روزوں سے زیادہ نہیں رکھا جاتا۔ (تذکرہ ۱۱۸)

ثابت البنانی کے متعلق لکھا ہے کہ دن رات کے اندر معمول تھا کہ ایک قرآن ختم کرلیتے تھے اور ہمیشہ صائم رہتے۔ سلیمان تیمی بھی صائم الدہر رہتے اور عموما عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھ لیتے۔ (تذکرہ ۱۴۲)

امام بخاری رحمہ اللہ کا معمول

امام بخاریؒ رمضان میں علاوہ تراویح کے پچھلی رات کو نصف یا ایک تہائی قرآن تہجد میں ختم کرتے دن میں روزانہ ایک قرآن ختم کرتے۔ ایک مرتبہ نماز میں بھڑ نے کئی جگہ کاٹا مگر نماز نہ توڑی لوگوں نے کہا کہ آپ نے نماز کیوں نہ توڑ دی فرمایا ایک سورت کی تلاوت میں مشغول تھا جی یہی چاہا کہ اس کو ختم کرلوں۔ اس قسم کے ہزارہا واقعات ہیں جو کتابوں میں موجود ہیں۔

علماء حق کی آٹھویں علامت

آٹھویں علامت علماء حق کی یہ ہے کہ اس کا یقین اور ایمان اللہ تعالیٰ کے ساتھ بڑھا ہوا ہو اور اس کا اہتمام اس کو بہت زیادہ ہو۔ یقین کو سیکھو جس کی صورت یہ ہے کہ یقین والوں کے پاس اہتمام سے بیٹھو اور ان کی صحبت اختیار کرو ان کی اتباع کرو تاکہ اس کی برکت سے تم میں یقین کی پختگی پیدا ہو۔ اس کو حق تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ اور صفات کا ایسا ہی یقین ہو۔ جیسا کہ چاند، سورج کے وجود کا۔ اس پر اس کو کامل یقین ہو کہ ہر چیز کا کرنے والا صرف وہی ایک ہے۔

یقین سے طمع ختم ہو گی

اور یہ دنیا کے سارے اسباب اس کے ارادہ کے تابع ہیں جیسا کہ مارنے والے کے ہاتھ میں لکڑی کو کوئی شخص بھی دخیل نہیں سمجھتا اور جب یہ پختہ یقین ہو کہ روزی کا ذمہ صرف اللہ پاک کا ہے اور اس نے ہر شخص کی روزی کا ذمہ لے رکھا ہے جو اس کے مقدر میں ہے وہ اس کو بہر حال مل کر رہے گا اور جو مقدر میں نہیں ہے وہ کسی حال میں بھی نہ مل سکے گا اور جب اس کا یقین پختہ و ہو جائے گا تو روزی کی طلب میں اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ حرص اور طمع جاتی رہے گی جو چیز میسر نہ ہو گی اس پر رنج نہ ہو گا۔

یقین گناہوں سے بچاتا ہے

نیز یہ یقین ہو کہ اللہ جل شانہ ہر بھلائی اور ہر برائی کو ہر وقت دیکھنے والا ہے ایک ذرہ کے برابر کوئی نیکی یا برائی ہو تو وہ اس کے علم میں ہے اور اس کا بدلہ نیک یا بد ضرور ملے گا، وہ نیک کام کرنے پر ثواب کا ایسا ہی یقین رکھتا ہو جیسا کہ روٹی کھانے

سے پیٹ بھرنے کا اور برے کام پر عذاب کو ایسا ہی سمجھتا ہو جیسا کہ سانپ کے کاٹنے سے زہر کا چڑھنا۔ وہ نیکی کی طرف ایسا ہی مائل ہو جیسا کہ سانپ کے کاٹنے سے زہر کا چڑھنا۔ وہ نیکی کی طرف ایسا ہی مائل ہو جیسا کہ کھانے پینے کی طرف، اور گناہ سے ایسا ہی ڈرتا ہو جیسا کہ سانپ بچھو سے، اور جب یہ یقین پختہ ہو جائے گا تو ہر نیکی کے کمانے کی اس کو پوری رغبت ہو گی اور ہر برائی سے بچنے کا پورا اہتمام ہو گا۔

علماء حق کی نویں علامت

نویں علامت علماء حق کی یہ ہے کہ اس کی ہر حرکت وسکون سے اللہ تعالی کا خوف ٹپکتا ہو اس کی عظمت اور ہیبت کا اثر اس شخص کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا ہو۔ اس کے لباس اس کی عادات اس کے بولنے اس کے چپ رہنے سے حتی کہ ہر حرکت اور سکون سے یہ بات ظاہر ہوتی ہو۔ اس کی صورت دیکھنے سے اللہ تعالی کی یاد تازہ ہوتی ہو۔ سکون، وقار، مسکنت وتواضع، اس کی طبیعت بن گئی ہو، بیہودگی، لغو کلام اور تکلف کے ساتھ باتیں کرنے سے گریز کرتا ہو۔ کہ یہ چیزیں فخر اور اکڑ کی علامات ہیں۔ اللہ پاک سے بے خوفی کی دلیل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ علم سیکھو اور علم کے لیے سکون اور وقار سیکھو جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے نہایت تواضع سے رہو، جابر علماء میں سے نہ بنو۔

امت کے بہترین افراد

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بہترین افراد وہ ہیں جو مجمع میں اللہ تعالی کی وسعت رحمت سے خوش رہتے ہوں اور تنہائیوں میں اللہ تعالی کے عذاب کے خوف سے روتے ہوں ان کے بدن زمین پر رہتے ہوں اور ان کے دل آسمان

کی طرف لگے رہتے ہوں۔ حضور اقدس ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے بہترین عمل کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ناجائز امور سے بچنا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے ذکر سے تیری زبان تر و تازہ رہے۔

کسی نے پوچھا بہترین ساتھی کون؟ ارشاد فرمایا وہ شخص ہے کہ اگر تو نیک کام سے غفلت کرے تو وہ تجھے متنبہ کر دے اور اگر تجھے یاد ہو تو اس میں تیری اعانت کرے۔

سب سے بڑا عالم کون؟

کسی نے پوچھا کہ برا ساتھی کون ہے؟ ارشاد فرمایا کہ وہ شخص ہے کہ اگر تجھے نیک کام سے غفلت ہو تو وہ متنبہ نہ کرے اور تو کرنا چاہے تو اس میں تیری اعانت نہ کرے، کسی نے پوچھا کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ ارشاد فرمایا: جو سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ کسی نے پوچھا کہ ہم کن لوگوں کے پاس زیادہ تر اپنی نشست رکھیں؟ ارشاد فرمایا جن کی صورت سے اللہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ ایک جگہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آخرت میں زیادہ بے فکر وہ شخص ہوگا جو دنیا میں فکرمند رہا ہو اور آخرت میں زیادہ ہنسنے والا وہ ہوگا جو دنیا میں زیادہ رونے والا ہے۔

علماءِ حق کی دسویں علامت

دسویں علامت علماءِ حق کی یہ ہے کہ اس کو زیادہ اہتمام ان مسائل کا ہو جو اعمال سے اور جائز، ناجائز سے تعلق رکھتے ہیں کہ فلاں عمل کرنا ضروری ہے۔ اور فلاں عمل سے بچنا ضروری ہے، اس کام سے آخرت کا یہ نقصان ہے وغیرہ وغیرہ ایسے علوم سے زیادہ بحث نہ کرتا ہو جو محض دماغی تفریحات اور تفریعات ہوں تاکہ لوگ اس کو محقق سمجھیں۔ حکیم اور فلاسفر سمجھیں۔

علماء حق کی گیارہویں علامت

گیارہوں علامت علماء حق کی یہ ہے کہ شریعت کے علوم میں بصیرت رکھتا ہو ہر ہر کام سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر کرتا ہو محض لوگوں کو دیکھ کر کہ وہ یہ کام کر رہے ہیں ان کی تقلید نہ کرنے لگے اس لیے کہ بہت سے کام لوگوں میں خلاف سنت بھی رائج ہو جاتے ہیں، اصل اتباع حضور اکرم ﷺ کے پاک ارشادات کا ہے اور اسی وجہ سے صحابہ کرام اور ائمہ دین کا اتباع ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے افعال اور اقوال کو اچھی طرح سمجھنے والے تھے۔

علماء حق کی بارہویں علامت

بارہویں علماء حق کی یہ ہے کہ بدعات سے بہت زیادہ نفرت رکھتا ہو اور شدت کے ساتھ بچنے کا اہتمام کرتا ہو کسی کام پر آدمیوں کی کثرت کا جمع ہو جانا کوئی معتبر چیز نہیں ہے بل کہ اصل اتباع حضور ﷺ کا ہے اور یہ دیکھنا ہے کہ صحابہ کرام ؓ کا کیا معمول رہا ہے ان حضرات کے معمولات اور احوال کو تلاش کرے اور انہیں میں منہمک رہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ دین میں جو نئی چیزیں نکالتا ہے وہ مردود ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر اعانت کی اس لیے کہ بدعتی اپنی بدعات سے اسلام کی جڑیں کاٹتا ہے حضور ﷺ کے طریقوں کو مٹا کر اپنے طریقے رائج کرتا ہے۔ بدعتی کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی کیوں کہ وہ اپنی بددینی کو دین سمجھتا ہے اور اسی پر لوگوں کو چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا ارشاد ہے کہ تم لوگ ایسے زمانہ میں ہو کہ اس وقت خواہشات علم کے تابع ہیں لیکن عنقریب ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ علم

خواہشات کے تابع ہوگا جن چیزوں کو اپنا دل چاہے گا وہی علوم سے ثابت کریں گے۔

قرونِ اولیٰ میں شیطان کی مایوسی

بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں شیطان نے اپنا لشکر چاروں طرف بھیجا وہ سب کے سب پھر کر نہایت پریشان حال تھکے ہوئے واپس آئے اس نے پوچھا کہ کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے تو ہم کو پریشان کردیا۔ ہمارا کچھ بھی اثر ان پر نہیں ہوتا ہم ان کی وجہ سے بڑی مشقت میں پڑ گئے شیطان نے کہا گھبراؤ نہیں یہ لوگ اپنے نبی کے صحبت یافتہ ہیں ان پر تمہارا اثر مشکل ہے عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہارے مقاصد پورے ہوں گے ۔اس کے بعد تابعین کے زمانہ میں ان نے اپنا لشکر سب طرف بھیجا وہ سب اس وقت بھی پریشان حال واپس آئے اس نے پوچھا کیا حال ہے؟ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے ہمیں دق کردیا۔ یہ عجیب قسم کے لوگ ہیں کہ ہماری اغراض ان سے کچھ تو پوری ہو جاتی ہیں تو مگر جب شام ہوتی ہے تو اپنے گناہوں سے ایسی توبہ کرتے ہیں کہ ہمارا سارا کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔

ایسے گناہ جن پر توبہ کی توفیق نہیں

شیطان نے کہا گھبراؤ نہیں عنقریب ایسے لوگ آنے والے ہیں جن سے تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی وہ اپنی خواہشات میں دین سمجھ کر ایسے گرفتار ہوں گے کہ ان کو توبہ کی بھی توفیق نہ ہوگی وہ بددینی کو دین سمجھیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بعد میں شیطان نے ان لوگوں کے لیے ایسی بدعات نکال دیں جن کو وہ دین سمجھنے لگے اس سے ان کو توبہ کیسے نصیب ہو۔

یہ بارہ علامات مختصر طور سے یہاں ذکر کی گئی ہیں امام غزالی نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔علماء کو اپنا محاسبہ برابر کرتے رہنا چاہیے وہ مقتدا کہلاتے ہیں ان کی خرابی سے ایک عالم بگڑ جاتا ہے اللہ تعالی ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیان......(۱۴)

اگر جہاں میں میرا جوہر آشکارا ہو
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

حقیقی مولوی اور عالم

(افادات)

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ

حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کے یہ وہ اقتباسات ہیں جو حضرت کے ملفوظات، مواعظ، العلم والعلماء نیز حضرت تھانویؒ کا علماء کرام سے خطاب سے منتخب ہیں جو یقیناً علماء کرام کے لیے مشعل راہ اور سنہرے اصول ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

میں تمام اہل مدارس دینیہ کو رائے دیتا ہوں کہ ہر مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ بھی ہونے چاہئیں۔

یہ سنت نبویہ ہے، اور پڑھنا پڑھانا مقدمہ ہے اسی مقصود کا، اصل مقصود تبلیغ ہے۔

ایک بات اور تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ مبلغین کا چندہ سے تعلق نہ ہونا چاہیے، صرف احکام بیان کرنا، ترغیب اور فضائل بیان کرنا ان کا کام ہو، اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچتا ہے، مگر اہل مدارس اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔

پیراگراف

ازافادات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

اصل علم وہ ہے جو مقرون بالخشیت ہو

فرمایا: ہماری حالت یہ ہے کہ علم حاصل کرتے ہیں، پھر پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اسی کو مقصود سمجھتے ہیں، تحصیل خشیت کا اہتمام نہیں کرتے۔ ایسا علم جو خشیت سے خالی ہو علم ہی نہیں۔

صاحبو! علم کو میراث انبیاء کہا جاتا ہے، تو اب دیکھ لو کہ انبیاء کی میراث کون سا علم ہے کیا انبیاء کا علم بھی نعوذ باللہ ایسا ہی تھا جس میں محض مسائل و اصطلاحات کا تلفظ ہو اور خشیت کا نام نہ ہو، ہرگز نہیں، وہاں تو یہ حالت تھی کہ جتنا علم بڑھتا تھا اتنی ہی خشیت بڑھتی تھی۔

حدیث میں ہے کہ ''اَنَا اَعْلَمُکُمْ بِاللّٰہِ وَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ'' میں تم سب سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہوں، تعلیم و تعلم کو مقصود بالذات سمجھ لینا حد سے تجاوز ہے۔

حقیقی مولوی اور عالم کی تعریف

مولوی احکام داں کو کہتے ہیں، عربی داں کو نہیں کہتے۔ عربی داں ابو جہل بھی تھا مگر لقب تھا ابو جہل نہ کہ عالم۔

مولوی سے مراد عالم باعمل ہے، جس کا نام چاہے آپ درویش رکھ لیجیے، جو ایسا نہیں ہمارے نزدیک وہ مولویوں میں داخل ہی نہیں، ہم صرف عربی جاننے والے کو مولوی نہیں کہتے۔

مصر، بیروت میں عیسائی یہودی عربی داں ہیں تو کیا ہم ان کو مقتدائے دین کہنے لگیں۔

مولوی اس کو کہتے ہیں جو مولا والا ہو، یعنی علم دین بھی رکھتا ہو، اور متقی بھی ہو، خوف خدا وغیرہ اخلاق حمیدہ بھی رکھتا ہو۔

صرف عربی جاننے سے آدمی مولوی نہیں ہوتا چاہے وہ کیسا ہی ادیب ہو، عربی میں تقریر بھی کرلیتا ہو، تحریر بھی لکھ لیتا ہو، کیوں کہ عربی داں تو ابوجہل بھی تھا... بل کہ وہ آج کے ادیبوں سے زیادہ عربی داں تھا تو بڑا محقق عالم ہونا چاہیے، حالاں کہ اس کا نام ہی ابوجہل تھا۔

علماء وطلباء سے خاص خطاب

میں علماء سے خاص طور پر خطاب کرتا ہوں کہ آپ حضرات جو علم پر ناز کیے بیٹھے ہیں اور علم کے فضائل اور درجات عالیہ کا مستحق اپنے آپ کو سمجھتے ہیں، موقعہ بے موقعہ عوام کے سامنے... **فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلَى أَدْنَاكُمْ** ... پڑھ دیا کرتے ہیں۔

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ فضائل کون سے علم کے ہیں، مطلق علم کے؟ یا علم مع العمل کے؟ اگر عالم بے عمل کے لیے وعیدیں نہ ہوتیں تو تمہارا ناز کسی درجہ میں تسلیم کیا جاتا مگر ان وعیدوں کے ہوتے ہوئے نفس علم کیسے باعث فخر ہوسکتا ہے۔

محض کتابیں پڑھ لینے سے آدمی عالم نہیں ہوجاتا، بل کہ علم دوسری چیز کا نام ہے۔

جب طب (ڈاکٹری) کی کتابیں پڑھ لینے سے ہر شخص طبیب نہیں بن جاتا، بل کہ جس کو علاج کا ملکہ (مہارت) حاصل ہوجائے وہی طبیب ہوتا ہے... اسی طرح بعض لوگوں کو قرآن وحدیث اور فقہ کی کتابیں پڑھ لینے سے علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی، محض الفاظ یاد ہوجاتے ہیں۔

علم کی حقیقت حاصل ہونے کے لیے کتابوں کے سوا ایک اور چیز کی بھی ضرورت ہے جس کو اس زمانے کے ایک شاعر نے خوب کہا ہے:

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یعنی صحبت اہل اللہ کی بھی ضرورت ہے، اور اس سے آج کل کے اکثر علماء کورے ہیں۔ الا ماشاء اللہ اس طرف توجہ ہی نہیں، اسی واسطے حقیقی علم والے بہت تھوڑے ہیں۔

بغیر اپنے کو مٹائے کچھ بھی نہیں ہوتا

مولوی اسی ناز میں ہیں کہ ہم قَالَ اَقُوْلُ یعنی کتابیں خوب جانتے ہیں، مگر اس سے کیا ہوتا ہے مقصود تو کچھ اور ہی ہے۔

عربی داں ہونا کچھ کمال نہیں، خدا داں ہونا چاہیے۔

بڑا ناز ہے علم پر کہ ہم عالم ہوگئے۔

یاد رکھو! بغیر اپنے کو مٹائے کچھ بھی نہیں ہوتا، اور مٹانے کے یہ معنی نہیں کہ کتابیں مٹادو نہیں تم اپنے کو مٹادو کہ ہم کچھ نہیں۔

جب تک یہ بات پیدا نہ ہو سمجھ لو کہ تم برباد ہو، کورے ہو، کچھ نہیں ہو۔

ہم عالم ہو کر اکمل تو ہو سکتے ہیں لیکن افضل ہونا خدا ہی کو معلوم ہے کہ افضل

جاہل ہے یا عالم؟ کیوں کہ اس کی کوئی دلیل نہیں کہ عالم کے لیے افضل ہونا بھی لازم ہے، ممکن ہے کہ اس جاہل کے قلب میں ایسی کوئی چیز ہو کہ وہ علم سے کہیں زیادہ خدا کے نزدیک محبوب وپسندیدہ ہو،.... تو اپنی اکملیت کی بنا پر اپنے کو افضل سمجھنا برا ہے یہی علوم ہیں جو کامل کی صحبت میں میسر ہوتے ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا حکیمانہ جواب

ایک مرتبہ متعدد علماء کا مجمع تھا، اور کبر وتواضع کے متعلق اس پر بحث تھی کہ ایک عالم اپنے کو کمتر کیوں سمجھ لے، یہ تو تکلیف **مَا لَا یُطَاقُ** ہے، کیوں کہ جب علم وفضل پڑھا ہے تو یہ کیسے سمجھے کہ میں پڑھا ہو نہیں، ایک حافظ اپنے کو غیر حافظ کیسے سمجھ سکتا ہے۔

حضرت حکیم الامت نے نہایت جامع اور مختصر جواب ارشاد فرمایا کہ کسی کمال کے سبب اکمل سمجھنا تو جائز ہے، مگر افضل بمعنی مقبول سمجھنا جائز نہیں۔

بس یہ سمجھنا کہ میں عالم ہوں، اس میں کوئی حرج نہیں، مگر اس پر اپنے کو مقبول عند اللہ سمجھنا یہ بڑا خطرناک ہے۔

پس یہ سمجھنا ممکن ہے کہ باوجود اس کے جاہل ہونے کے اس میں ایسی کوئی خوبی ہو جس سے وہ اللہ تعالی کو پسند آجائے، اور ہم گو بڑے عالم ہوں مگر ہم میں کوئی ایسی برائی ہو، جس سے ہم ان کو پسند نہ آئیں، پھر ہم ہیں کس کام کے؟

علماء کو اپنے اوپر سخت اور دوسروں پر نرم ہونا چاہیے

فرمایا.... علماء کے لیے بل کہ ہر شخص کے لیے عمدہ اور بہترین طریق یہی ہے کہ اپنے لیے تنگی اور دوسروں کے لیے توسع سے کام لیں، اور س کے عکس سے....

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا (فاطر:٦) اور، اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ (الحجرات:۱۲)....کی تعمیل کبھی نہیں ہوسکتی۔

اپنی اصلاح کے لیے محقق عالم سے رجوع کرنا

فرمایا خود اپنی اصلاح کرنا سخت حماقت ہے، کسی عالم محقق سے اپنی اصلاح کرانا چاہیے کیوں کہ قاعدہ ہے "دَأْبُ الْعَلِيْلِ عَلِيْلٌ" طبیب مریض ہوتو اپنا علاج خود نہیں کرسکتا، بل کہ دوسرے طبیب سے علاج کراتا ہے۔

اسی طرح وکیل کو اپنا مقدمہ کرنا ہوتو کسی دوسرے کو وکیل بناتا ہے۔

اسی طرح علماء کو چاہیے کہ اپنے معاملات میں دیگر علماء سے رجوع کریں، اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے مشورہ لیا کرتے تھے، بزرگوں نے بھی اپنے چھوٹوں سے مشورے لیے ہیں۔

خیر حضور علیہ السلام کا مشورہ کرنا تو محض صحابہ کی تطییب خاطر کے لیے تھا، مگر بزرگوں کا اپنے چھوٹوں سے مشورہ کرنا واقعی مشورہ ہی کے لیے تھا۔ چنانچہ بعض دفعہ چھوٹے ایسے مقام پر پہنچ گئے جہاں بڑے نہیں پہنچے۔ یہ آج کے چھوٹے کیسے کھوٹے ہیں کہ بڑوں کے ہوتے ہوئے ان سے مستغنی ہوگئے۔

اہل علم میں اپنی غلطی تسلیم نہ کرنے کا بڑا مرض

فرمایا.... یہ مرض آج کل اہل علم میں بہت ہے کہ ایک دفعہ زبان سے کوئی بات نکل جائے تو پھر اس کی پچ ہوجاتی، اور مناظرہ، مباحثہ کی نوبت آتی ہے۔

پھر ہم نے کبھی نہیں سنا کہ فریقین میں سے کسی نے اپنی بات سے رجوع کیا ہو، حالاں کہ دونوں میں سے ایک ضرور ناحق پر ہوتا ہے۔

بعض لوگ تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ ایک دفعہ غلط فتوی قلم سے نکل گیا تو عمر بھر اسی پر جمے رہے، اور اس کی تاویلیں کرتے رہے۔

حضرات ائمہ مجتہدین پر جو امت کو اعتماد ہے وہ اسی لیے ہے کہ ان کو بات کی پچ نہ تھی وہ ہر وقت اپنی رائے سے رجوع کرنے کو تیار تھے، جب بھی ان کو اپنی رائے کا غلط ہونا واضح ہو جائے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے بہت سے مسائل میں رجوع کیا ہے، ایسے دیگر ائمہ نے بھی، اور یہ مرض بات کی پچ کرنے کا تواضع سے زائل ہوتا ہے۔

علماء میں پارٹی بندی اور اس کا اصل سبب

فرمایا... علماء نے محض کتابی علم کو کافی سمجھ رکھا ہے، یہ علم حاصل کر کے عمل کی ضرورت نہیں سمجھتے، حالاں کہ علم سے مقصود عمل ہی ہے۔ ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے اخلاقِ باطنہ درست نہیں، نہ اس کی فکر ہے۔ جن میں دو خلق مجھے سخت ناگوار ہیں، اور میں کیا کہوں اللہ تعالی کو ان سے سخت نفرت ہے (۱) ایک طمع یعنی حُبِّ مال (۲) دوسرا حُبِّ جاہ... علماء کو ان ہی دو باتوں نے زیادہ تباہ کیا ہے۔

مدرسین کی یہ حالت ہے کہ تنخواہ پر جھک جھک کرتے ہیں، یہ نہایت واہیات ہے، اسی لیے کسی مدرسہ کے مہتمم کو اپنے کسی مدرس پر اعتماد نہیں ہوتا کہ یہ رہے گا یا نہیں؟ کیوں کہ کسی دوسری جگہ سے پانچ روپئے زائد پر بھی دعوت آ گئی تو مدرس صاحب فوراً اس مدرسہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چل دیں گے، اگر چہ وہاں دین کی خدمت زیادہ نہ ہو، اور پہلی جگہ دین کی خدمت زیادہ ہو رہی ہو، اور گذر بھی ہو رہا ہو،... یہ صریح دین فروشی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو محض تنخواہ مقصود ہے، دین کی خدمت مقصود نہیں۔

البتہ اگر پہلی جگہ کی تنخواہ میں گزر نہ ہوتا ہو، ضروریات میں تنگی پیش آتی ہو تو

دوسری جگہ جانے کا مضائقہ نہیں، بشرطیکہ وہ تنگی واقعی ضروریات میں ہو، کیوں کہ فضول ضرورتوں میں تنگی ہونا معتبر نہیں، وہ دراصل ضروریات ہی نہیں۔ پس یہ نہایت نازیبا حرکت ہے کہ عالم دین ہو کر مال پر رال ٹپکاتے پھریں۔

دوسرا مرض ان میں حُبِّ جاہ کا ہے، جس کی علماء کے اندر پارٹی بندی ہوگئی ہے، ہر شخص اپنی ایک جدا جماعت بنانے کی فکر میں ہے۔

علماء کا مال وجاہ کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیے

فرمایا.... اہل علم کی تو شان یہ ہونی چاہیے کہ وہ اپنی فاقہ مستی پر نازاں ہوں اور خوش رہیں، اور کسی اہل دنیا کی طرف ہاتھ نہ پھیلائیں، بل کہ منہ بھی نہ لگائیں علماء کو تو اس کا مصداق ہونا چاہیے:

اے دل آں بہ کہ خراب از مئے گلگوں باشی
بے زرو گنج بصد حشمت قارون باشی

یہ مال کے ساتھ ان کا معاملہ ہو اور جاہ کے ساتھ یہ ہو کہ:

دررہِ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست بجاں
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

غرض ان اہل علم کو دنیا اور دنیا والوں پر نظر بھی نہ کرنا چاہیے بل کہ یہ کہہ دینا چاہیے:

ما اگر قلاش و ما دیوانہ ایم !!!
مست آں ساقی وآں پیمانہ ایم !!!

یہ شان اہل علم کی ہونی چاہیے، اس پر خواہ کوئی اعتراض کرے، کوئی دیوانہ سمجھے، پرواہ نہ کرنا چاہیے۔

یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آج کل ترقی کا زمانہ ہے، ایسے لوگوں کو جو دنیا کو

ترک کرتے ہیں اور توکل یا زہد اختیار کرتے ہیں، بیوقوف و دیوانہ سمجھتے ہیں، اس کا جواب یہ دینا چاہیے:

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد!!!
مرعس را دید ودر خانہ نہ شد !!!

علماء کو اپنے اخلاص کا خود امتحان لیتے رہنا چاہیے

فرمایا... دین کا کام خاص وہ علم ہے جس میں اخلاص ہو۔

علامہ شعرانی نے اخلاص کی ایک علامت لکھی ہے، وہ یہ کہ جو کام تم کر رہے ہو اس کام کا کرنے والا تم سے اچھا اس بستی میں آجاوے، اور وہ کام ایسا ہو جو علی العین واجب نہ ہو جیسے مسجد و مدرسہ کا اہتمام یا وعظ کہنا، پیری مریدی کرنا، کسی نیک کام کے لیے چندہ کرنا وغیرہ وغیرہ تو تم کو اس کے آنے کی خوشی ہو، رنج نہ ہو۔

بل کہ تم لوگوں کے اس کے پاس بھیجو کہ وہاں جاؤ، وہ وہ مجھ سے بہتر ہیں، اور سارا کام خوشی کے ساتھ دوسرے کے حوالہ کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤ، اور دل میں خدا کا شکر کرو، اس نے ایسے آدمی کو بھیج دیا جس نے تمہارا کام بٹوالیا، اگر یہ حالت ہو تب تو واقعی تم مخلص ہو۔

مگر اب تو کسی عالم کی بستی میں کوئی چلا آوے، جس کی طرف رجوع ہونے لگے تو جلے مرتے ہیں، اور دل سے یہ چاہتے ہیں کہ اس شخص سے کوئی بات ایسی ظاہر ہو جس سے عوام بدگمان ہو جائیں.... کہ

شمشیر در نیامے نہ گنجد
اسی طرح دو عالم در مقامے نہ گنجد

گویا اپنے کو وحدہ لاشریک لہ سمجھتے ہیں کہ بس تمام لوگوں کو ہماری طرف رجوع

کرنا چاہیے کسی اور کی طرف رخ بھی نہ کرنا چاہیے، کیوں قبلہ وکعبہ تو ہم ٹھہرے ...... پھر دوسری طرف نماز کیسی؟ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ .... اس حالت میں تم ہر گز مخلص نہیں بل کہ اخلاص سے مفلس ہو۔

نفس کا کید خفی

اور لیجیے ایک مولوی صاحب کا کسی مدرسہ میں قیام ہے، جب اس کا سالانہ جلسہ ہوتا ہے تو آپ کو خاص ایک حظ (لطف ومزہ) آتا ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ حظ دینی ہے۔

کیوں کہ نفس کہتا ہے کہ مجھے کو محض دین کا کام جاری ہونے اور طلباء فارغین کو سندِ فراغ ملنے کی خوشی ہو رہی ہے، اپنی کاروائی ظاہر ہونے کی خوشی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا ایک امتحان ہے وہ یہ کہ اگر یہ حضرت مولوی صاحب اس مدرسہ سے الگ کر دیئے جائیں اور کوئی دوسرا ان کی جگہ پڑھانے لگے، پھر اس کے فارغ کردہ طلباء کو سندِ فراغ دیجائے اور اس کے لیے جلسہ کیا جائے تو ان مولوی صاحب کو اس وقت بھی ایسا ہی حظ آوے گا نہیں۔

ایمان داری سے اپنے دل میں ٹٹول لیں، اگر اس وقت بھی ان کو ایسا ہی حظ آوے تو واقعی یہ دینی حظ .... ورنہ سمجھ لو کہ یہ حظّ دنیوی ہے جس میں ریاء وعجب کی آمیزش ہے۔

اب تو یہ حالت ہے کہ مدرسہ سے الگ کیے جانے کی بعد یہ مولانا صاحب اس مدرسہ کی تخریب ہی کے درپے نہ ہوں تو یہ ان کی بڑی عنایت ہے، آئندہ اس کے جلسوں سے حظ آنا اور مسرت وخوشی ہونا تو بہت دور ہے۔

صاحبو! یہ نفس کا کیدِ خفی ہے کہ ہم اپنے مدرسہ کے جلسے سے خوش ہونے کو دینی

مسرت سمجھتے ہیں۔ بعض دفعہ یہ ایسی پٹی پڑھاتا ہے کہ خود صاحبِ نفس دھوکہ دیتا ہے کہ اپنی کارگذاری پر اس لیے زیادہ مسرت ہوتی ہے کہ اس فعل کا ہم کو ثواب ملا، غیر کے فعل کا ثواب ہم کو نہیں ملتا، اس لیے اس کی مسرت اس قدر نہیں ہوتی۔

اس کا امتحان یہ ہے کہ اگر ایسے اسباب جمع ہو جائیں کہ فعل تو ان کا ہو مگر انتساب ہو جائے دوسرے کی طرف تو کیا اس وقت بھی ویسی ہی مسرت ہوتی ہے؟

علماء کو استغناء کی اشد ضرورت ہے

فرمایا.... میں خدا کے بھروسے پر کہتا ہوں کہ اگر اہل علم دنیا سے مستغنی ہو جائیں تو خدا تعالی ان کی ترغیب سے مدد کریں.... اور بل کہ خود یہی اہل دنیا جو آج ان کو ذلیل سمجھتے ہیں، اس وقت ان کو معزز سمجھنے لگے اور ان کے محتاج ہوں گے۔ کیوں کہ ہر مسلمان کو بحیثیت مسلمان ہونے کے جس طرح اپنی ضروریات کے لیے کم وبیش دنیا کی ضرورت ہے، خواہ وہ عالم ہو یا جاہل، رئیس ہو یا غریب۔

اور یہ ظاہر ہے کہ علماء کے پاس بقدر ضرورت دنیا موجود ہے اور اہل دنیا کے پاس دین کچھ بھی نہیں تو ان کو ہر ہر امر میں موت میں، حیات میں، نماز میں، روزے میں سب میں علماء کی احتیاج ہوگی۔ غرض ایک وقت ایسا آئے گا کہ اہل دنیا خود علماء کے پاس آئیں گے۔ پس علماء کو استغناء چاہیے، اور خدا تعالی کے دین میں مشغول ہونا چاہیے۔

ہم لوگوں میں ایک بڑی کمی یہ ہے کہ خدا تعالی سے تعلق پیدا نہیں کرتے، اگر خدا تعالی سے ہم کو تعلق ہو تو کسی کی بھی پرواہ نہ رہے.... البتہ میں علماء کو بداخلاقی کی اجازت نہیں دیتا۔ ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نوراللہ مرقدہ امراء کی بہت خاطر داری کرتے تھے اور اس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ نِعْمَ الْاَمِیْرُ

عَلٰی بَابِ الْفَقِیْرِ: یعنی جو امیر فقیر کے دروازے پر جائے وہ بہت اچھا ہے۔

پس جب کوئی امیر آپ کے دروازے پر آیا تو اس میں امارت کے ساتھ ایک دوسری صفت بھی پیدا ہوگئی یعنی نِعَم، پس اس صفت کی عظمت کرنی چاہیے، لہذا بداخلاقی کی اجازت نہیں۔ ہاں! استغنا ضروری ہے۔

علماء کو قواعد تجوید سیکھ لینے چاہئیں

فرمایا...۔ قرآن شریف اگر قواعد کو موافق تھوڑا ابھی پڑھ لیا جائے تو کافی ہے، پھر سب خود صحیح ہو جائے گا، اور یہ مضمون بہت ہی ضروری ہے، اس کی طرف علماء کو بالخصوص توجہ کرنا چاہیے۔

اس وقت اگر پچاس مولویوں کو جمع کر کے قرآن شریف سنا جائے تو بہ مشکل دو آدمی صحیح قرآن شریف پڑھنے والے ملیں گے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ طلبہ فلسفہ پڑھتے ہیں، منطق پڑھتے ہیں، اور، رأس العلوم قرآن شریف کو نہیں پڑھتے، پھر غضب یہ کہ ایسے لوگ امام ہو جاتے ہیں۔

اور اس میں دنیوی خرابی یہ ہے کہ بعض اغلاط پر عوام بھی مطلع ہو جاتے ہیں اور علماء کی بے قدری کرتے ہیں۔

ایک صاحب نے سورہ ناس میں... مِنَ الْجِنَّاتِ وَالنَّاسْ... پڑھا۔

ایک صاحب نے سورۂ ابی لہب میں... تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَہَب... پڑھا (بڑی حا سے)

ایک صاحب نے کہا کہ حضور! اتنے بڑے عالم ہو کر غلط پڑھتے ہیں۔

کہنے لگے کس طرح پڑھوں؟

انہوں نے آہستہ سے "اَبِیْ لَھَبٍ" بتلایا، آہستہ اس لیے بتلایا کہ کوئی سنے

نہیں، ناحق کی رسوائی ہے۔

تو وہ بزرگ اس آہستگی ہی کو مقصود سمجھ کر فرماتے ہیں، ہاں زور سے سنہ پڑھا کروں، ہلکے سے پڑھا کروں؟.... اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.... سمجھانے پر بھی نہ سمجھے۔

علماء کے ذمہ طلباء کی نگہداشت ضروری ہے

فرمایا.... مدرسہ بناؤ اور اس میں تربیتِ اخلاق اور تعلیم سلوک کا کام کرو کہ وہی حقیقی مدرسہ بھی ہوگا اور وہی خانقاہ بھی ہوگی۔

پس حقیقی مدرسہ وہ ہے جس میں علم کے ساتھ عمل کی بھی تعلیم اور نگہداشت ہو۔

پس اے مدرسہ والو! تم اپنے مدرسہ کو سنبھالا کرو، اور ان کو حقیقی مدرسہ بناؤ، یعنی طلبہ کے اعمال کی بھی نگہداشت کرو۔

ورنہ یاد رکھو! "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ" کے قاعدہ پر آپ سے اس کے متعلق سوال ہوگا، کیوں کہ آپ طلبہ کے نگہبان ہیں اور وہ آپ کی رعایا ہیں۔

پس یہ جائز نہیں کہ آپ طلبہ کو سبق پڑھا کر الگ ہو جائیں بل کہ یہ بھی دیکھتے رہو کہ ان میں سے کون علم پر عمل کرتا ہے اور کون عمل نہیں کرتا، جس کو عمل کا اہتمام ہو اسے پڑھاؤ ورنہ مدرسہ سے نکال باہر کرو، جب تو آپ کا مدرسہ واقعی دار العلوم ہوگا، ورنہ "دارِ علم" بلغتِ فارسی ہوگا.... کہ اس میں علم کو سولی دی گئی ہے،

مدارس دینیہ میں مبلغ کے تقرر کی ضرورت

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا ..... میں تمام اہل مدارس دینیہ کو رائے دیتا ہوں کہ ہر مدرسہ کی طرف سے کچھ مبلغ ہونے چاہئیں۔

یہ سنت نبویہ ہے، اور پڑھنا پڑھانا مقدمہ ہے اسی مقصود کا، اصل مقصود تبلیغ ہے اور ایک بات اور تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ مبلغین کا چندہ سے تعلق نہ ہونا چاہیے صرف احکام بیان کرنا، ترغیب اور فضائل بیان کرنا ان کا کام ہو۔

اس سے لوگوں کو بہت نفع پہنچتا ہے، مگر اہل مدارس اس طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔

تقوی سے فہم قرآن نصیب ہوتا ہے

فرمایا: تقوی سے تفقہ فی الدین اور قرآن کا فہم نصیب ہوتا ہے، مگر یہ فہم کیا چیز ہے؟ اور کس درجہ کی ہوتی ہے؟ اس کے بیان سے الفاظ قاصر ہیں، اس کے سمجھنے کا طریقہ یہی ہے کہ تقوی اختیار کر کے دیکھ لو، الفاظ سے کمالات حقیقیہ کی تعبیر نہیں ہوسکتی حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں امور ذوقیہ کی حقیقت بیان سے سمجھ میں نہیں آسکتی۔

دیکھو! اگر کسی نے آم نہ کھایا ہو اور تم اس سے آم کی تعریف کرو کہ ایسا لذیذ ایسا میٹھا ہوتا ہے تو وہ کہے گا گڑ جیسا؟ تم کہو گے نہیں۔

وہ کہے گا شکر جیسا؟ یا انگور یا انار جیسا؟ تم کہو گے نہیں۔

پھر وہ اصرار کرے گا کہ بتلاؤ کیسا ہوتا ہے؟ تم بھی کہو گے کہ بھائی ہم کو اس کے بیان پر قدرت نہیں، ایک دفعہ کھا کر دیکھ لو خود معلوم ہو جائے گا۔

اس وقت اس شخص کو تعجب ہوگا اور اس بات کا یقین نہ کرے گا کہ بیان پر قدرت نہیں مگر جب کھائے گا تو اب وہ بھی بیان پر قادر نہ ہوگا۔

یہ بات کمالاتِ حقیقیہ ہی کے ساتھ خاص نہیں بل کہ محسوسات میں بھی جس چیز کا ذوق سے تعلق ہے وہ الفاظ سے بیان نہیں ہوسکتی۔

تقوی کی حقیقت

تقوی سے یہ مراد نہیں کہ ذکر و شغل اور مراقبات کیا کرو یہ تو تقوی کی زینت ہیں،

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی حقیقت بھی بیان فرمائی ہے **الذین یؤمنون بالغیب تاھم یوقنون** اس جگہ حق تعالیٰ نے عقائد اور عبادات بدنیہ و مالیہ کے اصول بیان فرمائے ہیں، پس حاصل یہ ہوا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو دین میں کامل ہوں، ان کے عقائد بھی صحیح ہوں اور عبادات بدنیہ و مالیہ میں بھی کوتاہی نہ کرتے ہوں۔

شرعاً تقویٰ کی حقیقت کمال فی الدین ہے، جس پر دوسری آیت دال ہے، وہ یہ ہے **لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ** (لبقرة:۱۷۷) .... یہاں تک تو عقائد کا ذکر ہے تو برّ کامل کا ایک جز تصحیح عقائد ہے، آگے فرماتے ہیں **وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ** (البقرة:۱۷۷)....اس میں عبادات بدنیہ و مالیہ کا ذکر ہے اور **وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُواْ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاء والضَّرَّاء وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ** (البقرة:۱۷۷) اس میں اصول اخلاق کا ذکر ہے۔

غرض اعمال ظاہرہ اور طاعات مالیہ و بدنیہ اور اعمال قلبیہ وغیرہ سب اس آیت میں موجود ہیں، ان سب کو بیان کرنے کے بعد ارشاد ہوتا ہے: **أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ** (البقرة:۱۷۷)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ متقی وہ ہے جو ان سب اوصاف سے متصف ہو، پس ثابت ہوا کہ تقویٰ کی حقیقت کمال فی الدین ہے، اور تصحیح عقائد و ادائے طاعات بدنیہ و مالیہ و اصلاح معاملات و معاشرت اس کے اجزاء ہیں۔

اہل علم کو سادگی کی ضرورت

میرے خیال میں جہاں تک غور کیا جائے گا ہم میں سادگی کا پتہ بھی نہیں ملے گا

۔نہایت افسوس اس امر کا ہے کہ اس وقت خود اکثر اہل علم میں عورتوں کی سی زینت آ گئی ہے۔

صاحبو! یہ ہمارے لیے دین کے اعتبار سے بھی اور دنیا میں بھی سخت (قسم کا عیب و) نقص ہے، اس سے بجائے عزت بڑھنے کے اور ذلت بڑھتی ہے۔

ہمارے لیے کمال یہی ہے کہ نہ لباس میں کوئی شان وشوکت ہو، نہ دوسرے سامان میں، مگر اس وقت یہ حالت ہے کہ اکثر طالب علموں کو دیکھ کر یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ طالب علم ہیں یا کسی نواب کے لڑکے؟ اور یہ کوئی دیندار ہیں یا دنیادار؟

یا تو آدمی کسی جماعت میں داخل نہ ہو، اور اگر داخل ہو تو پھر وضع قطع بس اسی کی ہونا چاہیے۔ علم کی یہی زینت ہے کہ اہل علم کی وضع پر رہے۔

میں کہتا ہوں اگر اس کا بھی خیال نہیں تو کم از کم اس کا خیال تو ضرور کیجیے کہ آپ کس کے وارث ہونے کے مدعی ہیں اور ان مورث کی کیا حالت تھی۔

واللہ! ہماری حالت سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دین کا ہم پر کامل اثر نہیں ہوا، دین نے ہمارے قلب میں پوری جگہ نہیں کی۔

سلف صالحین اور اکابرین کی حالت

ہمارے سلف صالحین کی تو یہ حالت تھی کہ انہوں نے بعضے مباح امور کو بھی جب کہ وہ مفضی بہ تکلف یا فساق کا شیوہ ہو گئے ہوں۔۔۔۔ ترک کر دیا تھا۔

چنانچہ اسی بنا پر باریک کپڑا پہننا چھوڑ دیا تھا، اور اسی بنا پر حدیث شریف میں ہے **مَنْ رَقَّ ثَوْبُہٗ رَقَّ دِیْنُہٗ**: جس نے اپنے کپڑے کو باریک بنایا اس کا دین بھی باریک، کمزور ہو گیا۔

دوسری بنا کے متعلق ایک واقعہ ہے کہ کسی صحابی یا تابعی نے ایک مرتبہ کسی خلیفہ

کو مہین لباس پہنے دیکھ کر یہ کہا تھا: **اُنْظُرْ اِلٰی اَمِیْرِنَا هٰذَا یَلْبَسُ بِثِیَابِ الْفُسَّاقِ** ہمارے اس امیر کو دیکھو تو فاسقوں کا لباس پہنے ہوئے ہے۔

چوں کہ سلف صالحین میں سادگی بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی، اس لیے اس وقت صلحاء باریک کپڑے نہ پہنتے تھے، بل کہ فساق ہی پہنتے تھے، اس لیے امیر کو فساق کا لباس پہنے دیکھ کر یہ اعتراض کیا۔

پس اس وقت بھی جو امور اہل باطل یا اہل کبر کی وضع ہیں گو فی نفسہ مباح ہی ہوں، ان کو ترک کرنا چاہیے انگریزی بوٹ، جوتے، پھندنے دار ٹوپی وغیرہ کیوں کہ اس قسم کے امور اول تو **مَنْ تَشَبَّهَ** میں داخل ہیں۔

دوسرے اگر ان کو تشبہ سے قطع نظر کر کے مباح مطلق بھی مان لیا جائے تب بھی چوں کہ ثقہ لوگوں کی وضع نہیں ہے اس لیے بھی وہ قابل ترک ہوں گے۔

ہماری وضع ایسی ہونی چاہیے کہ لوگوں کو دیکھتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ ان لوگوں میں ہیں جن کو ناکارہ سمجھا جاتا ہے جو کہ ہمارے لئے مایۂ فخر ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ بالکل سادے رہتے تھے مگر لوگوں کو ہمت بھی نہیں ہوتی تھی کہ سامنے بات کر سکیں۔

ریا و کبر کے شعبے

بعض اہل علم اپنے کو خوب بناؤ سنگھار کے رکھتے ہیں جو شانِ علم کے خلاف ہے اور ضروری خدماتِ علم سے بے فکری کی علامت ہے، کیوں کہ اس فکر کے ساتھ یعنی لباس و طعام وغیرہ کے تکلفات کے ساتھ علم کی طرف التفات نہیں ہوتا۔

اسی طرح مجلس میں صدر یا ممتاز جگہ پر بیٹھنے کا شوق، چلنے میں تقدم کی فکر، مجمع میں امام ہونے کا خیال یہ سب ریا و کبر کے شعبے ہیں، تواضع و بے تکلفی اور سادگی ہی

میں علم دین کی شان ہے، حدیث میں ہے، اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِیْمَانِ اس سے مساکین کو بعد وتوحش نہیں ہوتا اور یہی لوگ دین کے زیادہ قبول کرنے والے ہیں، البتہ سادگی کے ساتھ طہارت ونظافت ضروری ہے۔

امتیازی ہیئت سے احتیاط

ہمارے مشائخ کا طرز یہ ہے کہ وہ امتیاز سے بچتے ہیں، امتیازی شان نہ بنانا چاہیے، اسی لیے ہمارے بزرگ نہ عبا پہنتے ہیں نہ چوغہ، نہ سدری کہ اس آدمی خواہ مخواہ دوسروں سے ممتاز معلوم ہوتا ہے۔

صدری میں آج کل ہماری جماعت میں اختلاف ہے، بعض لوگ اس کی ضرورت سمجھتے ہیں، اور میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

ہم نے اپنے اکابر کو صدری پہننے کا عادی نہیں دیکھا، رواج عموم ولزوم کے ساتھ آج کل ہی نکلا ہے، اور اس کو بھی لوگوں نے علماء کا خاص امتیاز وشعار بنالیا ہے جس سے ہمارے اکابر بچتے تھے، چنانچہ اگر کسی وقت گوشہ نشینی سے امتیاز ہونے لگے تو ہمارے اکابر عزیمت بھی اختیار نہ کرتے تھے بل کہ اختلاط کے ساتھ زبان کی حفاظت کرتے تھے۔

علماء کو غیر مقصود کے درپے ہونا مناسب نہیں

فرمایا..... میں علماء سے بھی کہتا ہوں کہ آپ کی یہ تقریریں اور نکات واسرار سب رکھے رہ جائیں گے، اور سالکین سے بھی کہتا ہوں یہ مواجید واذواق اور معارف وحقائق بدون تعلق صادق کے بے کار ہیں۔

حضرات! نوکر کا فیشن کام نہیں آتا کہ وہ بنا ٹھنا رہے اور باتیں بنایا کرے بل

کہ اس کی خدمت کام آتی ہے۔امام غزالی نے لکھا ہے کہ حضرت جنید بغدادیؒ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟

فرمایا ساری عبادتیں اور اسرار ونکات واشارات غائب ہو گئے، ان سے کچھ کام نہ چلا، بس وہ چھوٹی چھوٹی چند رکعتیں کام آئیں جو آدھی رات میں پڑھ لیا کرتے تھے۔

صاحبو! بڑی چیز یہ ہے کہ انسان اصل عمل اور مقصود کو لازم سمجھے اگر مقصود کے ساتھ غیر مقصود بھی حاصل ہو جائے تو نور علی نور ہے ورنہ کچھ نفع نہیں اگر مقصود حاصل نہ ہوا۔

آج کل غضب یہ ہے کہ علماء وصوفیاء سب غیر مقصود کے در پے ہیں، مقصود سے اکثر غافل ہیں بل کہ کوسوں دور ہیں۔

عالم بے عمل کی مثال

امام غزالی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جس شخص کو بہت سے علوم حاصل ہوں اور عمل نہ کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سپاہی ہو اور اس کے پاس بہت سے ہتھیار ہوں، اس کو راہ میں دشمن ملے اور مقابلہ ہوا لیکن وہ اس اسلحہ کا استعمال نہیں کرتا تو کیا دشمن پر غالب ہوگا؟

یہ علوم بہ منزلہ ہتھیار کے ہیں شیطان کے دفع کرنے کے لئے، ہتھیار بھی کیسے؟ لائسنس کے مگر صرف ہتھیاروں کے لگانے سے خوش نہ ہونا چاہیے جب ان پر عمل ہی نہیں تو کیا فائدہ؟

ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد ہے **فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ**: وہ لوگ اس علم ہی کی وجہ سے خوش ہیں جو ان کے پاس ہے۔

اگر کوئی خارش والا خارش کے بہت سے نسخے یاد کرلے تو اس کیا نفع جب تک کہ ان کو کوٹ کر پیس کر کام میں نہ لایا جائے، اللہ تعالی حضرت کے ان ارشادات پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.......(۱۴)

دل گلستاں تھا تو ہر شی سے ٹپکتی تھی بہار
دل بیاباں ہوگیا، عالم بیاباں ہوگیا

اہل علم کی صفات

(افادات)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ

حضرت شیخ الحدیثؒ کے یہ وہ اقتباسات ہیں جو حضرت کے ملفوظات ومجالس وآپ بیتی سے ماخوذ ہیں، جو اہل علم حضرات کے لیے نہایت ہی زریں تحفہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

صحابہ کرام ﷺ اور ہم لوگوں میں بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے پاک ارشادات پر یقین واعتماد ایسا کلی اور قلبی تھا کہ اس میں ان کو کوئی تردد نہیں رہتا تھا۔

اور ہم لوگوں کا اعتماد زبانی ہے، قلبی نہیں ہے۔۔۔۔لیکن میں نے اپنے اکابر میں اس اعتماد کو علی الوجہ الاتم پایا، ان حضرات کے نزدیک حضور پاک ﷺ نے جس چیز سے ڈرایا اس سے خوف ایسا طبعی بن گیا تھا جیسا ہم لوگوں کو سانپ بچھو سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک قرآن پاک اور احادیث کے ارشادات ایسے قطعی تھے کہ اس میں کوئی عقلی نہیں طبعی بھی تردد نہیں رہتا تھا، اللہ تعالیٰ اس دولت کا کوئی شمہ اس سیاہ کار کو بھی نصیب فرمائے۔

ازافادات

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب نوراللہ مرقدہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے

دیکھو پیارو! اللہ جل شانہ ہی معطی ہے، مانگو تو اسی سے، اسی مالک سے، دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے، اب وہ جس سے چاہے دلوا دے، دلوں میں وہی ڈالتا ہے۔

میرے ایک تعلق والے تھے، ہمیشہ مجھ کو بیروں کی فصل پر پانچ سیر بیر دیوبند سے بھیجا کرتے تھے (دیوبند کے بیر مشہور ہیں) جس سال ان کا انتقال ہوا اسی سال ایک دوسرے صاحب کے یہاں سے ایک ٹوکرا بیروں کا آنا شروع ہو گیا۔

کاندھلہ کے میرے ایک عزیز تھے، مجلس میں اس وقت جو کاندھلہ والے ہیں وہ ان کو جانتے ہی ہوں گے، وہ کاندھلہ کے رئیسوں میں سے تھے، انہوں نے میرے سو روپے مقرر کیے ہر سال بھیجا کرتے تھے، اپنے سب ہی اکابر کا خیال رکھا کرتے تھے جب ان کا انتقال ہوا اسی سال سے دوسرے صاحب نے دینے شروع کر دیئے۔

برکت والا مال

اے مولویو! سن لو دیکھو تم لاکھ سر پٹخو، کوئی دے گا نہیں، نہ مہتمم دے نہ کوئی سر

پرست مدرسہ، اللہ ہی ہیں جس سے چاہے دلوا دیں۔

میرے دوستو! مانگو، خوب مانگو اور رو کر مانگو.....اور مولوی صاحب! کیا ہے حدیث میں کہ جوتے کا تسمہ بھی اگر ٹوٹ جائے تو وہ بھی پروردگار ہی سے مانگو۔

ایک بات یاد رکھو! بغیر طلب اور سوال کے کہیں سے کچھ آئے تو اس میں بہت برکت ہوتی ہے، اور جو چیز طلب سے آئے وہ بہت بے برکت ہوتی ہے، کسی رئیس مالدار آدمی کو دیکھ کر دل میں سوچے کہ ہمیں کچھ دیدے......یہ اشراف نفس ہے۔

اشراف کی حقیقت

حضرت مولانا الحاج رحیم بخش صاحبؒ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے مرید اور میرے جملہ اکابر کے بہت خصوصی تعلق رکھنے والے تھے، بھاولپور کے وزیر اعظم تھے اور نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ان کے صاحب زادے موجودہ نواب کی صغرسنی کی بنا پر ان کے اتالیق اور جملہ امور میں نواب صاحب مرحوم کے قائم مقام رہے، اور میرے اکابر کے ساتھ خصوصی تعلق کی وجہ سے ان حضرات کی بھی بھاولپور کثرت سے تشریف آوری ہوتی تھی۔

وزیر اعظم کی دعوت پر تینوں اکابر بھاولپور میں

ایک مرتبہ ان کی دعوت پر حضرت اقدس سہارن پوری، حضرت شیخ الہند، اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہم تینوں ساتھ ہی بھاولپور تشریف لے گئے، اور ساتھ ہی واپس تشریف لائے، واپسی پر انہوں نے ہر سہ حضرات کی خدمت میں علی التساوی ایک گرانقدر ہدیہ پیش کیا، شیخین نے تو قبول کرلیا اور حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ مجھے چوں کہ اشراف نفس ہوگیا تھا، اس لیے

قبول سے معذوری ہے، ان دونوں حضرات کو نہیں ہوا ہوگا۔

مولانا رحیم بخش صاحب نے وہ رقم فوراً لے کر اپنی جیب میں رکھ لی، اور اشارۃً بھی کوئی لفظ اس کے قبول کرنے کے متعلق نہیں کہا، یہ سب حضرات ان سے رخصت ہو کر ریل میں سوار ہو گئے۔

مقدر کی چیز بہر صورت مل ہی جاتی ہے

رقم ایک لفافہ میں بند کر کے بھیجی، اور اس میں یہ پرچہ لکھا کہ حضرت والا نے اشراف نفس کے احتمال سے یہ ناچیز ہدیہ واپس کر دیا تھا، اور اس خاکسار کو حضرت اقدس کی منشاء کے خلاف مکرر درخواست کی جرأت نہیں ہوئی۔

لیکن اب تو حضرت واپس جا چکے اور اشراف کا کوئی احتمال بھی نہیں رہا، اس لیے امید ہے کہ اس ناچیز ہدیہ کو قبول فرمالیں گے، اور اگر اب بھی کوئی گرانی ہو تو حضرت کے طبع مبارک کے خلاف ذرا اصرار نہیں..... اس مضمون کا پرچہ لفافہ میں بند کر کے اس نوکر سے کہا کہ جب سات اسٹیشن گذر جائیں تو فلاں جنکشن پر یہ بند لفافہ حضرت کی خدمت میں پیش کر دینا، اور پوچھ لینا، حضرت اگر کچھ جواب دیں تو لیتے آنا، ورنہ چلے آنا۔

چنانچہ حسب ہدایت ملازم چلا اسٹیشن جا کر وہ لفافہ پیش کیا، حضرت نے پڑھا اور بہت اظہار مسرت فرمایا اور فرمایا محبت خود طریقے سکھلا دیتی ہے۔

مجھے تو اس قصے پر ہمیشہ ایک مصرعہ یاد آتا ہے:

> محبت تجھ کو آداب محبت خود سکھا دے گی

بہر حال حضرت نے قبول فرما کر تحریر فرمایا کہ خدا تعالی آپ کی فہم وذکاء میں ترقی عطا فرمائے، واقعی اب مجھے کوئی عذر نہیں۔

مولویو! دیکھو مان لو میری بات کو..... کہ دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے، یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میرے سننے میں آتا رہتا ہے کہ مہتمم نے فلاں کی تنخواہ گھٹادی اور فلاں کی بڑھادی، اور مہتمم نے یہ کردیا، اور منتظم نے یہ کردیا۔

تبلیغی جماعت والے منکرات پر نکیر نہ کریں

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا: تبلیغ کے لوگوں سے ضرور ایک بات کہوں کہ وہ منکرات کو نہ چھیڑیں، یہ ایک کام کو لے کر چلے ہیں بس اسی پر رہیں۔

حضرت تھانویؒ بھی فرماتے تھے کہ تبلیغ والوں کا ایک اصول ہے، جب منکرات پر نکیر نہ کرنا ایک اصول بنایا ہے تو ضرور اس پر عمل کریں۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب و مولانا عاشق الٰہی صاحب کے درمیان تبلیغ کے سلسلے میں گفتگو اور حضرت شیخ کا محاکمہ

اس کے بعد حضرت نے مجلس میں تحریک تبلیغ کے ابتدائی زمانے میں جو گفتگو تبلیغ کے سلسلہ میں مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی سے فرمائی تھی، اس کو سنایا، جس کو حضرت نے آپ بیتی میں بھی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

چچا جان کا اصرار حضرت رائے پوری پر یہ رہتا تھا کہ دہلی تشریف آوری زیادہ ہوا کرے اور کئی دن کے لیے ہوا کرے۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ ناکارہ اور حضرت رائے پوری قدس سرہ پہنچے ہوئے تھے، واپسی میں چچا جان نور اللہ مرقدہ بھی ساتھ تشریف لائے، چچا جان نے فرمایا کہ راستہ میں میرٹھ اترنا ہے۔

میں نے عرض کیا کہ میں تو اترونگا نہیں، سیدھا سہارنپور جاؤں گا، آپ دونوں حضرات اس گاڑی سے اتر کر دوسری گاڑی سے سہارنپور تشریف لے آویں، وہاں

استقبال کروں گا۔

حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا اگر تم نہیں اترو گے تو میں بھی نہیں اتروں گا میں نے عرض کیا چچا جان آپ کے ساتھ ہوں گے۔ چچا جان نے زور سے فرمایا کہ نہیں تم بھی اترو گے، غرض یہ کہ اترنا طے ہوگیا، آٹھ بجے کے قریب میرٹھ پہنچے۔

حضرت میرٹھی نور اللہ مرقدہ اس قدر خوش ہوئے کہ کچھ حد وحساب نہیں، یہ گرمی کا موسم تھا، اور حضرت میرٹھی قدس کے زمانہ مکان کے نیچے ایک تہہ خانہ ہے، نہایت ٹھنڈا، مولانا کو مکان بنوانے کا بہت ہی سلیقہ تھا، اس تہہ خانہ کا ایک زینہ زنانہ میں اور ایک مردانہ میں تھا، اگر اس کو زنانہ کرنا ہو تو مردانہ زینہ بند کردیا جائے، اور اگر اس کو مردانہ بنانا ہو تو زنانہ زینہ بند کردیا جاتا ہے، مولانا نے اس میں خوب چھڑکاؤ کرایا، تین چار پائیاں بچھوائیں اور خالی جگہ میں بوریا اس پر سیتل پائی کا فرش بچھایا، اور کھانے سے فارغ ہوکر بہت خوشی خوشی ہم لوگ آگے گئے اور حضرت میرٹھی ہمارے پیچھے پیچھے تہہ خانہ میں پہنچ گئے۔

حضرت میرٹھی کا روئے سخن چچا جان کی طرف

مولانا نے چچا جان کو خطاب فرما کر کہا کہ حضرت مولانا! آپ کی خدمت میں بہت دنوں سے کچھ عرض کے کو جی چاہ رہا ہے، میری وہاں حاضری نہ ہوئی اور آپ یہاں تشریف نہ لا سکے، اس وقت کہ دونوں حضرات (حضرت رائے پوری اور حضرت شیخ) یہاں تشریف فرما ہیں، مجھے کچھ عرض کرنا ہے.... نشست اس طرح تھی کہ میں اور حضرات رائے پوری ایک جانب اور چچا جان وحضرت میرٹھی برابر برابر دوسری جانب تھے۔

حضرت میرٹھی نے عرض کیا کہ تبلیغ تو سرآنکھوں پر، اس سے تو کسی کو انکار نہیں اس کے ضروری ہونے میں بھی، اور مفید ہونے میں بھی..... مگر جتنا غلو آپ نے اختیار کرلیا یہ اکابر کے طرز کے بالکل خلاف ہے، آپ کا اوڑھنا بچھونا سب تبلیغ ہی بن گیا...... آپ کے یہاں نہ مدارس کا اہمیت، نہ خانقاہوں کی۔

چچا جان کو بھی غصہ آ گیا، فرمایا کہ جب ضروری آپ بھی سمجھتے ہیں تو آپ خود کیوں نہیں کرتے، اور جب کوئی کرتا نہیں تو مجھے سب کے حصہ میں فرض کفایہ ادا کرنا ہے۔

غرض دونوں بزرگوں میں خوب تیز کلامی ہوگئی..... اور حضرت اقدس رائے پوری نور اللہ مرقدہ کو کچھ ایسا رنج وقلق ہوا کہ کانپنے سے لگے، میں نے چپکے سے حضرت رائے پوری کے کہنی مار کر (وہ دونوں اپنی تقریر میں تھے دیکھا بھی نہیں) کہا کہ "میرٹھ اُتریں گے"۔

کام تو پیچھے پڑ جانے سے ہوتا ہے

میں بھی چار پانچ منٹ خاموش بیٹھا رہا، اور جب میں نے دیکھا کہ دونوں اکابر کا جوش ڈھیلا پڑ گیا تو میں عرض کیا کہ حضرت! کچھ میں بھی عرض کروں؟

تو تینوں حضرات نے متفق اللسان ہوکر فرمایا ضرور، ضرور۔

حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ اتنی دیر چپ بیٹھے رہے۔

میں نے کہا کہ بڑوں کی باتوں میں سب کا چھوٹا کیا بولتا۔

میں حضرت میرٹھی کی طرف متوجہ ہوکر عرض کیا کہ حضرت! یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ میں ان سب اشکالات میں آپ کے ساتھ ہوں۔

اس لفظ پر چچا جان کو غصہ آ گیا مگر بولے کچھ نہیں۔

اس کے بعد میں نے کہا کہ کام کوئی دین کا ہو یا دنیا کا ہو، چند مطلب لے کر نہیں ہوا کرتا کام تو جو ہوتا ہے یکسوئی اور اس کے پیچھے پڑ جانے سے ہوتا ہے۔

بات یہ ہے کہ جو شخص جس کی سرپرستی کرے گا اس کو اسی کا دل و جان سے ہونا پڑے گا چنانچہ ہمارے اکابر میں سے جس نے بھی جو کام کیا ہمہ تن اس میں لگ گئے۔

حضرت رائے پوریؒ نے میرے تائید فرمائی کہ سچ فرمایا۔

میں نے کہا کہ حضرت! چچا جان اپنے اس حال میں مغلوب ہیں، آپ کو بھی معلوم ہے اور ہم کو بھی، اور کوئی کام بغیر غلبہ حال کے نہیں ہوتا۔

خبر نہیں کیا بات کہی، حضرت میرٹھی کو یکدم ہنسی آ گئی، اور میرے چچا جان بھی ہنس پڑے، بات کو بھی دونوں ختم کرنا چاہتے تھے۔

اس کے بعد میں نے حضرت میرٹھی سے عرض کیا کہ کھانے میں اتنے تو مال کھلا دیئے، میرے سے تو بیٹھنا مشکل ہو رہا ہے، اب آپ تشریف لے جاویں ہم کو آرام کرنے دیں، چنانچہ مولانا ایک دم اُٹھ گئے۔

موجودہ تبلیغی کام کی حضرت کے نزدیک اہمیت وافضلیت

اس کے بعد حضرت نے مجلس میں فرمایا: دیکھو! تبلیغ کا کام جو آج چل رہا ہے، بہت اونچا عمل ہے، یہ کام مدرسے سے بھی اونچا ہے، خانقاہ سے بھی اونچا ہے۔ یہ کام نہ مدارس میں ہو رہا ہے، نہ خانقاہ میں۔

یہ بات میں علماء اور مولویوں سے کہتا ہوں، اس بات کے کہنے کا صرف ہم ہی کو حق ہے، ہم کہہ سکتے ہیں۔

تبلیغی کام کرنے والوں کے لیے اہم ہدایت

لیکن تبلیغ والوں سے کہتا ہوں، غور سے سن لو! یہاں سے تبلیغ والے بھی ہوں گے۔

اچھی طرح سے سن لیں، ان کو بالکل اجازت نہیں کہ وہ اس بات کو اپنی زبان سے کہیں، حضرت چچا جان نور اللہ مرقدہ خود فرمایا کرتے تھے کہ علم وذکر تبلیغ کی گاڑی کے دو پہیے ہیں ان کے بغیر تبلیغ نہ چل سکے گی، حضرت نور اللہ مرقدہ خود مدرسہ کا اہتمام فرماتے تھے۔

اس لئے تبلیغی کام کرنے والوں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ وہ اس تبلیغی کام کو مدارس یا خانقاہوں پر فضیلت دیں، زبان سے یا اشارہ، کنایہ سے، خوب سمجھ لو، اور غور کرلو۔

مگر ایک بات مولویوں سے کہتا ہوں کہ تم منکرات پر ضرور ٹوکو۔

پھر فرمایا: بارہا والد صاحب نور اللہ مرقدہ میرے تھپڑ مار دیا کرتے تھے اور فرماتے ایسا میں اس لیے کرتا ہوں کہ کہیں صاحبزادگی کا تم میں سور نہ پیدا ہوجائے۔

آج ہم اپنے بچے کو تو ہاتھ نہ لگائیں اور دوسرے کے بچے کو نہی عن المنکر کے آڑ میں ماریں **کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ:** یعنی ہر ایک شخص سے اس کے ماتحت کے بارے میں سوال ہوگا کہ اس کی نگرانی کی تھی یا نہیں؟

تحمل کے بعد شمائل نبوی کو اپنانا

ارے پیارو! مولویو! شمائل کو خوب مطالعہ رکھو۔ جن چیزوں پر عمل نہ ہو سکے تو کم از کم ان کو دل سے اچھا تو سمجھو کہ ہونا تو یہی چاہیے لیکن ہم اپنے ضعف اور عدم تحمل کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتے۔

ارے دوستو! ایک رمضان تو ایسا گذار لو (جیسا گذارنا چاہیے) آگے بس بیس دن باقی رہ گئے ہیں، ان کو وصول کرلو، اتباع سنت کی خوب مشق کرو۔

اتباع سنت کی تاکید

میرے چچا جان نے بھی مجھ کو اتباع سنت کی نصیحت فرمائی تھی اور یہ کہ اپنے

دوستوں کو بھی اس کی تاکید ضرور کرتے رہنا۔

خصوصی خطاب ذرا کم کرو اور عمومی خطاب زیادہ کرو۔

علماء دین کے لیے تکمیل سلوک بہت آسان ہے

تم لوگ یہاں سلوک کی تکمیل کے لیے آئے ہو، یہ سلوک جو ہے بہت ہی آسان ہے ''راہ خدا از دو قدم دور نیست''

اللہ کی قسم! یہ تصوف کا راستہ دو قدم پر ہے، ایک قدم نفس پر دوسرا مقام (منزل مقصود) پر اور خاص کر مولویوں کے لیے زیادہ آسان ہے، مجاہدہ ان کو کرنا نہیں، تعلیم کا زمانہ ان کا سارا مجاہدہ میں ہی گذرتا ہے، اور زبان پر تو **قال اللہ** اور **قال الرسول** ہمیشہ رہے، دوسرے لوگوں کو بہت مجاہدہ کرنا پڑے اتنا مولویوں کو نہیں کرنا پڑتا، ان کے لیے تو سلوک کی لائن بہت آسان ہے۔

اہل علم میں ایک خطرناک روگ

لیکن ان کے اندر کا بس ایک ہی بگاڑ اور روگ ایسا ہے کہ ''سوسنار کی ایک لوہار کی'' وہ ہے تکبر.....

میرے پیارو! بس یہ نکال دو مقام پر پہنچ جاؤ گے۔

آج کل لکھنے کا تو بہت رواج ہو گیا، اپنے کو کیا کیا لکھتے ہیں، حقیر، فقیر، ناکارہ، تواضع کے الفاظ بہت لکھتے ہیں، بس دل میں پیدا ہو جائے تو بیڑا پار ہے، اور یہ بڑوں کا کہنا ہے، ان کی تاکید ہے ضرور کامیاب ہوں گے ان شاء اللہ میرا ابھی تجربہ ہے اور خوب ہے۔

معاصی کی دو قسمیں شیطانی اور حیوانی

یاد رکھو! معاصی دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک حیوانی اور ایک شیطانی۔

حیوانی جیسے کھانا پینا شہوت وغیرہ۔

شیطانی جیسے کبر، نخوت، بغاوت، حسد۔

حقیقت یہ ہے کہ جس ماحول میں اس سیہ کار کی پرورش ہوئی ہے اس میں شیطانی جرائم حیوانی جرائم سے بہت زیادہ شدید سمجھے جاتے تھے، پھر جوں جوں روایات حدیث پر نظر ہوئی یہ چیزیں دل میں جگہ ہی پکڑتی گئیں۔

حیوانی جرائم کے بارے میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ۔

اور شیطانی جرائم میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ كِبْرٍ۔

حضرت آدم علیہ السلام کا جرم پہلی نوع کا تھا، خود حق تعالیٰ شانہ نے کلمات توبہ القا فرما کر توبہ قبول کر لی۔

اور ابلیس کا جرم دوسری نوع کا تھا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ (الحجر: ۳۴) **وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ** (ص: ۷۸) اسی وجہ سے چالیس سال سے زائد بندے کا مدرسہ کے انتظامی امور میں بہت زیادہ دخل رہا ہمیشہ پہلی نوع کے جرائم میں جن طلبہ کا اخراج ہوتا تھا میری رائے یہ ہوتی تھی کہ توبہ اور تنبیہ کے بعد داخلہ کر لیا جائے، لیکن دوسری نوع میں میری شدت سے یہی رائے رہی کہ ہرگز داخلہ نہ رہے۔

تکبر کی اور تکبر دور ہونے کی علامت

ایک صاحب نے خط لکھا تھا کہ کبر کے نکلنے کی علامت کیا ہے؟

میں نے جواب میں لکھوایا کہ اگر کوئی تم پر اعتراض پر غور کیا جائے گا، اگر صحیح ہوگا تو ہم اس کی اصلاح کریں گے ..... تو یاد رکھو یہ علامت ہے کبر دور ہونے کی

اور اگر اعتراض وتنقید سنتے ہی بلا سوچے سمجھے غصہ آتا ہے تو یہ علامت ہے تکبر کی۔

ہم میں اور صحابہ میں بنیادی فرق

صحابہ کرام اور ہم لوگوں میں بڑا بنیادی فرق یہ ہے کہ ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے پاک ارشادات پر یقین واعتماد ایسا کلی اور قلبی تھا کہ اس میں ان کو کوئی تردد نہیں رہتا تھا۔ اور ہم لوگوں کا اعتماد زبانی ہے، قلبی نہیں ہے..... لیکن میں نے اپنے اکابر میں اس اعتماد کو علی الوجہ الاتم پایا، ان حضرات کے نزدیک حضور پاک ﷺ نے جس چیز سے ڈرایا اس سے خوف ایسا طبعی بن گیا تھا جیسا ہم لوگوں کو سانپ بچھو سے خوف معلوم ہوتا ہے۔

ان کے نزدیک قرآن پاک اور احادیث کے ارشادات ایسے قطعی تھے کہ اس میں کوئی عقلی نہیں طبعی بھی تردد نہیں رہتا تھا، اللہ تعالیٰ اس دولت کا کوئی شمہ اس سیاہ کار کو بھی نصیب فرمائے۔

ہمارے اکابر کا یقین والا علم

ہماری جماعت کے اکابر میں حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ معروف بزرگ ہیں، مدرسہ عالیہ مظاہر علوم کا نام انہیں کے نام پر رکھا گیا ہے، یہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ کے براہ راست شاگرد تھے۔ ان مخلصین میں سہارن پور کے ایک رئیس حافظ فضل حق صاحب تھے، جو مدرسہ مظاہر علوم کے خزانچی بھی تھے، ان کا تکیہ کلام تھا، ''اللہ کے فضل سے''

ایک دن صبح کو انہوں نے حضرت مولانا مظہر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: حضرت جی! رات تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہو گیا۔

حضرت قدس سرہ بھی یہ فقرہ سن کر ہنس پڑے، اور دریافت کیا کہ حافظ جی!

اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب کیا ہو گیا تھا؟

انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! رات میں سو رہا تھا، اور مکان میں اکیلا بھی تھا میری جو آنکھ کھلی، میں نے جو دیکھا کہ تین چار آدمی میرے کوٹھے کو کواڑوں کو چمٹ رہے ہیں۔ میں نے ان سے بیٹھ کر پوچھا ابے تم چور ہو؟ کہنے لگے ہاں ہم چور ہیں۔

میں نے کہا سنو! میں شہر کے رؤسا میں شمار ہوں، اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے پاس ہے، اور وہ سارا کا سارا اسی کوٹھے میں ہے، اور یہ تالا جو اس کو لگ رہا ہے چھ پیسے کا ہے، تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا، تم تو تین چار ہو، دس بارہ کو اور بلا لاؤ، اور اس تالے ٹھوکتے رہو، یہ ٹوٹنے کا نہیں۔

میں نے حضرت جی (مولانا مظہر صاحب) سے سن رکھا ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے، میں نے اس مال کی زکوٰۃ جتنی واجب ہے اس سے زیادہ دے رکھی ہے، اس لیے مجھے اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں، اللہ میاں آپ حفاظت کریں گے۔

ان چوروں سے اتنا کہہ کر اطمینان سے سو گیا، وہ چور کوٹھے کا وہ تالا بھی نہ توڑ سکے۔

(ف) اللہ اکبر ارشادِ نبوی پر کیا کامل یقین ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کا کچھ شمہ عطا فرمائے۔ (از مرتب)

دورِ صدیقی میں علاؤ الدین حضرمی کا واقعہ

سیر کی کتابوں میں علاؤ الدین حضرمی کا قصہ مذکور ہے، حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے (ایک مہم پر روانہ کرتے ہوئے) ان سے کہہ دیا تھا کہ راستہ میں توقف نہ کرنا۔

ایک مقام پر پہنچے، وہاں سمندر حائل تھا، حالاں کہ صدیق اکبرؓ کا مطلب یہ تھا کہ آرام کے لیے توقف نہ کرنا، نہ یہ کہ سمندر حائل ہو جب بھی توقف نہ کرنا۔

پس عبور کا عزم بالجزم کرلیا، اور دُعا کی کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر میں راستہ کر دیا گیا تھا، ہم غلامانِ محمد ﷺ ہیں۔

اے اللہ! ہم کو راستہ ملے، اور بسم اللہ کہہ کر گھوڑا سمندر میں ڈال دیا، اور پار اُتر گئے۔

ہمارے اکابر کی نگاہ تنخواہوں پر نہ تھی

میرے حضرت (مولانا خلیل احمد سہارن پوری) کی تنخواہ مظاہر علوم میں چالیس اور حضرت شیخ الہندؒ کی دارالعلوم میں پچاس روپئے تھی۔

ان دونوں کے متعلق جب بھی ممبران اور سرپرستان کی طرف سے ترقی تجویز ہوتی تو یہ دونوں حضرات اپنی اپنی جگہ یہ کہہ کر ترقی سے انکار کر دیا کرتے تھے کہ ہماری حیثیت سے بھی زیادہ ہے۔

دونوں مدرسوں میں میں جب مدرس دوم کی تنخواہیں ان کے برابر پہنچ گئیں تو ممبران نے یہ کہہ کر کہ اب ماتحت مدرسوں کی تنخواہیں تو صدر مدرس کی تنخواہ سے زیادہ نہیں ہوسکتیں، آپ کے انکار سے ان کی ترقیاں رک جائیں گی۔ اس وقت مجبوراً ہر دو اکابر نے اپنی اپنی ترقی قبول کی۔

بڑی تنخواہ کی پیش کش اور حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نانوتوی کا جواب

حضرت مولانا یعقوب صاحب نور اللہ مرقدہ اجمیر کی ایک صدر (سو روپئے) ماہوار تنخواہ چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند میں تیس روپئے ماہوار پر اکابر کے مشورہ سے تشریف لے آئے تھے۔

اس کے بعد بھوپال کے مدار المہام صاحب نے جو حضرت مولانا کے والد حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے شاگرد تھے، بحق صاحبزادگی مولانا کو تین سو روپئے ماہوار پر بلانا چاہا۔ مولانا نے یہ جواب تحریر فرمایا: **إِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضَاهَا**: یعقوب کی جو حاجت تھی وہ پوری ہو چکی کہ بقدر معاش کے ساتھ

اہل اللہ کا قرب اور علمیہ دینیہ خدمت نصیب ہوگئ، لہذا اب کہیں آنے جانے کا خیال نہیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی ؒ کا واقعہ

نواب مولانا حبیب الرحمن خاں شیروانی نے بیان فرمایا ہے کہ علی گڑھ کے ایک رئیس بزرگ حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہاد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوگئے تھے ان کے ایک صاحبزادے تھے، ان کی تعلیم کے لیے (غالباً حدیث شریف وغیرہ کی اعلی تعلیم کے لیے) کسی اچھے عالم کی ضرورت تھی۔ حضرت نانوتویؒ کو لکھا گیا کہ وہ کسی کا انتخاب فرما کر انتظام فرمادیں۔

مولانا اس خدمت کے لیے خود اپنے کو پیش کردیا، اور علی گڈھ تشریف لے آئے اور حق الخدمت کے بارے میں خود ہی فرمایا کہ میری ضروریات دس روپے میں پوری ہوجاتی ہیں، اس لیے میں بس دس روپئے لوں گا، اس پر عمل ہوتا رہا۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک دن حضرت نے فرمایا کہ میں جو دس روپئے لیتا تھا اس میں سے پانچ والدہ ماجدہ کو بھیجتا تھا، ان کا انتقال ہوگیا، اس لیے اب صرف پانچ روپئے میرے لیے کافی ہوں گے، اس لیے بس پانچ ہی دیے جائیں۔

اس کے بعد آپ جب تک رہے صرف پانچ روپئے ہی قبول کرتے رہے۔

ہمارے اکابر کے مجاہدات

اکابر میں سے کوئی بھی میرے علم میں ایسا نہیں گذرا جس نے ابتدا میں مجاہدات کسی نہ کسی نوع کے نہ کیے ہوں۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ نے کئی مرتبہ ارشاد فرمایا کہ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جو ہماری ابتدا دیکھے وہ کامیاب اور جو ہماری انتہا دیکھے وہ ناکامیاب۔

سچ ہے کہ ابتدا میں ان حضرات کو جتنی محنتیں کرنی پڑتی ہیں ان کا دیکھنے والا تو سمجھ لیتا ہے کہ بزرگی اس طرح حاصل ہوتی ہے، اور ان کی منتہا کا دیکھنے والا، جب

وہ حضرات اپنی ساری قوتیں فنا کر کے معذوری کے درجہ میں پہنچ جاتے ہیں اور ان محنتوں کے ثمرات شروع ہو جاتے ہیں.. تو اس وقت کا دیکھنے والا یوں سمجھ لیتا ہے کہ بزرگی اس طرح بھی حاصل ہو جاتی ہے:

رنگ لاتی ہے حنا پتھر پہ پس جانے کے بعد

حضرت مولانا الیاس صاحب کا رات بھر تراویح پڑھنا

میرے چچا جان (حضرت مولانا الیاس صاحب) نور اللہ مرقدہ نے بھی کئی رمضان المبارک اُمّی بی (نانی صاحبہ حضرت مولانا الیاس صاحب جو اُمّی بی کے نام سے معروف تھیں اور اپنے وقت کی رابعہ تھیں) کی وجہ سے کاندھلہ گذارے، تراویح تقریباً ساری رات میں پوری ہوتی تھی۔ مسجد سے فرض پڑھنے کے بعد مکان تشریف لے جاتے تھے، اور سحر تک تراویح میں چودہ، پندرہ پارے پڑھتے تھے۔

اُمّی بی کے صاحبزادے (حضرت مولانا الیاس صاحب کے ماموں) حضرت مولانا رؤف الحسن صاحب تیس رمضان المبارک کو (**الم ترکیف**) سے (**قل اعوذ برب الفلق**) تک ایک رکعت میں اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس پڑھ کر سحر کے وقت اپنی والدہ یعنی اُمّی بی سے یہ کہہ کر چل دیئے کہ دو رکعت میں نے پڑھا دی، اٹھارہ آپ خود پڑھ لیں، اور اُمّی بی نے سارا قرآن کھڑے ہو کر سنا۔

ہمارے اکابر کا فقر وفاقہ

حضرت مولانا مدنیؒ کی خود نوشت ''سوانح حیات'' کے حوالہ سے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کے بارے میں آپ بیتی میں حضرت شیخ نے لکھا یا ہے کہ:

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ کو فرماتے ہوئے میں نے خود سنا کہ

(مکہ مکرمہ میں) ایک ہفتہ تک صرف زمزم کے پانی پر گذارہ کرنا پڑا.... ایک ہفتہ گذر جانے کے بعد جب کہ ضعف ونقاہت بہت زیادہ ہوگیا تھا، رات میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس اللہ سرہ العزیز کو خواب میں دیکھا، ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے تم کو اپنے باورچی خانہ کا ناظم اور مہتمم بنادیا.... صبح کو اندھیرے میں ایک شخص نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے دروازہ کھولا، اس نے ایک تھیلی دی جس میں سو ریال تھے، ارو چلا گیا.... اس کے بعد سے عسرت نہیں ہوئی۔

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا یہ ارشاد بھی ذکر فرمایا ہے کہ فقر وفاقہ دو طرح کا ہے، اختیاری اور اضطراری فقر۔ اختیاری وہ ہے جو رضائے حق کے واسطے ہو، یہ دولت مندی سے بدرجہا افضل ہے، اور فقر اضطرای عوام کو ہلاکت تک پہنچادیتا ہے۔ حدیث "كَادَ الْفَقْرُ اَنْ يَّكُوْنَ كُفْرًا" سے یہی مراد ہے۔

حضرت مولانا الیاس صاحب کا شروع کا دور

مولانا یوسف صاحبؒ نے ایک موقع پر ایک صاحب کے استفسار پر بیان فرمایا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے شروع کے دور میں کئی کئی فاقے ہوجاتے تھے اور مدرسہ کاشف العلوم (بنگلہ والی مسجد بستی نظام الدین) میں کام کرنے والے بھی اس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

ایک بار مسلسل کئی دن سے فاقہ تھا اور اندر باہر کچھ نہ تھا، حضرت اپنے حجرہ سے نکلے اور حوض کے کنارے اہل مدرسہ کو جمع کرکے فرمایا دیکھو! تم لوگ میری وجہ سے پریشان مت ہو، تم یہاں سے کہیں اور جاسکتے ہو، کسی اور مدرسہ میں کام کرسکتے ہو، میں اکیلا ہوں حوض کا پانی پی کر گذارہ کرلوں گا، گھر میں اور مدرسہ کے خزانے میں کچھ

نہیں ہے۔

حضرت کے اس فرمانے پر سب اہل مدرسہ نے ایک زبان ہو کر عرض کیا: حضرت ہم بھی آپ کے پاس رہیں گے، چاہے ہم کو بھی حوض کا پانی ہی پینا پڑے۔

حضرت اس جواب سے آبدیدہ ہو گئے، اور اپنے حجرے میں تشریف لے گئے، پھر تھوڑی دیر کے بعد نکل کر باہر آئے، اور فرمایا: اللہ برکت دے گا اور آسانی مہیا کرے گا۔

ہمارے اکابر کا استغنا

ہمارے حضرات میں یہ خاص بات تھی کہ وہ جامع مراتب اعتدال تھے، نہ متکبر تھے، نہ تصنع کے متواضع، سادگی کے ساتھ ان میں استغنا کی شان تھی۔

حضرت مولانا قاسم صاحب کسی دینی ضرورت سے ایک مرتبہ ریاست رام پور تشریف لے گئے، نواب صاحب کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوا کہ مولانا تشریف لائے ہیں۔

نواب صاحب نے مولانا سے تشریف لانے کی درخواست کی مگر مولانا تشریف نہیں لے گئے اور یہ عذر فرمایا کہ ہم دیہات کے رہنے والے ہیں، آداب شاہی سے ناواقف، نہ معلوم ہم سے کیا گڑبڑ ہو جائے جو آداب شاہی کے خلاف ہو، اس لیے مناسب نہیں۔

نواب صاحب نے کہلا بھیجا کہ آپ تشریف لائیں، آپ سے آداب کون چاہتا ہے، ہم خود آپ کا ادب کریں گے، آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔

مولانا نے پہلے تو انکسار کا جواب دیا تھا۔ پھر ضابطہ کا جواب دیا کہ عجیب بات ہے کہ اشتیاق تو آپ کو اور آ ؤں میں، غرض کہ مولانا تشریف نہیں لے گئے۔

ہمارے اکابر کا مخالفین کے ساتھ برتاؤ

ارواح ثلاثہ کے حوالہ سے حضرت شیخ نے حضرت مولانا محمد یحیٰ صاحب کی روایت سے حضرت گنگوہی قدس سرہ کا واقعہ ذکر فرمایا ہے کہ مجھ سے مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ مولوی یحیٰ! احمد رضا خاں مدت سے میرا رد کر رہا ہے، ذرا اس کی تصنیف ہمیں بھی تو سنا دو۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھ سے تو نہیں ہو سکے گا، حضرت نے فرمایا کیوں؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت ان میں تو گالیاں ہیں۔

حضرت نے فرمایا اجی! دور کی گالیوں کا کیا ہے؟ پڑی گالیاں ہوں تم سناؤ! آخر اس کے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں۔

میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھ سے تو نہیں ہو سکتا..... حکیم الامت اس کے حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں..... اللہ اکبر!! یہ ہے حق پرستی کہ اس کی طلب اور اتباع کے غلبہ میں دشمن کی بیہودگی سے بھی متاثر و متغیر نہ ہوں۔

حضرت تھانویؒ کا معاملہ

اشرف السوانح میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ پر معترضین کی بھرمار بوچھار کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت والا نے اپنے معترضین کے مقابلہ میں بھی کبھی رد کی کوشش نہیں فرمائی، بل کہ ان کے اعتراضوں پر بھی بالخصوص جہاں مظنہ نیک نیتی کا تھا، اس نیت سے نظر فرمائی کہ اگر ان اعتراضات میں کوئی امر واقعی قابل قبول ہو تو اس کو قبول کر کے اس پر عمل کیا جائے۔

حضرت شیخ کی نصیحت

میری اپنے دوستوں کو نصیحت ہے کہ مخالفت کے حدود ہوتے ہیں، جس میں آج کل بہت ہی افراط وتفریط ہو رہی ہے۔ جس سے ذرا سی مخالفت ہوئی ہر برائی اس کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے، محض توہمات پر حکم لگائے جاتے ہیں۔ حالاں کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا (الإسراء:۳۶)

کہ کان، آنکھ اور دل ہر چیز سے قیامت میں سوال کیا جائے گا۔

معمولی سی مخالفت پر ہر چیز کو بلا تحقیق دوسرے کے ذمہ تھوپنا بڑی خطرناک چیز ہے، اور پھر قیاسات سے ان کو روایات بنا دینا بڑی سخت ذمہ داری ہے، اس سے میرے دوستوں کو بڑے احتراز کی ضرورت ہے، یہ بہت خطرناک چیز ہے۔

معمولات کی پابندی

فرمایا! ایک اہم بات یہ ہے کہ ذکر اور معمولات کا بہت اہتمام رکھا جائے میں نے حضرت مدنی اور اپنے چچا جان کو اخیر عمر تک ذکر کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

میں نے اپنے والد صاحب اور حضرت مدنی دونوں کو اخیر شب میں تنہائی میں روتے اور گڑگڑاتے ہوئے دیکھا، یہ دونوں بالکل ایسا روتے تھے جیسا مکتب میں بچہ پٹ رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ حضرت کی ان قیمتی نصائح پر ہم سب کو عمل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
بیان......(۱۵)
علما اور صفاتِ علم
(افادات)
عارف باللہ حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ
حضرت کے یہ قیمتی اقتباسات افادات صدیق، مجالس صدیق اور تذکرہ صدیق سے اخذ کئے گئے ہیں علماء کے لیے بے حد مفید ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

بزرگو! میں سچ کہتا ہوں کہ علماء کی عزت اسی میں ہے کہ وہ دینی کام کریں دنیادار علماء کی لوگوں کی نگاہ میں وہ عزت اور مقام نہیں ہوتا جو دینی کام کرنے والے کا ہوتا ہے۔

اور میرا خوب تجربہ ہے یقین سے معلوم ہے کہ لوگوں کے حالات کیسے ہی ہوں اپنے لیے وہ کچھ بھی پسند کرتے ہو، اور ان کا معیار زندگی کتنا ہی بلند ہو چکا ہو..... لیکن علماء کو وہ سادہ زندگی میں ہی دیکھنا چاہتے ہیں، ایسے ہی علماء کی وقعت ان کے قلوب میں ہوتی ہے، دنیادار، عیش پرست، آرام طلب علماء کی وقعت ان کے قلوب میں ہوتی ہے۔

پیراگراف

از افادات حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

کبھی علم گمراہی کا ذریعہ بنتا ہے

بزرگو! آدمی دین کا علم حاصل کرے، قرآن وحدیث پڑھے، پڑھنے کے بعد اس کو دین کے کام کی توفیق نہ ہو یہ بھی اللہ تعالی کا عذاب ہے، علم تو ہے لیکن اس سے فیض نہیں ہوتا، بجائے ہدایت کے اس کے ذریعہ گمراہی پھیلتی ہے، کتنے ایسے ہیں جو پڑھ کر فارغ ہوئے قاسمی اور مظاہری بن گئے، لمبی لمبی سند لے لی اور پھر طبیہ کالج یا کسی یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا ڈاکٹر بن گئے، میں ڈاکٹر بننے کو منع نہیں کرتا لیکن ایسے لوگ جب کالجوں میں جاتے ہیں تو صرف ڈاکٹری نہیں پڑھتے بل کہ ان کے لباس میں تبدیلی آتی ہے، کرتہ پائجامہ سے ہٹ کر کوٹ پتلون میں آجاتے ہیں، کچھ دنوں کے بعد ڈارھی بھی صاف ہو جاتی ہے اور نمازیں غارت ہونے لگتی ہے، پھر اس کو کوئی مولوی صاحب یا مولانا صاحب کہے تو اس میں اپنی توہین سمجھتا ہے، ڈاکٹر صاحب کہنے میں اپنی عزت سمجھتا ہے، اس کو اپنے آپ کو قاسمی کہنے میں عار آتا ہے اور بی اے اور ایم اے کہنے میں فخر محسوس کرتا ہے، علم دین حاصل کرنے میں جو وقت خرچ ہوا اس کی بابت کہتا ہے کہ خواہ مخواہ وقت ضائع کیا، ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن سے ہدایت تو کیا پھیلتی دوسروں کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔

ناقدری پر اللہ کا عذاب

اگر کسی کو کسی عہدے سے گرا دیا جائے تو کیا یہ ذلت اور عذاب نہیں ہے؟ یہاں اس عالم دین کو علم دین حاصل تھا، علمی منصب پر فائز تھا، اور عالم دین نبی کا

نائب اور جانشین ہوتا ہے لیکن اس کو مکھی کی طرح باہر نکال کر پھینک دیا گیا اور اس سے اس کا منصب چھین لیا گیا کیا یہ عذاب نہیں ہے؟

ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ اس نے علم دین کی ناقدری کی جب خود ہی اس کی ناقدری کی تو اس کا خسارہ بھی اسی کو ہوا.... لیکن تعجب ہے کہ وہ اسی کو ترقی اور کامیابی سمجھتا ہے یہ بڑا عذاب ہے کہ تنزلی کو ترقی سمجھتا ہے، اللہ ہی حفاظت فرمائے۔

علماء کی عزت دینی کام کرنے اور سادگی میں ہے

بزرگو! میں سچ کہتا ہوں کہ علماء کی عزت اسی میں ہے کہ وہ دین کا کام کریں، دنیادار علماء کی لوگوں کی نگاہ میں وہ عزت اور مقام نہیں ہوتا جو دینی کام کرنے والے کا ہوتا ہے۔

میرا خوب تجربہ ہے یقین سے معلوم ہے کہ لوگوں کے حالات کیسے ہی ہوں، اپنے لیے وہ کچھ بھی پسند کرتے ہوں اور ان کا معیار زندگی کتنا ہی بلند ہو چکا ہو.... لیکن علماء کو وہ سادہ زندگی ہی میں دیکھنا چاہتے ہیں ایسے ہی علماء کی وقعت ان کے قلوب میں ہوتی ہے، دنیادار، عیش پرست، آرام طلب علماء کی وقعت ان کے قلوب میں نہیں ہوتی

مقدر کی روزی مل کر رہتی ہے

بزرگو! مقدر کی روزی مل کر رہتی ہے اگر مقدر میں نہیں تو کوئی ہزار کوشش کرے تب بھی نہیں ملتی، تقدیر پر لوگوں کا جیسے ایمان ہی نہیں رہا، مدرسوں سے لوگ پڑھ کر فارغ ہوتے ہیں نہ معلوم سب کہاں چلے جاتے ہیں، جس کو دیکھو سعودیہ کی دھن لگائے بیٹھا ہے۔

مشکوٰۃ شریف پڑھانا چھوڑ کر گئے اور وہاں جا کر کھڑے کھڑے باغ میں

پانی لگایا کرتے ہیں، اونٹ چراتے ہیں، یہ زندگی ان کو پسند ہے، مال کی حرص بہت بری ہوتی ہے۔

ترقی بغیر مجاہدہ کے نہیں ہوتی

بزرگو! اس راہ میں جس نے بھی قدم رکھا ہے ایسا ہوا ہی نہیں کہ اس کو مجاہدہ نہ کرنا پڑا ہو، مجاہدہ کے بغیر تو چارہ ہی نہیں۔

صحابہ کرام کو دیکھو صفہ ایک چبوترہ تھا اس میں پڑے رہتے تھے نہ کھانے کا کوئی نظم تھا اور نہ بچھانے کا کوئی انتظام تھا، سردی ہو یا گرمی دونوں حالتوں میں مجاہدہ کی زندگی بسر کیا کرتے تھے، سردی سے بچنے کے لیے بھی کپڑے نہ تھے اور گرمی کی شدت سے بچنے کا بھی کوئی انتظام نہ تھا، اللہ کے رسول اگر چاہتے تو کیا کچھ انتظام نہیں ہوسکتا تھا، آپ چاہتے تو سونے چاندی کے ڈھیر لگ جاتے لیکن یہ راستہ ہی ایسا ہے کہ مجاہدہ کے بغیر اس میں ترقی نہیں ہوتی، آدمی اپنے کو مٹا دے فنا کر دے، عزت کو خاک میں ملا دے اپنے کو کچھ نہ سمجھے تب جا کر کامیابی حاصل ہوتی ہے اور جن لوگوں نے کچھ کام کیا ہے اسی طرح کیا ہے۔

حضرت رائے پوریؒ کا حال

اس راہ میں کوئی مجاہدہ کر کے تو دیکھے کیا ہوتا ہے، سچ کہہ رہا ہوں دنیا پیچھے پیچھے پھرتی ہے وہ دنیا کو منہ بھی نہیں لگاتا لیکن دنیا اور دنیا والے اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں۔

حضرت رائے پوریؒ کو دیکھو، ان کے پاس کھانے پینے کو بھی کچھ نہ ہوتا تھا، بسا اوقات مولی کے پتے چن چن کر لاتے اور ان کو ابال کھاتے، سردی میں اوڑھنے کی لیے لحاف نہ تھا چٹائی میں لپٹ کر سو جاتے، پھر ایک وقت آیا کہ لوگ خوشامد کرتے

پھرتے تھے کہ حضرت دومنٹ کے لیے ہماری گاڑی پر بیٹھ جائیں، تھوڑی دیر کے لیے ہمارا لحاف اوڑھ لیجیے۔

حضرت مولانا علی میاں کا استغنا

حضرت مولانا علی میاںؒ صاحب کا استغنا دیکھو، چاہتے تو دولت واسباب سے گھر بھر لیتے اتنی کثرت سے عرب جاتے ہیں، اور مقبولیت بھی خوب حاصل ہے ... لیکن جب بھی ان کے سامنے دولت پیش کی گئی تو اس کو ٹھکرا دیا، کتنا عرصہ گذر گیا گھر میں ایک ٹیپ ریکارڈ تک نہیں لائے کھانا بھی وہی سادہ موٹا جھوٹا، لباس بھی بالکل سادہ صرف دو تین جوڑے۔

یہی باتیں تو ہیں جو انسان کو نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہیں۔

خوشامد اور چاپلوسی سے بچو

بزرگو! اپنے آپ کو کبھی ذلیل نہیں کرنا چاہیے کیسے ہی حالات سامنے آجائیں لیکن لوگوں کے سامنے کبھی ہاتھ نہ پھیلائے، اللہ والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ فاقے پر فاقے ہوتے ہیں لیکن مجال کیا کہ کسی کو ذرہ برابر خبر ہو جائے۔

آج کل مدارس میں چندہ ہوتا ہے اس میں بھی بڑی خوشامدیں ہوتی ہیں، چندہ تو خیر اپنی ذات کے لیے نہیں ہوتا بل کہ دین کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس میں تو کوئی حرج نہیں اس ذلت میں بھی ان شاء اللہ ثواب ملے گا لیکن اس میں بھی خوشامد نہ کرنا چاہیے، بس کہہ دینا کافی ہے، جس کو دینا ہو دے، نہ دینا ہو نہ دے، لگ لپٹ کر مانگنا، آرزو کرنا خوشامد کرنا کہ چندہ لے کر ہی رہنا ہے یہ بڑی ذلت کی بات ہے اس کی ضرورت نہیں۔

تقویٰ اختیار کرو

تقویٰ بہت بڑی چیز ہے اکابرین اور بزرگان دین میں تقویٰ ہی کی صفت پائی جاتی تھی، آج کل لوگ لکھ پڑھ تو لیتے ہیں لیکن عمل واخلاص اور تقویٰ سے بالکل کورے ہوتے ہیں، حالاں کہ اصل چیز تقویٰ ہے اپنے آپ کو ہر طرح کے گناہ سے بچانا ہے۔

جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے

بزرگو! گناہ سے بچنے کی ہزاروں صورتیں ہیں لیکن کوئی بچنا تو چاہے، جو بچنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بچاتا ہے اور اس کے بچنے کی غیب سے صورتیں پیدا فرمادیتا ہے۔

وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً (الطلاق: ۲) کا یہی مطلب ہے کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نکلنے کی صورت پیدا فرمادیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں خود ایسی صورتوں کا الہام فرماتا ہے جس سے وہ گناہوں سے بچ جاتا ہے اور اللہ اس کی مدد فرماتا ہے لیکن یہ سب اس کے لیے ہوتا ہے جو بچنا چاہے۔

جتنا بس میں ہے اتنا کرلو

ایک مرتبہ زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی پوری کوشش کرڈالی، خوب بن سنور کر سامنے آئی، اور محل کے سارے دروازے مقفل کردیے، اس کے بعد یوسف علیہ السلام کو اپنے مقصد کے لیے بلایا، یوسف علیہ السلام نے انکار فرمایا اور باہر نکلنے کی کوشش کی تو دیکھا کہ دروازہ بند تالا پڑا ہوا، لیکن یوسف علیہ السلام کے بس میں تھا اتنا کیا دروازہ تک بھاگ کر آئے، اللہ تعالیٰ نے تالا کھول دیا، یوسف علیہ

السلام آگے بڑھتے جاتے اور تالے تڑ تڑ ٹوٹ کر گرتے جاتے، جتنا اپنے بس میں ہو کرتا رہے آگے اللہ تعالیٰ غیب سے حفاظت کا انتظام فرماتا ہے۔ **وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً** (الطلاق:۲)

حرام سے بچو تو اللہ حلال بنا کر دیے گا

حضرت مولانا احمد علی سہارن پوریؒ مظاہر علوم کی قدیم عمارت کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے وہاں کسی عزیز سے مدرسہ کے کام سے ملاقات کے لیے جانا تھا رکشہ سے تشریف لے گئے وہاں کسی عزیز سے مدرسہ کے کام سے ملاقت کے لیے جانا تھے رکشہ سے تشریف لے گئے، لیکن رکشہ کا کرایہ خود ادا کیا مدرسہ سے نہیں دیا، اس لیے کہ یہ ہمارے عزیز ہیں اور میں ان سے ملنے جارہا ہوں یہ ان کے تقویٰ اور احتیاط کا عالم تھا، سفر سے واپسی پر مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو اس میں لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں نے اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا اگر چہ ہاں چندہ خوب ہوا، لیکن میری سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی، چندہ کی نہیں تھی اس لیے وہاں کی آمد و رفت کا اتنا کرایہ حساب سے وضع کرلیا جائے۔

آج کل اہل مدارس کا حال

آج کل تو لوگوں نے مدارس کو آمدنی کا ذریعہ بنا رکھا ہے، جس کو دیکھو چھوٹا سا مدرسہ بنالیا خوشنما رسیدیں چھپوالیں، لمبے لمبے اشتہار چھپوالیے اور چندہ کرنا شروع کردیا اچھی خاصی آمدنی ہونے لگی۔

مدرسوں میں رہنا اور ناظم و مہتمم بننا بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے آسان کام نہیں ہے یا تو سیدھے جنت میں جائے گا یا سیدھے دوزخ میں جائے گا، اللہ ہی حفاظت فرمائے۔

حضرت شیخ الحدیث کی شان استغناء

بزرگو! دینی کام میں لگے رہو، اپنے اندر استغنا کی شان پیدا کرو۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ پر والد ماجد کے انتقال کے بعد بڑی تنگی کا دور آیا بعض حضرات نے تجارت کا مشورہ دیا کہ میرٹھ میں تجارت کے اچھے مواقع ہیں، وہاں تجربہ کار حضرات کی سرپرستی بھی حاصل رہے گی جس سے تجارت میں ترقی ہوگی۔۔۔۔ مگر حضرت نے درس کو چھوڑنا بالکل پسند نہ کیا اور بلا معاوضہ برابر مظاہر علوم میں درس دیا۔

ایک مرتبہ حیدرآباد سے ایک طویل خط آیا جس میں ہر طرح کی راحت اور آسانی کے ساتھ ساتھ علمی اشتغال ہی کے سلسلہ میں جو حضرت کا محبوب مشغلہ تھا۔ اس ارزانی کے زمانے میں جب کہ ۲۰ کا گندم ملتا تھا، آٹھ سو روپئے کی تنخواہ کی ملازمت آئی مگر حضرت نے کسی طرح مظاہر علوم کو چھوڑنا پسند نہ کیا اور تحریر فرمایا:

"مجھ کو جینا ہی نہیں بندۂ احسان ہو کر"

تقسیم ہند سے دو تین سال قبل ڈھا کہ سے خط آیا کہ صرف بخاری شریف اور ترمذی شریف آپ کے درس میں ہوں گی اور بارہ سو روپئے تنخواہ ہوگی، اس پر بار بار اصرار کیا گیا اور متعدد جوابی تار اور خط بھیجے گئے۔

حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا کہ جن دوستوں نے آپ سے میرا نام لیا ہے انہوں نے محض حسن ظن سے غلط روایات پہنچائی ہیں، یہ ناکارہ نہ اس کا اہل ہے اور نہ متحمل۔

یہ ہے ہمارے اکابر کی زندگی جس کو نمونہ بنایا جائے، آج کل حال یہ ہے کہ دینی مدرسہ میں بیس سال تک درس دیتے رہے لیکن ذرا سی مال کے لالچ پر سب

چھوڑ کر دوسرے ملک میں جا کر کمائی میں لگ گئے جس پر نماز تک کی پابندی نہ رہی؟
اللہ تعالی حضرت کے ارشادات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیان.......(۱۶)

میسر تجھ کو خود اپنا اگر دیدار ہو جائے
تو مشت خاک انسان محرم اسرار ہو جائے

علماء کی صفات

(بیان)

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری ؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اقتباس

ان حضرات (ہمارے اسلاف وعلماء متقدمین) کے پیش نظر محض اللہ تعالیٰ کی رضا تھی، نہ عوام ان کے پیش نظر تھی کہ ان کے لیے حرام کو حلال کر دیں اور نہ حکومتوں سے ان کا گٹھ جوڑ تھا کہ ان کے لیے تحلیل حرام کا ارتکاب کریں۔

ان حضرات میں اخلاص اور تقویٰ تھا، اور سارا عمل ارضائے مخلوق سے بالاتر تھا، نہ انہیں دشمن استعمال کر سکتے تھے، نہ اصحاب اقتدار خرید سکتے تھے، نہ وہ اپنی شان بڑھانا چاہتے تھے، نہ شہرت کے طالب تھے۔

پیراگراف

ازافادات حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہریؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

اللہ تعالیٰ کی رضا کی فکر کرو

مخلوق کو راضی رکھنے کی فکر نہ کرو، بل کہ خالق و مالک کو راضی رکھو جس نے وجود بخشا اور زندگی دی ہے۔ آج کل لوگ مخلوق کو راضی کرنے کے لیے خالق و مالک کی نافرمانی کرتے ہیں۔ صرف اس لیے ڈاڑھی منڈاتے اور پتلون پہنتے ہیں کہ کوئی انہیں مُلّا نہ سمجھے۔ بیوی کو اس لیے پردہ نہیں کراتے کہ کوئی دقیانوسی نہ کہہ دے۔

بس اتنی سی بات کے لیے اللہ کی نافرمانی کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ارے مخلوق کی بھی کوئی حیثیت ہے؟! جسے اللہ کی نافرمانی کر کے راضی کیا جائے۔ صرف خالق و مالک کو راضی کرو۔ اس کو راضی رکھتے ہوئے جو راضی ہو جائے ٹھیک ہے۔

علماء سابقین میں اخلاص و تقویٰ تھا

علماء سابقین میں اخلاص تھا، ان حضرات میں سے جو شخص اپنے اجتہاد کی وجہ سے کسی دوسرے کا موافق نہ ہوا اس نے دوسرا مسلک اختیار کر لیا جو اسے راجح معلوم ہوا۔ لیکن اپنے ہم عصر یا سابق مجتہدین کی عزت برقرار رکھتے ہوئے اور انہیں رحمت کی دعا دیتے ہوئے اور یہ واضح کرتے ہوئے کہ ہم نے غیر منصوص امور میں اجتہاد کیا ہے۔ اس لیے ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری سمجھ میں جو آیا ہے وہی صحیح ہے۔ ان

حضرات کے پیش نظر محض اللہ تعالی کی رضا تھی، نہ عوام ان کے پیش نظر تھی کہ ان کے لیے حرام کو حلال کر دیں اور نہ حکومتوں سے ان کا گٹھ جوڑ تھا کہ ان کے لیے تحلیل حرام کا ارتکاب کریں۔

ان حضرات میں اخلاص اور تقویٰ تھا اور سارا عمل ارضائے مخلوق سے بالاتر تھا۔ نہ انہیں دشمن استعمال کر سکتے تھے۔ نہ اصحابِ اقتدار خرید سکتے تھے، نہ وہ اپنی شان بڑھانا چاہتے تھے، نہ شہرت کے طالب تھے۔

انسان میں حُبِّ جاہ کا مادہ کتنا ہے

انسان کے اندرِ حُبِّ جاہ کا جذبہ یہاں تک ہے کہ جو کام نہ کیا ہو اس پر بھی اپنی تعریف چاہتا ہے۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا: **وَّيُحِبُّوْنَ أَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا** (آل عمران: ۱۸۸) (اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے نہیں کیے) یہ بات قرآن مجید میں یہودیوں کے بارے میں فرمائی گئی ہے مگر اس مرض میں بہت سے مسلمان بھی مبتلا ہیں۔

دوہری ریا کاری

عدم الریاء کے دعوے میں بھی ریا ہوتی ہے تنہائی میں عمل کر کے لوگوں سے کہتے ہیں کہ الحمد للہ بڑی پابندی سے اتنے برس سے یہ عمل جاری ہے لوگوں کو دکھانا تو تھوڑا ہی ہے جو سامنے کیا جائے اور اس کا ڈھنڈھورا پیٹا جائے، دیکھو ریا کاری سے بے زاری ظاہر کرنے میں دوہری ریا کاری کر گئے۔ ایک تو عمل ظاہر کر دیا کہ اتنے عرصہ سے پابندی کر رہا ہوں، دوسرے یہ کہہ دیا کہ میں ریا کار نہیں ہوں (اس لیے میرے اخلاص کے معتقد بن جاؤ۔)

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالی نے ۶۰/سال کی

عمر دے دی اس کے لیے عذر کا کوئی موقع نہیں چھوڑا (یعنی اس عمر تک آدمی کو اپنی اصلاح ضرور کر لینی چاہیے۔)

زندگی آخرت بنانے کے لیے ہے

ساٹھ سال کی زندگی بہت ہوتی ہے۔ اس میں انسان دادا اور پردادا بن جاتا ہے۔ دنیا کماتا ہے، ہزاروں کی ریل پیل میں مشغول ہوتا ہے۔ دنیا کے لیے چاک و چوبند، بیدار مغز، فکر مند اور آخرت سے غفلت یہ بڑی بے وقوفی ہے۔

سورۂ فاطر میں فرمایا **وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحاً غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ** (فاطر: ۳۷) اور لوگ دوزخ میں چیخ و پکار کرتے ہوئے یوں کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں نکال دیجیے، ہم جو اعمال کیا کرتے تھے اب ان کے علاوہ عمل کریں گے اور وہ نیک عمل ہوں گے)

اس کے جواب میں ارشاد ہوگا" **أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ** " (سورۂ فاطر: ۳۷) (کیا ہم نے تمہیں اتنی عمر نہیں دی جس میں نصیحت حاصل کرنے والا نصیحت حاصل کر لیتا۔ اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا تھا)

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ "نذیر" (ڈرانے والے) سے سفید بال مراد ہیں جب سفید بال آ گئے تو آخرت کی فکر بہت زیادہ کرنی چاہیے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ "نذیر" سے اولاد کی اولاد مراد ہے، جب اولاد کی اولاد آ گئی تو سمجھ لو کہ اب چل چلاؤ ہے۔ اگلی زندگی کی فکر زیادہ کرو۔

مبارک اور خوش نصیب لوگ

کیا ہی مبارک ہیں وہ لوگ جو قرآن و حدیث کی تعلیم و تدریس میں مشغول

ہیں۔یا کسی بھی اعتبار سے دینی کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔بات یہ ہے کہ انسان جب دنیا میں آیا ہے تو اسے کچھ تو کرنا ہی ہے اور کسی نہ کسی کی خدمت میں تو لگنا ہی ہے۔کوئی اپنی خدمت میں مشغول ہے، بناؤ سنگھار، کپڑوں کی استری، گھر کی آرائش اور زیبائش میں لگا ہوا ہے۔کوئی زمین کی خدمت کرتا ہے، بوتا ہے اور جوتتا ہے۔کوئی جوتوں کی پالش کا کام لیے بیٹھا ہے۔کوئی کپڑے سی رہا ہے۔کوئی گورنر ہے، مگر وہ بھی نوکر ہے۔کوئی وزیر ہے، وہ بھی عوام کی خدمت کا لیبل لگائے ہوئے ہے۔کچھ لوگ گاڑیاں دھو رہے ہیں، میکینک ہیں، گاڑیوں کے نیچے لیٹ کر مرمت کر رہے ہیں۔ اور بہت سے لوگ اس دنیا میں کتوں کے نہلانے پر اور بہت سے لوگ خنزیروں کے چرانے پر مامور ہیں۔اور یہ سب دنیاوی ضروریات پورا کرنے کے لیے ہے۔

اللہ کے دین کے خادم

بہت سے بندے وہ ہیں جو اللہ کی کتاب پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں، نمازیں سکھاتے ہیں، لوگوں کو اللہ کی یاد میں مشغول کرتے ہیں، بہت سے لوگ حدیث وفقہ کا درس دیتے ہیں، اللہ کی مخلوق کو اسلام کے احکام اور مسائل بتاتے ہیں۔

اور بہت سے حضرات خانقاہوں میں فردکش ہیں، تزکیہ نفوس کا کام کرتے ہیں اور کثرتِ ذکر کی تلقین کرتے ہیں۔بہت سے حضرات مسجدوں کی امامت اور خطابت میں اور بہت سے حضرات اذان دینے کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔یہ حضرات اللہ کے دین کے خادم ہیں اور دین کی دعوت اور اشاعت میں مشغول ہیں۔

طلبہ کو نصیحت

میں اپنے لڑکوں سے کہتا ہوں کہ اللہ کے دین کی خدمت میں لگے رہو خدمت

تو کرنی ہی ہے، پھر اعلیٰ خدمت کو کیوں نہ اختیار کیا جائے جس میں دنیا اور آخرت کی خیر ہے، اور یہی مومن کا مقصود حیات ہے۔

میں علم دین حاصل کرنے والے طلبہ سے کہتا ہوں کہ تم نہایت عمدہ مشغولیت میں ہو۔ اگر قرآن وحدیث کی خدمت میں مشغول نہ ہو گئے تو کسی نہ کسی کی خدمت تو کرنا ہی ہوگی۔ بعض طالب علموں نے درمیان میں چھوڑ دیا، پھر دنیا اور اہل دنیا کی خدمت میں لگنا پڑا ایسی سیکڑوں نظیروں نظروں کے سامنے ہیں۔

دینی تعلیم سے عمومی غفلت

بعض لوگ اپنے بچوں کو قرآن وحدیث نہیں پڑھاتے اور کہتے ہیں: کیا اپنے بچوں کو ملاّ بنانا ہے، اور مسجد کی روٹیاں کھلانا ہے؟ یہ لوگ حضرت بلال ؓ کے نام پر نام رکھنے پر تو فخر کرتے ہیں لیکن حضرت بلال ؓ کا جو کام تھا یعنی اذان دینا اس کام میں اپنی اولاد کو لگانا عار سمجھتے ہیں۔ امامت وخطابت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین حضرات ابوبکر وعثمان اور علی رضی تعالیٰ عنہم کا کام تھا، اس کام سے اپنی اولاد کو بچاتے ہیں اور اپنے متعلقین کو مسجد کی روٹیاں کھانے کا طعنہ دیتے ہیں۔

مگر سمجھ لو! مسجد کی روٹیاں کھانا، رشوت، سود اور حرام کاروبار کے پیسے سے روٹیاں کھانے سے کہیں بہتر ہے۔ جب لوگ اپنی اولاد کو مسجد سے دور رکھتے ہیں تو زندگی بھر وہ دور ہی رہتی ہیں۔

ذکر وفکر اور صبر وشکر

ذکر وفکر، صبر وشکر مومن کی زندگی کی گاڑی کے پہیے ہیں۔ اللہ کی یاد میں بھی لگا رہے اور ترقی درجات کے لیے بھی فکر مند رہے۔ تکلیف پر صبر کرے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہے۔

اصل مصیبت زدہ

دنیا دار المصائب ہے۔صبر کے بغیر زندگی گزارنے کا کوئی راستہ نہیں۔بس اتنا فرق ہے کہ مومن صبر کا ثواب بھی حاصل کر لیتا ہے اور کافر کو یہ بات و اویلا کرتا ہو، اجر وثواب کی امید نہ رکھتا ہو، وہ بھی ثواب سے محروم رہتا ہے۔اور در حقیقت مصیبت زدہ وہی ہے جسے تکلیف بھی پہنچی اور ثواب بھی نہ ملا۔اسی کو فرمایا ہے:" **إِنَّمَا الْمُصَابُ مَنْ حُرِمَ الثَّوَابَ** ": یعنی در حقیقت مصیبت زدہ وہی ہے جو ثواب سے محروم ہے۔

صبر کڑوا ہے نتیجہ میٹھا ہے

تکلیف کے وقت صبر بہت کڑوا معلوم ہوتا ہے۔لیکن اس کا نتیجہ میٹھا نکلتا ہے ۔اردو میں تو مثل مشہور ہے کہ ''صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے'' عربی میں بھی کسی نے کہا ہے " **اَلصَّبْرُ اَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ وَاَحْلٰی مِنَ الثَّمَرِ** "(صبر ایلوے سے زیادہ کڑوا ہے اور پھل سے زیادہ میٹھا ہے)

در حقیقت مومن سے زیادہ کوئی آرام وراحت میں نہیں۔وہ اللہ کی قضاء وقدر پر راضی اور ایمانی طور پر اس کا دفاع ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کی مصیبت ہلکی ہو جاتی ہے۔

رواجی تصوف

جب سے تصوف رہ گیا ہے اور مقاصد نظروں سے اوجھل ہو گئے تو خالص دنیا دار بھی پیر بن گئے۔سلسلہ خلافت اپنی نسل میں باقی رکھنے کی بنیاد پر ڈاڑھی مُنڈے بھی خلیفہ ہونے لگے۔خلاف شرع لباس پہنے ہوتے ہیں مگر خلیفہ ہیں اپنے باپ کے

مریدوں میں جاتے ہیں، سالانہ گشت کرتے ہیں اور اموال غصب کر کے لے آتے ہیں۔ دینے والوں کا دل تلملاتا رہتا ہے اور یہ وصول کر کے لے آتے ہیں۔ جو نہ شریعت میں جائز ہے نہ طریقت میں، یہ طریقے ایسے لوگوں کے سلسلوں میں جاری ہیں جو خالص دنیادار ہیں، پیسے گھسیٹنے کے لیے پیر بنے ہیں۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

حضرت گنگوہیؒ اور حضرت تھانویؒ کا معاملہ

الحمدللہ! ہمارے اکابر کے یہاں ایسے سلسلے نہیں ہیں۔ ان کے یہاں سب کچھ شریعت ہی ہے۔ طریقت شریعت پر ہی چلنے کے لیے ہے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خانقاہ اب تک موجود ہے۔ آپ کی وفات کو نوے سال ہو رہے ہیں، لیکن گدی نہیں چلائی۔ دوسروں کو خلافت دی، اپنے بیٹے کو خلافت نہیں دی۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے تو باقاعدہ وصیت نامہ میں لکھ دیا کہ میرا کوئی جانشین نہیں ہے۔

حقیقی پیر اور مصنوعی پیر

دراصل طالبِ دنیا کا اور طریقہ ہے اور طالبِ حق کی زندگی گزارنے کا طریقہ اور ہے۔ یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ اپنی شہرت اپنی عزت چمکانا، اپنا معتقد بنانا مقصود نہیں ہوتا۔ جس کے سامنے حق تعالیٰ شانہ کی ذات عالی ہے وہ اپنی ذات کو کچھ بھی حیثیت نہیں دے سکتا۔ جو مصنوعی پیر ہیں وہ تو اپنے کو سجدہ کراتے ہیں اور اپنے باپ داداؤں کی قبروں کا طواف کراتے ہیں جو سراپا شرک ہے۔ حالاں کہ شریعت و طریقت خالص اللہ کی توحید دل میں بسانے کے لیے اور اللہ کی عبادت اور اللہ کا ذکر قلوب میں رچانے کے لیے ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا حال

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب فارس کی جنگ میں شریک ہوئے تو فارس کے سپہ سالار نے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس لیے آئے ہیں کہ بندوں کو اللہ کا بندہ بنا دیں۔ جو پیر اپنے کو سجدہ کراتا ہے اور اپنی عظمت کا سکہ قائم کرتا ہے تو ایسا شخص خود ہی اللہ کا مقبول بندہ نہیں ہے وہ دوسروں کو اللہ تک کیا پہنچائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص نصیب فرمائے اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ